تفہیم کتاب وسنت

10

کتاب البیوع

خرید وفروخت کے احکام، حلال وحرام اور ناجائز کاروبار کی پہچان کے 27 اُصول اور قدیم وجدید معاشی مسائل کا بیان

تجارت کی کتاب

أحل الله البيع وحرم الربوا (البقرۃ)

اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے

تالیف وتخریج:
حافظ عمران ایوب لاہوری حفظہ اللہ

از تحقیق وافادات:
علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ



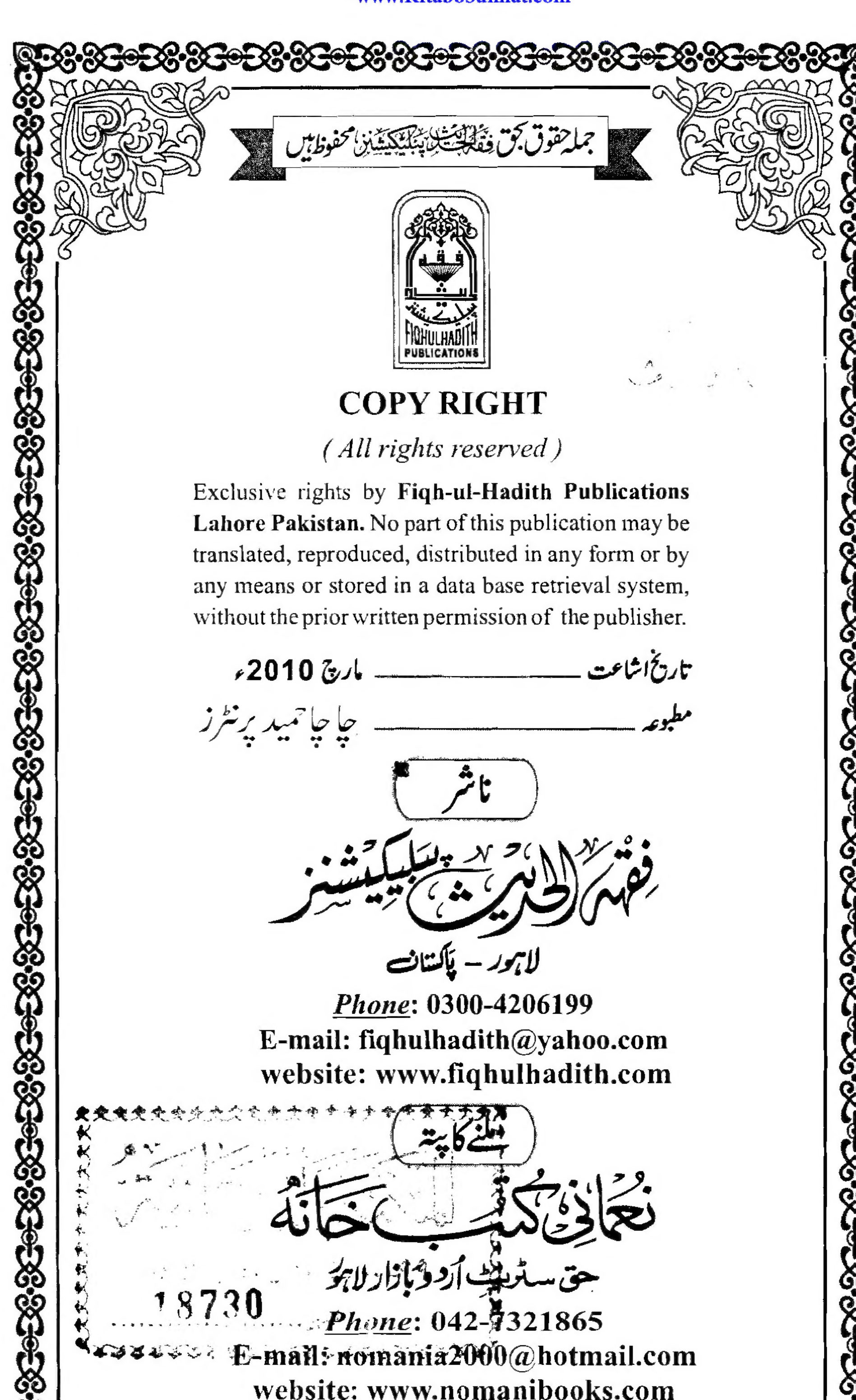
تفہیم کتاب وسنت

10

کتاب البیوع

خرید وفروخت کے احکام، حلال وحرام اور ناجائز کاروبار کی
پہچان کے 27 اصول اور قدیم وجدید معاشی مسائل کا بیان





تاریخ اشاعت ——— مارچ 2010ء

مطبوعہ ——— چاچا حمید پرنٹرز

ناشر

فقہ الحدیث پبلیکیشنز

لاہور - پاکستان

Phone: 0300-4206199
E-mail: fiqhulhadith@yahoo.com
website: www.fiqhulhadith.com

ملنے کا پتہ

نعمانی کتب خانہ

حق سٹریٹ اردو بازار لاہور

Phone: 042-7321865
E-mail: nomania2000@hotmail.com
website: www.nomanibooks.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم



تجارت، لین دین اور خرید وفروخت انسانی زندگی کا ایک لازمی حصہ ہے۔ ہر انسان ساری زندگی مسلسل کچھ نہ کچھ ضرور خریدتا اور بیچتا رہتا ہے یا کوئی نہ کوئی ایسا کام ضرور کرتا رہتا ہے جس کی اسے اُجرت ملتی ہے۔ خرید وفروخت کا معاملہ ایسا ہے کہ اس سے عورتیں بھی مستثنیٰ نہیں کیونکہ اگر عورتیں مردوں کی طرح تجارت یا نوکری نہ بھی کریں تب بھی وہ کچھ نہ کچھ خریدتی ضرور رہتی ہیں۔ لہٰذا یہ ایسا علم ہے جس کی ضرورت ہر انسان کو ہے اور جس علم کی بھی انسان کو اپنی روزمرہ زندگی میں ضرورت پیش آئے وہ اس پر فرض ہے۔ اس فرمانِ نبوی ''ہر مسلمان پر علم حاصل کرنا فرض ہے'' سے یہی علم مراد ہے۔

چنانچہ ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ اسلامی اصولِ تجارت کا علم بالخصوص تاجر حضرات کے لیے اور بالعموم تمام مسلمانوں کے لیے فرض ہے۔ یہی باعث ہے کہ عہد رسالت میں فاسد بیع کرنے والے لوگوں کو تادیباً سزا دی جاتی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ تاکید فرمایا کرتے تھے کہ بازاروں میں وہی خرید وفروخت کرے جسے دین (یعنی اسلامی اصولِ تجارت) کی سمجھ ہو۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ (احکامِ تجارت کی) سمجھ بوجھ کے بغیر تجارت کرنے والوں کو سود میں مبتلا ہونے سے ڈرایا کرتے تھے۔

اس موضوع کی یہی اہمیت وضرورت ہی اس کتاب کی تالیف کا سبب بنی۔ پیش نظر کتاب میں عام فہم انداز میں اسلامی اصولِ تجارت قلمبند کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور ان اصولوں کی روشنی میں نہ صرف قدیم بلکہ بعض جدید معاشی مسائل کا بھی حل پیش کیا گیا ہے۔ چنانچہ **ابتدائی دو ابواب** میں حلال وحرام کی پہچان کے اصول، حلال کھانے کی ترغیب، حرام کھانے کی مذمت، معاشی جدوجہد کی فضیلت اور چند آدابِ تجارت کا ذکر کیا گیا ہے۔

تیسرا باب تجارت کے بنیادی اصول، ارکان، شرائط اور سودے بازی کے احکام پر مشتمل ہے۔ **چوتھے باب** میں حرام ذرائع آمدن کی تفصیل کا بیان ہے جسے چار حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے: ① جن اشیاء کی تجارت حرام ہے۔ ② تجارت کی چند ناجائز صورتیں اور طریقے۔ ③ سودی تجارت اور لین دین۔ ④ چند دیگر حرام ذرائع آمدن۔ اس باب میں کتاب وسنت اور علماوفقہا کے اقوال کو پیش نظر رکھتے ہوئے 17 ایسے اصول بھی مقرر کیے گئے ہیں جن کے ذریعے بآسانی حلال وحرام کاروبار کی پہچان کی جاسکتی ہے خواہ اس کا تعلق قدیم مسائل سے ہو یا جدید سے۔ **پانچواں باب** کاروبار کی جائز صورتوں کے بیان پر مشتمل ہے۔ **چھٹے باب** میں بلاعوض مال حاصل کرنے کے حلال وحرام ذرائع کا ذکر کیا گیا ہے۔ **ساتویں باب** میں قرض، گروی اور دیوالیہ کے مسائل کا بیان ہے۔ **آٹھویں باب** میں لقطہ، وقف، عاریت، امانت اور ضمانت کے مسائل ذکر کیے گئے ہیں۔ **نویں باب** میں چند جدید اور متفرق مسائل (جیسے اسلامی بینکنگ، ملٹی لیول مارکیٹنگ، شیئرز کی خرید وفروخت وغیرہ) کا بیان ہے اور **دسویں باب** میں تجارت اور لین دین سے متعلقہ 15 ضعیف روایات درج کی گئی ہیں۔

امید ہے کہ یہ کاوش اسلامی اصولوں کے مطابق خرید وفروخت اور ملازمت ونوکری کرنے کے لیے لوگوں کی رہنما اور باہمی لین دین کی خرابیوں کی اصلاح کا مفید ذریعہ ثابت ہوگی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے عامۃ الناس کے لیے نافع بنائے۔ (آمین!)

⇦ اس سیریز کی آئندہ کتاب "جادو جنات سے بچاؤ کی کتاب" ہوگی۔ (انشاء اللہ)

"وما توفيقي إلا بالله عليه توكلت وإليه انيب"

كتبه

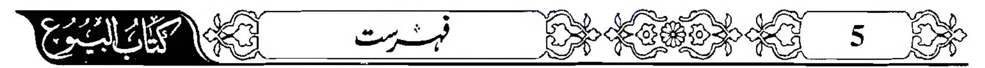
حافظ عمران ایوب لاہوری

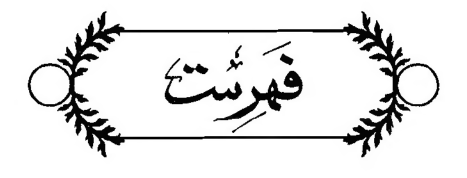
بتاریخ: مارچ 2010ء، بمطابق: ربیع الثانی 1431ھ

فون: 0300-4206199

ای میل: hfzimran_ayub@yahoo.com

ویب سائٹ: **www.fiqhulhadith.com**





فہرست

عنوانات	صفحہ نمبر

باب 2 تجارت کی فضیلت اور چند آداب

باب 3 تجارت اور سودے بازی کے احکام

باب 4 حرام ذرائع آمدن کا بیان

باب 6 بلامعاوضہ مال کھانے کا بیان

باب 7 قرض، گروی اور دیوالیہ کے مسائل

چند ضروری اصطلاحات بترتیب حروف تہجی

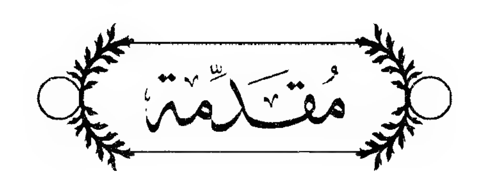
نمبر	اصطلاح	تعریف
(1)	اجتہاد	شرعی احکام کے علم کی تلاش میں ایک مجتہد کا استنباطِ احکام کے طریقے سے اپنی بھرپور ذہنی کوشش کرنا اجتہاد کہلاتا ہے۔
(2)	اجماع	اجماع سے مراد نبی ﷺ کی وفات کے بعد کسی خاص دور میں (امت مسلمہ کے) تمام مجتہدین کا کسی دلیل کے ساتھ کسی شرعی حکم پر متفق ہو جانا ہے۔
(3)	استحسان	قرآن' سنت یا اجماع کی کسی قوی دلیل کی وجہ سے قیاس کو چھوڑ دینا۔اس کے علاوہ بھی اس کی مختلف تعریفیں کی گئی ہیں۔
(4)	استصحاب	شرعی دلیل نہ ملنے پر مجتہد کا اصل کو پکڑ لینا استصحاب کہلاتا ہے۔واضح رہے کہ تمام نفع بخش اشیاء میں اصل اباحت ہے اور تمام ضرر رساں اشیاء میں اصل حرمت ہے۔
(5)	اصل	اصول کا واحد ہے اور اس کے پانچ معانی ہیں۔(1) دلیل (2) قاعدہ (3) بنیاد (4) راجح بات (5) حالت مستصحبہ۔
(6)	امام	کسی بھی فن کا معروف عالم جیسے فن حدیث میں امام بخاری اور فن فقہ میں امام ابوحنیفہ۔
(7)	آحاد	خبر واحد کی جمع ہے۔اس سے مراد ایسی حدیث ہے جس کے راویوں کی تعداد متواتر حدیث کے راویوں سے کم ہو۔
(8)	آثار	ایسے اقوال اور افعال جو صحابہ کرام اور تابعین کی طرف منقول ہوں۔
(9)	اطراف	وہ کتاب جس میں ہر حدیث کا ایسا حصہ لکھا گیا ہو جو باقی حدیث پر دلالت کرتا ہو مثلاً تحفۃ الأشراف از امام مزی وغیرہ۔
(10)	اجزاء	اجزاء جز کی جمع ہے۔اور جزء اس چھوٹی کتاب کو کہتے ہیں جس میں ایک خاص موضوع سے متعلق بالاستیعاب احادیث جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہو مثلاً جزء رفع الیدین از امام بخاری وغیرہ۔
(11)	اربعین	حدیث کی وہ کتاب جس میں کسی بھی موضوع سے متعلقہ چالیس احادیث ہوں۔
(12)	باب	کتاب کا وہ حصہ جس میں ایک ہی نوع سے متعلقہ مسائل بیان کیے گئے ہوں۔
(13)	تعارض	ایک ہی مسئلہ میں دو مخالف احادیث کا جمع ہو جانا تعارض کہلاتا ہے۔
(14)	ترجیح	باہم مخالف دلائل میں سے کسی ایک کو عمل کے لیے زیادہ مناسب قرار دے دینا ترجیح کہلاتا ہے۔
(15)	جائز	ایسا شرعی حکم جس کے کرنے اور چھوڑنے میں اختیار ہو۔مباح اور حلال بھی اسی کو کہتے ہیں۔
(16)	جامع	حدیث کی وہ کتاب جس میں مکمل اسلامی معلومات مثلاً عقائد' عبادات' معاملات' تفسیر' سیرت' مناقب' فتن اور روز محشر کے احوال وغیرہ سب جمع کر دیا گیا ہو۔
(17)	حدیث	ایسا قول' فعل اور تقریر جس کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف کی گئی ہو۔سنت کی بھی یہی تعریف ہے۔یاد رہے کہ تقریر سے مراد آپ ﷺ کی طرف سے کسی کام کی اجازت ہے۔
(18)	حسن	جس حدیث کے راوی حافظے کے اعتبار سے صحیح حدیث کے راویوں سے کم درجے کے ہوں۔
(19)	حرام	شارع علیہ السلام نے جس کام سے لازمی طور پر بچنے کا حکم دیا ہو نیز اس کے کرنے میں گناہ ہو جبکہ اس سے اجتناب میں ثواب ہو۔
(20)	خبر	خبر کے متعلق تین اقوال ہیں۔(1) خبر حدیث کا ہی دوسرا نام ہے۔(2) حدیث وہ ہے جو نبی ﷺ سے منقول ہو اور خبر وہ ہے جو کسی اور سے منقول ہو۔(3) خبر حدیث سے عام ہے یعنی اس روایت کو بھی کہتے ہیں جو نبی ﷺ سے منقول ہو اور اس کو بھی کہتے ہیں جو کسی اور سے منقول ہو۔

(21)	راجح	ایسی رائے جو دیگر آراء کے بالمقابل زیادہ صحیح اور اقرب الی الحق ہو۔
(22)	سنن	حدیث کی وہ کتب جن میں صرف احکام کی احادیث جمع کی گئی ہوں مثلاً سنن نسائی' سنن ابن ماجہ اور سنن ابی داود وغیرہ۔
(23)	سد الذرائع	ان مباح کاموں سے روک دینا کہ جن کے ذریعے ایسی ممنوع چیز کے ارتکاب کا واضح اندیشہ ہو جو فساد و خرابی پر مشتمل ہو۔
(24)	شریعت	قرآن و سنت کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے مقرر کیے ہوئے احکامات۔
(25)	شارع	شریعت بنانے والا یعنی اللہ تعالیٰ اور مجازی طور پر اللہ کے رسول ﷺ پر بھی اس کا اطلاق کیا جاتا ہے۔
(26)	شاذ	ضعیف حدیث کی وہ قسم جس میں ایک ثقہ راوی نے اپنے سے زیادہ ثقہ راوی کی مخالفت کی ہو۔
(27)	صحیح	جس حدیث کی سند متصل ہو اور اس کے تمام راوی ثقہ' دیانت دار اور قوت حافظہ کے مالک ہوں۔ نیز اس حدیث میں شذوذ اور کوئی خفیہ خرابی بھی نہ ہو۔
(28)	صحیحین	صحیح احادیث کی دو کتابیں یعنی صحیح بخاری اور صحیح مسلم۔
(29)	صحاح ستہ	معروف حدیث کی چھ کتب یعنی بخاری' مسلم' ابوداود' ترمذی' نسائی اور ابن ماجہ۔
(30)	ضعیف	ایسی حدیث جس میں نہ تو صحیح حدیث کی صفات پائی جائیں اور نہ ہی حسن حدیث کی۔
(31)	عرف	عرف سے مراد ایسا قول یا فعل ہے جس سے معاشرہ مانوس ہو' اس کا عادی ہو' یا اس کا ان میں رواج ہو۔
(32)	علت	علم فقہ میں علت سے مراد وہ چیز ہے جسے شارع علیہ السلام نے کسی حکم کے وجود اور عدم میں علامت مقرر کیا ہو جیسے نشہ حرمت شراب کی علت ہے۔
(33)	علت	علم حدیث میں علت سے مراد ایسا خفیہ سبب ہے جو حدیث کی صحت کو نقصان پہنچاتا ہو اور اسے صرف فن حدیث کے ماہر علماء ہی سمجھتے ہوں۔
(34)	فقہ	ایسا علم جس میں اُن شرعی احکام سے بحث ہوتی ہو جن کا تعلق عمل سے ہے اور جن کو تفصیلی دلائل سے حاصل کیا جاتا ہے۔
(35)	فقیہ	علم فقہ جاننے والا بہت سمجھ دار شخص۔
(36)	فصل	باب کا ایسا جزء جس میں ایک خاص موضوع سے متعلقہ مسائل مذکور ہوں۔
(37)	فرض	شارع علیہ السلام نے جس کام کو لازمی طور پر کرنے کا حکم دیا ہو نیز اسے کرنے پر ثواب اور نہ کرنے پر گناہ ہو مثلاً نماز' روزہ وغیرہ۔
(38)	قیاس	قیاس یہ ہے کہ فرع (ایسا مسئلہ جس کے متعلق کتاب و سنت میں حکم موجود نہ ہو) کو حکم میں اصل (ایسا حکم جو کتاب و سنت میں موجود ہو) کے ساتھ اس وجہ سے ملا لینا کہ ان دونوں کے درمیان علت مشترک ہے۔
(39)	کتاب	کتاب مستقل حیثیت کے حامل مسائل کے مجموعے کو کہتے ہیں' خواہ وہ کئی انواع پر مشتمل ہو یا نہ ہو مثلاً کتاب الطھارۃ وغیرہ۔
(40)	مستحب	ایسا کام جسے کرنے میں ثواب ہو جبکہ اسے چھوڑنے میں گناہ نہ ہو مثلاً مسواک وغیرہ۔ یاد رہے کہ علم فقہ میں مندوب' نفل اور سنت اسی کو کہتے ہیں۔
(41)	مکروہ	جس کام کو نہ کرنا اسے کرنے سے بہتر ہو اور اس سے بچنے پر ثواب ہو جبکہ اسے کرنے پر گناہ نہ ہو مثلاً کثرت سوال وغیرہ۔
(42)	مجتہد	جس شخص میں اجتہاد کا ملکہ موجود ہو یعنی اس میں فقہی مآخذ سے شریعت کے عملی احکام مستنبط کرنے کی پوری قدرت موجود ہو۔

(43)	مصالح مرسلہ	یہ ایسی مصلحت ہے کہ جس کے متعلق شارع علیہ السلام سے کوئی ایسی دلیل نہ ملتی ہو جو اس کے معتبر ہونے یا اسے لغو کرنے پر دلالت کرتی ہو۔
(44)	موقف	کسی مسئلہ میں کسی عالم کی ذاتی رائے جسے اس نے دلائل کے ذریعے اختیار کیا ہو۔
(45)	مسلک	اس کی بھی وہی تعریف ہے جو موقف کی ہے لیکن یہ لفظ مختلف مکاتب فکر کی نمائندگی کے لیے معروف ہو چکا ہے مثلاً حنفی مسلک وغیرہ۔
(46)	مذہب	لغوی طور پر اس کی بھی وہی تعریف ہے جو مسلک کی ہے لیکن عوام میں یہ لفظ دین (جیسے مذہب عیسائیت وغیرہ) اور فرقہ (جیسے حنفی مذہب وغیرہ) کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔
(47)	مراجع	وہ کتابیں جن سے کسی کتاب کی تیاری میں استفادہ کیا گیا ہو۔
(48)	متواتر	وہ حدیث جسے بیان کرنے والے راویوں کی تعداد اس قدر زیادہ ہو کہ ان سب کا جھوٹ پر جمع ہو جانا عقلاً محال ہو۔
(49)	مرفوع	جس حدیث کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا گیا ہو خواہ اس کی سند متصل ہو یا نہ۔
(51)	موقوف	جس حدیث کو صحابی کی طرف منسوب کیا گیا ہو خواہ اس کی سند متصل ہو یا نہ۔
(52)	مقطوع	جس حدیث کو تابعی یا اس سے کم درجے کے کسی شخص کی طرف منسوب کیا گیا ہو خواہ اس کی سند متصل ہو یا نہ۔
(53)	موضوع	ضعیف حدیث کی وہ قسم جس میں کسی من گھڑت خبر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا گیا ہو۔
(54)	مرسل	ضعیف حدیث کی وہ قسم جس میں کوئی تابعی صحابی کے واسطے کے بغیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرے۔
(55)	معلق	ضعیف حدیث کی وہ قسم جس میں ابتدائے سند سے ایک یا سارے راوی ساقط ہوں۔
(56)	معضل	ضعیف حدیث کی وہ قسم جس کی سند کے درمیان سے اکٹھے دو یا دو سے زیادہ راوی ساقط ہوں۔
(57)	منقطع	ضعیف حدیث کی وہ قسم جس کی سند کسی بھی وجہ سے منقطع ہو یعنی متصل نہ ہو۔
(58)	متروک	ضعیف حدیث کی وہ قسم جس کے کسی راوی پر جھوٹ کی تہمت ہو۔
(59)	منکر	ضعیف حدیث کی وہ قسم جس کا کوئی راوی فاسق' بدعتی' بہت زیادہ غلطیاں کرنے والا یا بہت زیادہ غفلت برتنے والا ہو۔
(60)	مسند	حدیث کی وہ کتاب جس میں ہر صحابی کی احادیث کو الگ الگ جمع کیا گیا ہو مثلاً مسند شافعی وغیرہ۔
(61)	مستدرک	ایسی کتاب جس میں کسی محدث کی شرائط کے مطابق ان احادیث کو جمع کیا گیا ہو جنہیں اس محدث نے اپنی کتاب میں نقل نہیں کیا مثلاً مستدرک حاکم وغیرہ۔
(62)	مستخرج	ایسی کتاب جس میں مصنف نے کسی دوسری کتاب کی احادیث کو اپنی سند سے روایت کیا ہو مثلاً مستخرج ابو نعیم الاصبہانی وغیرہ۔
(63)	معجم	ایسی کتاب جس میں مصنف نے اپنے اساتذہ کے ناموں کی ترتیب سے احادیث جمع کی ہوں مثلاً معجم کبیر از طبرانی وغیرہ۔
(64)	نسخ	بعد میں نازل ہونے والی دلیل کے ذریعے پہلے نازل شدہ حکم کو ختم کر دینا نسخ کہلاتا ہے۔
(65)	واجب	واجب کی تعریف وہی ہے جو فرض کی ہے جمہور فقہا کے نزدیک ان دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ البتہ حنفی فقہا اس میں کچھ فرق کرتے ہیں۔







مقدمہ

تجارت اور عبادت

اسلام میں دوسرے مذاہب کے مقابلے میں عبادت محض ایک روحانی مشق نہیں جیسے نماز، روزہ وغیرہ بلکہ عبادت انسان کی پوری عملی زندگی پر محیط ہے۔ اگر ہماری تمام تر زندگی کا مقصد رضائے الٰہی کا حصول ہو (بالفاظِ دیگر ہر کام اسی طرح کیا جائے جیسے اللہ تعالیٰ چاہتا ہے) تو پھر ہمارے تمام اعمال کی حیثیت' خواہ تجارت، کاروبار یا دوکانداری ہی کیوں نہ ہو' عبادت کی ہو جاتی ہے۔ اس لیے ہمیں کاروباری اور لین دین کے تمام معاملات بھی شرعی طریقے کے مطابق انجام دینے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ ہمارے یہ اُمور بھی اللہ کے ہاں عبادت کا درجہ پا سکیں۔

زہد اور دنیا کی مذمت

آج انسان جس دنیا کو کمانے کے لیے دن رات مارا مارا پھرتا ہے اسلام کا اس کے متعلق نقطہ نگاہ کیا ہے؟ ذرا ملاحظہ فرمائیے۔ قرآن کریم نے دنیوی مال و دولت کو محض کھیل تماشا اور دھوکے کا سامان قرار دیا ہے۔[(۱)] اور یہ نصیحت کی ہے کہ کہیں دنیوی زندگی کے دھوکے میں مت آ جانا۔[(۲)] نبی کریم ﷺ ہمیشہ اس بات سے خائف رہے کہ کہیں لوگ دنیا کی رغبت میں ہی مگن نہ ہو جائیں۔[(۳)] چنانچہ آپ ﷺ نے یہ نصیحت فرمائی کہ دنیا سے بچے رہنا۔[(٤)] اور آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ اصل زندگی تو صرف آخرت کی ہی ہے۔[(٥)] ایک مرتبہ دنیا کی حقیقت واضح کرتے ہوئے ایک مثال سے سمجھایا کہ جیسے سمندر میں انگلی ڈال کر نکال لی جائے تو جتنا پانی انگلی کو لگا رہ جاتا ہے دنیا محض اتنی ہی ہے۔[(٦)] ایک دوسرے مقام پر آپ نے دنیا کو مردار بکری سے بھی حقیر قرار دیا۔[(٧)] یہی باعث ہے کہ آپ ﷺ صحابہ کو یہ نصیحت فرمایا کرتے تھے کہ دنیا میں مسافر کی طرح زندگی گزارو (جو صرف ضرورت کا سامان ہی ساتھ رکھتا ہے، راستے میں محلات تعمیر نہیں کرتا بلکہ ہمیشہ منزل کی فکر میں رہتا ہے)۔[(٨)] اور اپنے لیے

---

(۱) [الحدید: ۲۰] (۲) [فاطر: ٥] (۳) [بخاری (۳۱٥۸) مسلم (۲۹٦۱)]
(٤) [مسلم (۳٥)] (٥) [بخاری (٦٤۱۳) مسلم (۱۲۷)]
(٦) [مسلم (۲۸٥۸)] (۷) [مسلم (۲۹٥۷)] (۸) [بخاری (٦٤۱٦)]

بھی آپ ﷺ اللہ تعالیٰ سے اتنا رزق ہی مانگا کرتے تھے جو کافی ہو جائے (یعنی گزر بسر کے لیے کافی ہو)۔ (۱)

ان تمام باتوں سے مقصود یہ نہیں کہ معاشی جدوجہد ہی ترک کر دی جائے بلکہ حلال رزق کمانا بھی عین عبادت ہے۔ مقصود صرف یہ ہے کہ دنیا کمانے کی فکر آخرت کی فکر پر غالب نہ ہو، انسان دنیا میں ایسا مگن نہ ہو کہ ہر لمحہ دنیوی مال و متاع اکٹھا کرنے کی ہی فکر میں رہے اور عبادات میں کوتاہی شروع کر دے، کاروبار اور مال و دولت کو نماز، زکوٰۃ اور حج جیسے فرائض و واجبات پر ترجیح دینے لگے وغیرہ وغیرہ۔

رزق اور قسمت

رزق صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے کم دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے زیادہ۔ رزق کی کمی بیشی میں اللہ کی طرف سے انسان کی آزمائش پنہاں ہے۔ لہٰذا جسے رزق میں فراخی نصیب ہو وہ اللہ کا بکثرت شکر ادا کرے اور جسے تنگی ہو وہ صبر کرے اور صرف اللہ تعالیٰ ہی سے رزق کا سوال کرے۔ بہر حال انسان کی عمر کے ساتھ ساتھ اس کا رزق بھی مقرر ہے چنانچہ ایک روایت کے مطابق جب انسان ابھی اپنی ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے اس کی عمر، رزق اور نیک ہوگا یا بد سب لکھ دیا جاتا ہے۔ (۲) اور جو رزق قسمت میں لکھ دیا گیا ہے پھر وہ مکمل مل کر ہی رہتا ہے اس میں کچھ بھی کمی نہیں ہوتی چنانچہ فرمانِ نبوی ہے کہ ﴿لَا تَمُوْتُ نَفْسٌ حَتّٰى تَسْتَكْمِلَ رِزْقَهَا﴾ ''کوئی نفس بھی اس وقت تک نہیں مر سکتا جب تک اس کا رزق پورا نہ ہو جائے۔'' (۳) لہٰذا جب یہ بات طے ہے کہ ہر ایک کا رزق مقرر ہے تو پھر رزق کی جستجو میں دینی واجبات (نماز، روزہ، حج وغیرہ) میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرنی چاہیے اور نہ ہی بچوں کو دینی تعلیم سے دور رکھنا چاہیے اس نیت سے کہ بچے دین پڑھیں گے تو مالی مشکلات کا سامنا کریں گے اور ڈاکٹر انجینئر وغیرہ بنیں گے تو ان کا معاشی مستقبل روشن ہوگا وغیرہ وغیرہ۔

رزق میں فراخی کے نسخے

❁ توبہ و استغفار:

(1) ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ﴿10﴾ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ﴿11﴾ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ﴿12﴾﴾ [نوح: ۱۰۔۱۱] ''(حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کی شکایت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ) میں نے کہا کہ اپنے رب سے استغفار کرو وہ یقیناً بڑا بخشنے والا ہے۔ وہ تم پر آسمان کو خوب برستا ہوا چھوڑ دے گا۔ اور تمہیں خوب پے در

---

(۱) [مسلم (۱۰۵۵) کتاب الزهد و الرقائق]

(۲) [صحيح : صحيح الجامع الصغير (۱۵٤۳) ابو داود (٤۷۰۸)]

(۳) [صحيح : صحيح الترغيب (۱۷۰۲) السلسلة الصحيحة (۲۸٦٦)]

پے مال اور بیٹوں میں ترقی دے گا اور تمہیں باغات دے گا اور تمہارے لیے نہریں نکال دے گا۔"

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کے متعلق مروی ہے کہ کسی نے ان سے آ کر قحط سالی کی شکایت کی تو انہوں نے اسے استغفار کی تلقین کی، کسی دوسرے شخص نے فقر وفاقہ کی شکایت کی انہوں نے اسے بھی یہی نسخہ بتایا۔ ایک اور شخص نے اپنے باغ کے خشک ہونے کا شکوہ کیا انہوں نے اسے بھی فرمایا' استغفار کر۔ ایک شخص نے کہا میرے گھر اولاد نہیں ہوتی، اسے بھی کہا اپنے رب سے استغفار کر، کسی نے جب ان سے کہا کہ آپ نے استغفار ہی کی تلقین کیوں کی؟ تو آپ نے یہی آیت تلاوت کر کے فرمایا کہ میں نے اپنے پاس سے یہ بات نہیں کی، یہ وہ نسخہ ہے جو ان سب باتوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے بتلایا ہے۔(۱)

❁ صلہ رحمی کرنا:

(2) فرمانِ نبوی ہے کہ ﴿ مَنْ اَحَبَّ اَنْ يُّبْسَطَ لَهٗ فِيْ رِزْقِهٖ اَوْ يُنْسَاَ لَهٗ فِيْ اَثَرِهٖ فَلْيَصِلْ رَحِمَهٗ ﴾"جو شخص پسند کرتا ہے کہ اس کے رزق میں فراخی کی جائے یا اس کے اثرات دیر تک رہیں وہ صلہ رحمی کرے۔"(۲)

یہ روایت بظاہر اس شرعی حقیقت کے خلاف معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کا رزق اور عمر پہلے سے مقرر کر رکھی ہے۔ لیکن اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی لکھ رکھا ہے کہ جو رزق میں فراخی اور عمر میں اضافے کے اسباب اپنائے گا اس کے لیے ان دونوں میں اضافہ بھی کر دیا جائے گا۔ یعنی اگر کوئی صلہ رحمی کرے گا تو یقیناً اس سے اسے معاملات میں برکت اور قلبی اطمینان نصیب ہوگا اور قلبی اطمینان اسے بے شمار پریشانیوں سے نجات دلائے رکھے گا' جس باعث ایک طرف وہ متعدد مہلک بیماریوں سے محفوظ رہ کر صحت مند و توانا رہے گا جو اس کی عمر میں اضافے کا باعث بنے گا اور دوسری طرف دلی طمانیت و سکون اس کے لیے کاروبار میں بھی نشاط اور دلجمعی کا ذریعہ بنے گا جس سے اس کے رزق میں فراخی ہوگی اور اس کے برخلاف قطع رحمی کرنے والا ہر وقت رشتہ داروں کے خلاف سازشیں کرنے کی تدابیر سوچتا رہے گا اور اندر ہی اندر جلتا رہے گا' جس سے ایک طرف وہ مختلف امراض کا شکار ہو کر موت کے قریب پہنچ جائے گا اور دوسری طرف ذہنی سکون نہ ہونے کے باعث کاروبار میں بھی ناکامی سے دوچار ہوگا۔ اس لیے جو بھی اپنے رزق میں فراخی اور عمر میں درازی چاہتا ہے وہ ضرور صلہ رحمی کرے۔

چند جدید معاشی نظریات

❁ کیپٹل ازم (Capitalism) سرمایہ دارانہ نظام:

سرمایہ دارانہ نظام کی بنیاد اس چیز پر ہے کہ ہر انسان کو حق حاصل ہے کہ وہ اشیاء اور وسائل پیداوار کو اپنی

---

(۱) [تفسير احسن البيان (ص: ١٦٣٤)]

(۲) [بخاری (٢٠٦٧) كتاب البيوع : باب من أحب البسط فى الرزق]

ملکیت میں رکھ سکتا ہے۔ اس نظام میں پیداوار کا مقصد صرف ذاتی منافع ہوتا ہے اور تاجروں کی سرگرمیوں میں حکومت بھی کسی قسم کی مداخلت نہیں کر سکتی۔ بالفاظِ دیگر اس نظام میں انسان کی تمام تر تگ ودو صرف دنیوی آرام وسکون کی تلاش کے لیے ہوتی ہے جس کا لازمی نتیجہ آخرت سے عدمِ توجہی ہے اور یہ اسلام میں مذموم ہے۔ آج کل دنیا کے اکثر وبیشتر ممالک میں یہی نظام رائج ہے۔

❁ کمیونزم (Communism) اشتراکیت:

اشتراکیت دراصل سرمایہ دارانہ نظام کے ردِعمل کے طور پر وجود میں آنے والا نظام ہے۔ اس میں تمام وسائل پیداوار (مثلاً کارخانہ، دوکان، زمین وغیرہ) فردِ واحد کی نہیں بلکہ پوری قوم کی ملکیت ہوتے ہیں، یوں تمام افرادِ ریاست حکومت کے ملازم ہوتے ہیں اور سب کا منافع بھی سرکاری خزانے میں جاتا ہے پھر حکومت امیر وغریب کے امتیاز کے بغیر برابری کی بنیاد پر ہر ایک کو تنخواہ دیتی ہے۔ یہ نظام بھی اسلام کے متوازن معاشی نظام کے مقابلے میں انتہا پسندانہ ہے کہ جس نے انسان سے فطری آزادی بھی چھین لی اور حقِ ملکیت بھی جس کا انکار اسلام نے کہیں بھی نہیں کیا۔ اس نظام کو روس اور چائنہ وغیرہ میں رائج کرنے کی کوشش کی گئی مگر اسے ہر جگہ بری طرح ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔

سود، ایک قبیح ترین جرم

مغرب کا معاشی نظام 'سرمایہ دارانہ نظام' دراصل سود پر مبنی ہے، جس میں سودی قرضے دیئے اور لئے جاتے ہیں۔ اور سود ایسا جرم ہے جس کی قباحت کتاب وسنت میں کھول کھول کر بیان کر دی گئی ہے (جس کی تفصیل آئندہ باب ''حرام ذرائع آمدن کا بیان'' کے تحت ملاحظہ کی جا سکتی ہے)۔ کتاب وسنت کے علاوہ سود کی مذمت میں چند جدید مفکرین کی آراء واقوال ملاحظہ فرمائیے:

1- دورِ حاضر کا آزاد خیال فلسفی، سائنسدانوں کا سرخیل، انگریزی ادب میں نوبل پرائز حاصل کرنے والا بیسویں صدی کا سب سے بڑا فلسفی ارسطو کہتا ہے کہ سب سے قابل نفرت آمدنی سود کی آمدنی ہے۔(۱)

2- سینٹ تھامس کہتا ہے کہ قرونِ وسطیٰ کے سارے دور میں سود پر روپیہ دینے کو قانونِ قدرت کے خلاف سمجھا جاتا تھا۔

3- امریکن Mentor بکس والوں نے 1954ء میں ایک تحقیقی کتاب شائع کی جو جدید امریکن ریسرچ کا عمدہ نمونہ ہے۔ اس میں ہے کہ قرونِ وسطیٰ تک عیسائی پادری سود کے ساتھ ساتھ تجارت کو بھی گناہ سمجھتے تھے۔

4- جرمن ریفارمر مارٹن لوتھر (پراٹسٹنٹ فرقہ کا بانی) اعلان کرتا ہے کہ بڑی بدقسمتی اور مصیبت جو جرمن قوم پر آپڑی ہے وہ یہ ہے کہ سود کا عام رواج ہو گیا ہے۔

---

(۱) [Bertrand Russell: Ahistory of western philosophy : 187 A clarion book,1967]

5- سود ختم کرنے کا اعلان مسلم لیگ نے قائد اعظم کی صدارت میں 1943ء میں کر دیا تھا۔

6- علامہ اقبال کا فرمان اور سود کی تباہ کاریاں:

ظاہر میں تجارت ہے حقیقت میں جوا ہے سود ایک کا لاکھوں کے لیے مرگ مفاجات

یہ علم یہ حکمت ، یہ تدبر ، یہ حکومت پیتے ہیں لہو دیتے ہیں تعلیم مساوات

بیکاری وعریانی وے خواری وافلاس کیا کم ہیں فرنگی مدنیت کی فتوحات

7- بیسوی صدی کے عظیم مفکر وفلسفی سائنسدان اور نوبل انعام یافتہ ادیب برٹرینڈ رسل نے جدید ماہرین معاشیات اوران کے مغربی اقتصادی نظام کا دل کھول کر مذاق اُڑایا ہے اور اسے پاگل پن اور تباہ کن قرار دیا ہے۔

8- ایک اور ماہر معاشیات محمود احمد جن کی کتاب ادارہ ثقافت اسلامیہ نے "بلا سود بنکاری" کے عنوان سے شائع کی ہے' اس میں انہوں نے ثابت کیا ہے کہ جتنی شرح سود کی ہوگی اتنی ہی شرح بے روزگاری کی ہوگی۔

9- 1984ء میں کینیڈا کے اقتصادیات کے ایک پروفیسر مسعود عالم چودھری نے ایک کتاب اسلامی نظام اقتصادیات پر لکھی۔ اس میں انہوں نے ریاضی کے فارمولوں سے 2+2=4 کی طرح ثابت کیا ہے کہ سود سے مہنگائی اور بے روزگاری بڑھتی ہے اور کارکردگی گھٹتی ہے۔

10- امریکن رسالہ ریڈرز ڈائجسٹ جو دنیا میں 15 زبانوں میں 2 کروڑ 80 لاکھ سے زیادہ تعداد میں چھپتا ہے۔ اس نے سود کے خلاف مضمون لکھنے والے کو فرسٹ پرسن انعام دیا۔ یہ ایک خاندان کی کہانی ہے جو قسطوں پر ٹی۔ وی وغیرہ خریدتا رہا اور مکان بھی قرضہ پر بنایا مگر ان اشیاء پر قرض کے سود نے اس خاندان کو اقتصادی طور پر تباہ کر دیا (یقیناً جس طرح سودی قرض خاندان کے لیے تباہ کن ہے اسی طرح ملک کے لیے بھی تباہ کن ہے)۔(۱)

ٹیکس کی شرعی حیثیت

ٹیکس وہ رقم ہے جو حکومت چلانے کے لیے مختلف صورتوں میں لوگوں سے وصول کی جاتی ہے۔ اور جو لوگ مقررہ وقت پر ٹیکس ادا نہ کریں ان کے خلاف باقاعدہ قانونی کاروائی کی جاتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یونان اور روم میں سب سے پہلے استعمال ہونے والی اشیاء پر ٹیکس لگایا گیا۔ سب سے پہلے جس ملک نے عام انکم ٹیکس کے نظام کو اپنایا وہ برطانیہ ہے۔ نپولین بوناپارٹ کے خلاف جنگ لڑنے کے لیے برطانوی حکومت نے 1799ء میں یہ ٹیکس عائد کیا۔ 1810ء میں جنگ ختم ہوئی تو 1842ء تک برطانوی عوام کو ٹیکس کے بوجھ سے آزاد کر دیا گیا۔ لیکن بعد میں وزیر اعظم سر روبرٹ پیل نے بجٹ کے خسارے کی وجہ سے دوبارہ ٹیکس عائد کر دیا۔ 1880ء تک لوگ ٹیکس

(۱) [ملخص از "سود قبیح ترین جرم" از ریاض الحسن نوری، سہ ماہی منہاج، اسلامی معیشت نمبر، جلد 10، شمارہ 1-2، صفحہ 121 تا 144)]

کے عادی ہو گئے۔اسی طرح آہستہ آہستہ جرمنی، فرانس، اٹلی، سویڈن اور امریکہ وغیرہ میں بھی ٹیکس معمول بن گیا۔ انگریز ہندوستان میں آیا تو یہاں بھی ٹیکس جاری ہو گیا۔

اسلام کی آمد کے موقع پر جو مختلف قسم کے ٹیکس رائج تھے ان کا مختصر بیان حسب ذیل ہے:

مکس: زمانہ جاہلیت میں لوگوں سے زبردستی وصول کیا جانے والا ٹیکس۔اسلام نے اس کی مذمت بیان کی اور اسے عظیم گناہ اور جہنم میں داخلے کا ذریعہ قرار دیا۔

جزیہ: یہ وہ ٹیکس تھا جو غیر مسلموں سے ان کی جانوں اور مالوں کی حفاظت کے بدلے میں وصول کیا جاتا تھا۔ اسلام قبول کرنے سے یہ ٹیکس ساقط ہو جاتا ہے۔

خراج: یہ ٹیکس بھی غیر مسلم اہل ذمہ پر لگایا جاتا تھا۔دراصل یہ ان کی زمینوں پر لگان تھا۔مفتوحہ علاقوں میں زمینوں کو ان کے سابقہ مالکوں کے قبضے میں رہنے دیا جاتا اور ان کے علاقے کے اعتبار سے ان سے خراج وصول کیا جاتا۔

ضریبہ: یہ بھی ٹیکس کی ایک صورت تھی جو غلاموں اور غیر مسلموں پر عائد ہوتا تھا۔مسلمانوں سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا۔

عشور: اس سے مراد وہ تجارتی امپورٹ ڈیوٹی تھی جو یہود و نصاریٰ اور ذمیوں کے ان مالوں پر وصول کی جاتی تھی جو وہ تجارت کرنے کی خاطر مسلمانوں کے علاقوں میں لایا کرتے تھے۔

واضح رہے مسلمانوں پر صرف **زکوٰۃ و عشر** کی ہی پابندی ہے۔اس کے علاوہ اگر کوئی اپنی مرضی سے صدقہ وخیرات کرتا ہے تو وہ مزید اجر وثواب کماتا ہے۔زکوۃ اور عشر کے علاوہ مسلمانوں پر اللہ کی طرف سے کوئی بھی ٹیکس واجب نہیں۔اسی لیے امام شوکانی رحمہ اللہ نے نقل فرمایا ہے کہ ((لَيْسَ عَلَيْهِمْ غَيْرَ الزَّكَاةِ مِنَ الضَّرَائِبِ وَ الْمَكْسِ وَنَحْوِهَا)) ''ان (مسلمانوں) پر زکوۃ کے علاوہ کوئی ٹیکس یا اس کی مثل کوئی چیز واجب نہیں۔'' (۱) اور ایک روایت میں بھی ہے کہ ''جب تو نے اپنے مال کی زکوۃ ادا کر دی تو جو تجھ پر فرض تھا وہ تو نے پورا کر دیا۔'' (۲)

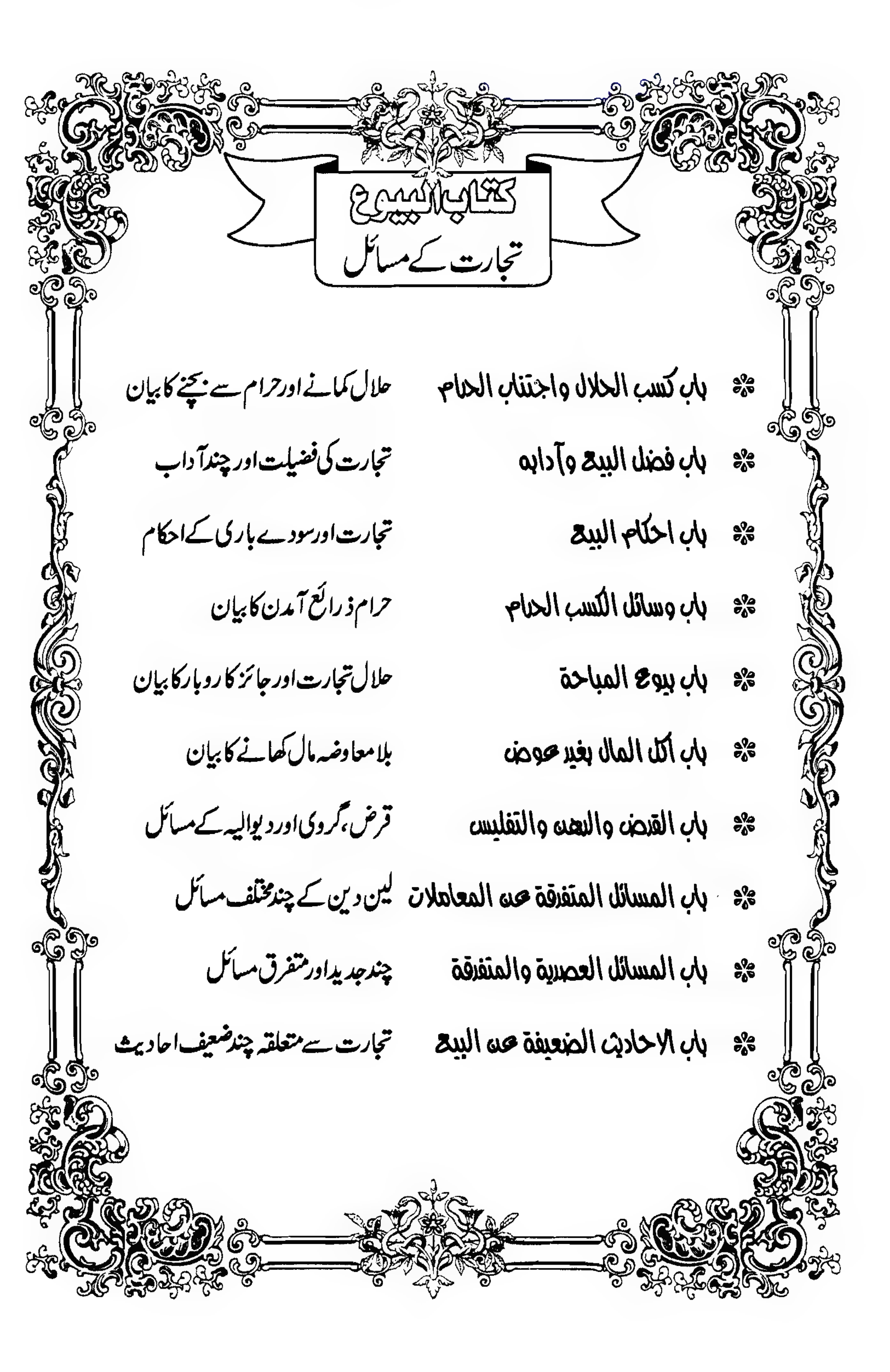
اسلام نے مروجہ ظالمانہ ٹیکسوں کے برخلاف صرف سال میں ایک ہی مرتبہ زکوٰۃ فرض کی ہے اور غیر مسلموں سے بھی ان پر واجب ٹیکس سے زائد وصول کرنے کی اجازت نہیں دی تو پھر اسلامی ریاست میں مسلمانوں سے بار بار (انکم ٹیکس، سیلز ٹیکس، امپورٹ ڈیوٹی، ایکسائز ڈیوٹی وغیرہ جیسے) غیر اسلامی ٹیکس وصول کرنے کی گنجائش کیسے نکل سکتی ہے؟ لہٰذا واضح رہے کہ اس طرح کے تمام ٹیکس غیر شرعی ہیں، اسلام کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ (۳)

---

(۱) [نيل الاوطار (٦٤/٨)]

(۲) [**حسن**: صحيح الترغيب (١٧١٩)]

(۳) [ملخص از ''ٹیکس کی شرعی حیثیت'' از مولانا فضل الرحمٰن بن محمد، سہ ماہی منہاج، اسلامی معیشت نمبر، جلد 10، شمارہ 1-2، صفحہ 418 تا 437]



كتاب البيوع
تجارت کے مسائل

* باب كسب الحلال واجتناب الحرام — حلال کمانے اور حرام سے بچنے کا بیان
* باب فضل البيع وآدابه — تجارت کی فضیلت اور چند آداب
* باب احكام البيع — تجارت اور سودے باری کے احکام
* باب وسائل الكسب الحرام — حرام ذرائع آمدن کا بیان
* باب بيوع المباحة — حلال تجارت اور جائز کاروبار کا بیان
* باب أكل المال بغير عوض — بلا معاوضہ مال کھانے کا بیان
* باب القرض والرهن والتفليس — قرض، گروی اور دیوالیہ کے مسائل
* باب المسائل المتفرقة عن المعاملات — لین دین کے چند مختلف مسائل
* باب المسائل العصرية والمتفرقة — چند جدید اور متفرق مسائل
* باب الاحاديث الضعيفة عن البيع — تجارت سے متعلقہ چند ضعیف احادیث

باب کسب الحلال واجتناب الحرام — حلال کمانے اور حرام سے بچنے کا بیان

حلال وحرام کی پہچان

حلال وحرام کی پہچان بہت ضروری ہے اور یہ وہ بنیادی علم ہے جسے حاصل کرنا نبی کریم ﷺ نے ہر مسلمان پر فرض قرار دیا ہے۔(۱) نیز قرآن کریم کی متعدد آیات میں حلال اور پاکیزہ رزق کھانے کا حکم دیا گیا ہے جیسا کہ فرمایا ﴿يَاأَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا﴾ [البقرۃ : ۱٦۸] ''لوگو! زمین میں جو حلال اور پاکیزہ چیزیں ہیں انہیں کھاؤ۔''

ایک دوسرے مقام پر فرمایا ﴿فَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا وَاشْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ﴾ [النحل : ۱۱٤] ''اللہ تعالیٰ نے جو تمہیں حلال اور پاکیزہ رزق دے رکھا ہے اسے کھاؤ اور اللہ کی نعمت کا شکر ادا کرو۔''

اور فرمایا کہ ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ﴾ [البقرۃ : ۱۷۲] ''اے ایمان والو! پاکیزہ رزق میں سے کھاؤ جو ہم نے تمہیں دیا ہے۔''

ایک اور آیت میں ہے کہ پیغمبروں کو بھی حلال اور پاکیزہ اشیاء کھانے کا حکم ہے ﴿يَاأَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ﴾ [المومنون : ٥۱] ''اے رسولو! پاکیزہ اشیاء سے کھاؤ اور نیک عمل کرو یقیناً میں جانتا ہوں جو تم عمل کرتے ہو۔''

معلوم ہوا کہ حلال کھانا اور حرام سے بچنا ضروری ہے اور یہ تب ہی ممکن ہے کہ حلال وحرام کی پہچان ہو۔ لہٰذا آئندہ سطور میں چند نکات کی روشنی میں حلال وحرام کی پہچان کرائی جا رہی ہے، ملاحظہ فرمائیے۔

حلال کا مفہوم اور پہچان کا طریقہ

حلال وہ ہے جس کے متعلق انسان خود مختار ہے۔ یعنی اس پر اس کے کرنے یا نہ کرنے کی کوئی پابندی نہیں بلکہ اسے اجازت ہے کہ چاہے تو وہ کام کر سکتا ہے۔ مثلاً کھانے میں دال کھائے یا نہ کھائے، سبزی کھائے یا نہ کھائے، سیر وتفریح کرے یا نہ کرے وغیرہ۔ یہ اس کی خواہش پر موقوف ہے۔ حلال اشیاء کی پہچان کے مختلف طریقے اہل علم نے ذکر فرمائے ہیں، ملاحظہ فرمائیے:

① کتاب وسنت میں جس چیز کے حلال ہونے کا ذکر ہو جیسے ﴿وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ﴾ [المائدۃ : ٥] ''اور اہل کتاب کا کھانا تمہارے لیے حلال ہے۔''

---

(۱) [صحیح : المشکاۃ (۲۱۸) ابن ماجه (۲۲٤) التعلیق الرغیب (۱/٥٤)]

② کتاب وسنت میں عدمِ اثم (کوئی گناہ نہیں)، عدمِ جناح (کوئی گناہ نہیں) اور عدمِ حرج (کوئی حرج نہیں) کے الفاظ کے ساتھ کسی کام کی اجازت دی گئی ہو۔ جیسے مجبور شخص کے لیے حرام کے حلال ہونے کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا ﴿فَلَآ اِثۡمَ عَلَيۡهِ﴾ [البقرة : ۱۷۳] ''اس پر کوئی گناہ نہیں۔'' عدت والی عورتوں کو اشارے کنائے سے نکاح کے متعلق بات کرنے کی حلت کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا ﴿لَا جُنَاحَ عَلَيۡكُمۡ﴾ [البقرة : ۲۳۵] ''تم پر کوئی گناہ نہیں۔ اور اس بات کا ذکر کہ معذور لوگوں کا جہاد پر گئے ہوئے صحابہ کے گھروں سے کھانا حلال ہے' ان الفاظ میں فرمایا ﴿لَيۡسَ عَلَى الۡاَعۡمٰى حَرَجٌ﴾ [النور : ٦١] ''اندھے (اور دیگر معذور حضرات پر) کوئی حرج نہیں۔''

③ کتاب وسنت میں جس چیز کے حلال یا حرام ہونے کا ذکر نہ ہو وہ بھی حلال ہے۔ جیسے کہ اس کی دلیل آگے قریب ہی آ رہی ہے۔ نیز برائتِ اصلیہ کا قاعدہ بھی اس کا مؤید ہے۔

حرام کا مفہوم اور پہچان کا طریقہ

حرام وہ ہے جس سے بچنے کی کتاب وسنت میں حتمی طور پر تاکید کی گئی ہے، جس کا مرتکب گناہگار اور تارک اجر وثواب کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ اس کی پہچان کے بھی مختلف طریقے ہیں، ملاحظہ فرمائیے:

① کتاب وسنت میں جس چیز کے حرام ہونے کی صراحت ہو جیسے ﴿حُرِّمَتۡ عَلَيۡكُمُ الۡمَيۡتَةُ﴾ [المائدة : ۳] ''تم پر مردار (کھانا) حرام قرار دیا گیا ہے۔''

② کتاب وسنت میں جس چیز کے حلال نہ ہونے کا ذکر ہو جیسے ﴿ لَا يَحِلُّ مَالُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ اِلَّا بِطِيۡبَةٍ مِّنۡ نَفۡسِهٖ ﴾ ''کسی مسلمان آدمی کا مال اس کی دلی خوشی کے بغیر حلال نہیں ہوتا۔''(۱)

③ کتاب وسنت میں جس چیز سے حتمی طور پر روکا گیا ہو جیسے ﴿اجۡتَنِبُوۡا قَوۡلَ الزُّوۡرِ﴾ [الحج : ۳۰] ''جھوٹی بات سے بچو۔''

④ کتاب وسنت میں جس فعل کے ارتکاب پر سزا کا ذکر ہو جیسے ﴿اِنَّ الَّذِيۡنَ يَاۡكُلُوۡنَ اَمۡوَالَ الۡيَتٰمٰى ظُلۡمًا اِنَّمَا يَاۡكُلُوۡنَ فِىۡ بُطُوۡنِهِمۡ نَارًا ؕ وَسَيَصۡلَوۡنَ سَعِيۡرًا﴾ [النساء : ۱۰] ''جو لوگ ناحق ظلم سے یتیموں کا مال کھا جاتے ہیں، وہ اپنے پیٹ میں آگ ہی بھر رہے ہیں اور عنقریب وہ دوزخ میں جائیں گے۔''

⇦ یہاں یہ اصول بھی یاد رہے کہ نبی ﷺ نے کوئی بھی حرام کام کر کے نہیں بتایا کہ یہ حرام ہے بلکہ محض زبان سے ہی اس کی حرمت کی وضاحت فرما دی۔ آئندہ سطور میں حلال وحرام کے متعلق دس اہم بنیادی اصول ذکر کیے جا رہے ہیں، ملاحظہ فرمائیے۔

---

(۱) [حسن : إرواء الغليل (۲۸۱/۵) بيهقي (۹۷/٦)]

❶ حلال وحرام قرار دینے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ يَاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾[التحريم : ١] ''اے نبی! جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے حلال کر دیا ہے اسے آپ کیوں حرام کرتے ہیں؟ (کیا) آپ اپنی بیویوں کی رضا مندی حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔''

اس آیت کے شانِ نزول کے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے گھر شہد پیا کرتے اور وہاں کافی دیر رہتے۔ میں اور حفصہ رضی اللہ عنہا نے یہ طے کیا کہ ہم میں سے جس کے گھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں وہ کہے کہ آپ نے مغافیر پیا ہے، آپ کے منہ سے اس کی بو آ رہی ہے۔ چنانچہ پھر ہم نے یہی کہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے تو زینب کے گھر سے شہد ہی پیا ہے، تب آپ نے قسم اٹھالی کہ اب میں کبھی شہد نہیں پیوں گا تو سورۂ تحریم کی درج بالا آیات نازل ہوئیں۔ (١) معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیز کو کوئی نبی بھی حرام نہیں کر سکتا تو پھر کسی امام، ولی اور بزرگ کی کیا حیثیت ہے۔

❷ حلال وحرام کا حق غیر اللہ کو دینا شرک ہے

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ﴿ اَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَ فِيْ عُنُقِيْ صَلِيْبٌ مِنْ ذَهَبٍ فَقَالَ يَا عَدِيُّ اطْرَحْ عَنْكَ هٰذَا الْوَثَنَ وَ سَمِعْتُهُ يَقْرَأُ فِيْ سُوْرَةِ بَرَاءَةَ " اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ [التوبة : ٣١] " قَالَ اَمَا اِنَّهُمْ لَمْ يَكُوْنُوْا يَعْبُدُوْنَهُمْ وَ لٰكِنَّهُمْ كَانُوْا اِذَا اَحَلُّوْا لَهُمْ شَيْئًا اسْتَحَلُّوْهُ وَ اِذَا حَرَّمُوْا عَلَيْهِمْ شَيْئًا حَرَّمُوْهُ ﴾ ''میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میری گردن میں سونے کی صلیب تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے عدی! اس بت (یعنی صلیب) کو پھینک دو اور میں نے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سورۂ برأت کی یہ آیت پڑھ رہے تھے ''انہوں نے اپنے علما اور درویشوں کو اللہ کے سوا اپنا رب بنا لیا'' (تب حضرت عدی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! یہود ونصاریٰ اپنے علما کی عبادت تو نہیں کرتے تھے) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یقیناً وہ ان کی عبادت نہیں کرتے تھے، لیکن جب (ان کے) علما کسی چیز کو حلال کہتے تو وہ بھی اسے حلال سمجھتے اور جب علما کسی چیز کو حرام کہتے تو وہ بھی اسے حرام سمجھتے (اللہ کے سوا علما کو رب بنانے کا یہی مطلب ہے کیونکہ حلال وحرام کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو ہے اور جب یہ اختیار کسی اور کو دے دیا جائے تو یہ اسے رب بنانے کے ہی مترادف ہے)۔'' (٢)

---

(١) [بخاری (٦٦٩١) كتاب الايمان والنذور]

(٢) [حسن : غاية المرام (٦) صحيح ترمذی ، ترمذی (٣٠٩٥) كتاب تفسير القرآن : باب ومن سورة التوبة]

❸ اللہ تعالیٰ نے تمام حرام اشیاء کی تفصیل بیان فرمادی ہے

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ﴾ [الانعام : ۱۱۹] ''اور اللہ نے تم پر جو حرام کیا ہے اس کی تفصیل تمہارے لیے بیان کر دی ہے۔''

(شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ) درج بالا آیت کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہاں تفصیل سے مراد تبیین وتوضیح ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے تمام حرام اشیاء کی وضاحت فرمادی ہے لہٰذا جس چیز کی حرمت کی وضاحت (کتاب وسنت میں) موجود نہیں وہ حرام نہیں اور جو حرام نہیں وہ حلال ہے کیونکہ اشیاء دو طرح کی ہی ہیں 'حرام یا حلال'۔(۱)

❹ جن اشیاء کی حلت وحرمت کی وضاحت نہیں وہ بھی مباح ہیں

فرمانِ نبوی ہے کہ ﴿ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ فِيْ كِتَابِهِ فَهُوَ حَلَالٌ وَ مَا حَرَّمَ فَهُوَ حَرَامٌ وَ مَا سَكَتَ عَنْهُ فَهُوَ عَفْوٌ فَاقْبَلُوْا مِنَ اللّٰهِ عَافِيَتَهُ ((وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا)) ﴾ ''جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حلال قرار دیا ہے وہ حلال ہے اور جسے حرام قرار دیا ہے وہ حرام ہے اور جس کے متعلق خاموشی اختیار فرمائی ہے وہ درگزر (کی ہوئی اشیاء میں سے) ہے، پس تم اللہ کی درگزر (کی ہوئی) چیز کو قبول کرو۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی ''اور تیرا رب بھولا ہوا نہیں۔''(۲)

❺ نیک نیت حرام کو حلال نہیں بناتی

مثلاً اگر کوئی شخص مسجد کی تعمیر کی نیت سے رشوت لے یا جوا کھیلے تو یہ کام حلال نہیں ہوں گے بلکہ حرام ہی رہیں گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاکیزہ چیز ہی قبول فرماتا ہے۔(۳)

❻ کسی قسم کے حیلے سے بھی حرام حلال نہیں بنتا

جیسا کہ یہود پر مردار کی چربی حرام تھی مگر انہوں نے اسے پگھلا کر تیل بنایا اور پھر اسے بیچ کر قیمت کھالی اور یوں حرام چربی کو حلال بنانے کا حیلہ کیا۔ اسلام نے اس حیلے کو قبول نہیں کیا اور نبی ﷺ نے ان کے حق میں بددعا فرمائی کہ ''اللہ تعالیٰ یہود کو غارت کرے' یقیناً اللہ تعالیٰ نے ان پر مردار کی چربی کو بھی حرام کیا تھا (لیکن) انہوں نے اسے پگھلایا پھر اسے فروخت کیا اور اس کی قیمت کھا گئے۔''(٤) اسی طرح اگر کوئی رشوت کا نام تحفہ اور سود کا نام منافع رکھ کر حیلہ کرے تو حرام حلال نہیں ہوگا، جیسا کہ آج یہ کوشش کی جارہی ہے۔ نبی ﷺ نے اس کے متعلق پہلے

---

(۱) [مجموع الفتاوی لابن تیمیة (۵۳٦/۲۱)]

(۲) [صحیح : السلسلة الصحیحة (۲۲۵٦) غایة المرام (۲) ابن ماجه (۳۳٦٦) ترمذی (۱۷۲٦)]

(۳) [مسلم (۱۰۱۵) کتاب الزکاة ، ترمذی (۲۹۸۹) کتاب تفسیر القرآن ، احمد (۸۳۵٦)]

(٤) [بخاری (۲۲۳٦) کتاب البیوع : باب بیع المیتة والأصنام ' مسلم (۱۵۸۱) ابو داود (۳٤۸٦)]

ہی پیش گوئی فرما دی تھی لوگ حرام اشیاء کا نام بدل کر انہیں حلال بنانے کی کوشش کریں گے لیکن درحقیقت وہ حرام ہی ہوں گی۔ چنانچہ فرمانِ نبوی ہے کہ ﴿ لَيَسْتَحِلَّنَّ طَائِفَةٌ مِّنْ أُمَّتِيْ الْخَمْرَ يُسَمُّوْنَهَا بِغَيْرِ اسْمِهَا ﴾ ''میری امت کا ایک گروہ ضرور شراب کا نام بدل کر اسے حلال بنا لے گا۔'' (۱)

❼ حرام کا ذریعہ بننے والی ہر چیز بھی حرام ہے

کیونکہ شرعی نصوص کو سامنے رکھتے ہوئے اہل علم نے یہ قاعدہ مقرر کیا ہے کہ ﴿ الْوَسَائِلُ لَهَا حُكْمُ الْمَقَاصِدِ ﴾ ''وسائل وذرائع کا وہی حکم ہے جو مقاصد کا ہے (یعنی اگر مقصد حرام ہے تو اس تک پہنچنے والے ہر ذریعے کا حکم بھی حرام کا ہی ہوگا)۔'' (۲)

❽ حرام سب پر سب جگہ حرام ہے

یعنی جب کوئی چیز شرعاً حرام ثابت ہو جائے تو پھر امیر غریب، عربی عجمی، آقا غلام اور گورے کالے کی تفریق کیے بغیر سب پر وہ چیز ایک جیسی ہی حرام ہوگی۔ اسی طرح حرام چیز حرام ہی رہے گی خواہ کوئی شخص بلادِ اسلامیہ میں ہو یا بلادِ کفر میں۔ اسلام نے حرام حلال کے بارے میں عدل کو ملحوظ رکھا ہے۔ اس کی ایک مثال وہ روایت ہے جس میں یہ فرمانِ نبوی مذکور ہے کہ ﴿ لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا ﴾ ''اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی تو میں اس کے ہاتھ کاٹ دیتا۔'' (۳)

❾ مجبوری میں حرام حلال ہو جاتا ہے

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ ﴾ [الانعام : ۱۱۹] ''اللہ تعالیٰ نے ان اشیاء کی تفصیل تمہیں بتا دی ہے جنہیں تم پر حرام کیا ہے مگر وہ بھی جب تمہیں سخت ضرورت پڑ جائے تو حلال ہیں۔'' اور ایک معروف قاعدہ بھی اسی بنیاد پر بنایا گیا ہے کہ ((الضَّرُوْرَاتُ تُبِيْحُ الْمَحْظُوْرَاتِ)) ''ضرورتیں حرام اشیاء کو جائز بنا دیتی ہیں۔'' (۴)

❿ مجبوری میں اتنا ہی حرام حلال ہوتا ہے جتنے سے مجبوری ختم ہو جائے

﴿ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ﴾ [البقرة : ۱۷۳] ''پھر جو مجبور ہو جائے اور وہ حد سے بڑھنے والا اور زیادتی کرنے والا نہ ہو تو اس پر ان (حرام اشیاء) کے کھانے میں کوئی گناہ نہیں۔'' اس آیت

---

(۱) [**صحیح** : السلسلة الصحيحة (۹۰) صحيح الجامع الصغير (۵۴۵۳) ابو داود (۳۶۸۸)]

(۲) [تيسير علم اصول الفقه ، از عبد الله بن يوسف الجديع (ص : ۵۸/۲)]

(۳) [بخاری (۴۳۰۴) كتاب المغازی ، ابو داود (۴۳۷۳) ابن ماجه (۲۵۴۷) ترمذی (۱۴۳۰)]

(۴) [اصول الفقه علی منهج اهل الحديث (ص : ۱۳۴)]

کریمہ میں موجود لفظ ﴿ وَلَا عَادٍ ﴾ ''زیادتی کرنے والا نہ ہو'' کے متعلق اہل علم کا کہنا ہے کہ اضطراری حالت میں جتنی مقدار میں اس کے لیے حرام کھانا جائز ہے اس مقدار سے تجاوز نہ کرے۔ (١) یعنی مجبوری میں وہ صرف اتنا ہی حرام کھا سکتا ہے جتنے سے مجبوری ختم ہو جائے اس سے زیادہ کھانا بدستور حرام ہی رہے گا۔ اسی بنیاد پر اہل علم نے یہ قاعدہ مقرر فرمایا ہے کہ ((الضَّرُوْرَاتُ تُقَدَّرُ بِقَدَرِهَا)) یعنی بوقتِ ضرورت اتنے حرام پر ہی اکتفا کیا جائے جتنے سے ضرورت پوری ہو جائے۔ (٢)

مشتبہ اُمور سے بچنے کی ترغیب

اگرچہ حلال وحرام کی وضاحت کتاب وسنت میں موجود ہے لیکن ان کے مابین کچھ مشتبہ اشیا بھی ہیں جن سے بچنے میں ہی خیر ہے لہٰذا کاروباری اُمور میں بھی مشتبہ معاملات سے بچنے کی ہی کوشش کرنی چاہیے۔ نبی ﷺ نے متعدد مقامات پر مشتبہ اُمور سے بچنے کی ترغیب دلائی ہے، چند ارشادات ملاحظہ فرمائیے:

(1) حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، یقیناً حلال ظاہر ہے اور حرام بھی ظاہر ہے اور ان دونوں کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ہیں جنہیں بہت سے لوگ نہیں جانتے ﴿ فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ فَقَدِ اسْتَبْرَأَ لِدِيْنِهِ وَعِرْضِهِ وَمَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ وَقَعَ فِي الْحَرَامِ ﴾ ''تو جو شخص شبہات سے بچ گیا اس نے اپنا دین اور اپنی عزت بچالی اور جو شبہ کی چیزوں میں جا پڑا وہ حرام میں جا پڑا۔'' (٣)

(2) فرمانِ نبوی ہے کہ ﴿ دَعْ مَا يُرِيْبُكَ إِلَى مَا لَا يُرِيْبُكَ ﴾ ''شک وشبہ والی اشیا کو چھوڑ کر ان اشیا کو اپناؤ جن میں شک وشبہ نہیں ہے۔'' (٤)

(3) رسول اللہ ﷺ نے راستے میں گری کھجور دیکھی تو فرمایا ﴿ لَوْلَا أَنْ تَكُوْنَ صَدَقَةٌ لَأَكَلْتُهَا ﴾ ''اگر یہ شبہ نہ ہوتا کہ یہ صدقہ کی ہو سکتی ہے تو میں اسے کھا لیتا۔'' (٥)

(4) حضرت ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! مجھے حلال وحرام کے متعلق خبر دیجیے تو آپ ﷺ نے فرمایا ﴿ الْبِرُّ مَا سَكَنَتْ إِلَيْهِ النَّفْسُ وَاطْمَأَنَّ إِلَيْهِ الْقَلْبُ وَالْإِثْمُ مَا لَمْ تَسْكُنْ إِلَيْهِ النَّفْسُ، وَلَمْ يَطْمَئِنَّ إِلَيْهِ الْقَلْبُ، وَإِنْ أَفْتَاكَ الْمُفْتُوْنَ ﴾ ''نیکی وہ ہے جس کی طرف نفس

---

(١) [تفسیر السعدی (٢١٤/١)] (٢) [تیسیر علم اصول الفقه (٦٥/٣)]

(٣) [بخاری (٥٢) کتاب الإیمان: باب فضل من استبرأ لدینه، مسلم (١٥٩٩) ابو داود (٣٣٢٩) ترمذی (١٢٠٥) نسائی (٢٤١/٧) ابن ماجه (٣٩٨٤) احمد (٢٦٩/٤) دارمی (٢٥٣١)]

(٤) [بخاری تعلیقا (قبل الحدیث ٢٠٥٢) کتاب البیوع: باب تفسیر المشبّهات]

(٥) [بخاری (٢٠٥٥) کتاب البیوع: باب ما یتنزه من الشبهات]

ٹھہر جائے اور اس کی طرف دل اطمینان حاصل کر لے اور گناہ وہ ہے جس کی طرف نفس نہ ٹھہرے اور نہ ہی اس کی طرف دل اطمینان حاصل کرے اگرچہ (اس کے متعلق) تمہیں مفتی فتوے دے دیں۔''(۱)

(5) حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ﴿ اَلْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ وَالْإِثْمُ مَا حَاكَ فِي صَدْرِكَ ، وَكَرِهْتَ اَنْ يَّطَّلِعَ عَلَيْهِ النَّاسُ ﴾ ''نیکی اچھا اخلاق ہے اور گناہ وہ ہے جو تیرے سینے میں کھٹکے اور تجھے ناپسند ہو کہ لوگ اس کی اطلاع پا لیں۔''(۲)

(6) حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ﴿ سَأَلَ رَجُلٌ النَّبِيَّ ﷺ مَا الْإِثْمُ ؟ قَالَ : إِذَا حَاكَ فِي نَفْسِكَ شَيْءٌ فَدَعْهُ قَالَ : فَمَا الْإِيْمَانُ ؟ قَالَ : إِذَا سَاءَتْكَ سَيِّئَتُكَ وَسَرَّتْكَ حَسَنَتُكَ فَأَنْتَ مُؤْمِنٌ ﴾ ''ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ گناہ کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جب کوئی چیز تیرے نفس میں کھٹکے تو تو اسے چھوڑ دے۔'' اس نے کہا اور ایمان کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جب تجھے تیری برائی بری لگے اور تیری نیکی اچھی لگے تو تو مومن ہے۔''(۳)

بہترین کھانا اپنی کمائی کا ہے

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ﴿ إِنَّ اَطْيَبَ مَا اَكَلْتُمْ مِنْ كَسْبِكُمْ ﴾ ''یقیناً سب سے عمدہ چیز جو تم کھاؤ وہ ہے جو تمہاری کمائی کی ہے۔''(۴)

بہترین کمائی ہاتھ کی کمائی ہے

(1) حضرت مقدام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ﴿ مَا اَكَلَ اَحَدٌ طَعَامًا قَطُّ خَيْرًا مِنْ اَنْ يَّاْكُلَ مِنْ عَمَلِ يَدِهِ وَإِنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ دَاوُدَ كَانَ يَاْكُلُ مِنْ عَمَلِ يَدِهِ ﴾ ''کسی انسان نے اس شخص سے بہتر روزی نہیں کھائی جو خود اپنے ہاتھوں سے کما کر کھاتا ہے۔ اللہ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام بھی اپنے ہاتھ سے کام کر کے روزی کھاتے تھے۔''(۵)

---

(۱) [صحیح : صحیح الترغیب (۱۷۳۵) کتاب البیوع : باب الترغیب فی الورع وترک الشبہات]

(۲) [مسلم (۲۵۵۳) کتاب البر والصلۃ والاداب : باب تفسیر البر والإثم، الأدب المفرد (۲۹۶) ترمذی (۲۳۸۹) احمد (۱۸۲/۴) دارمی (۲۷۸۹) ابن حبان (۳۹۷) بیہقی (۱۹۲/۱۰)]

(۳) [صحیح : صحیح الترغیب (۱۷۳۹) کتاب البیوع : باب الترغیب فی الورع وترک الشبہات وما یحوک فی الصدور، احمد (۲۵۱/۵)]

(۴) [صحیح : ارواء الغلیل (۱۶۲۶) صحیح الجامع الصغیر (۱۵۶۶) ابن ماجہ (۲۲۹۰) کتاب التجارات : باب ما للرجل من مال ولدہ، ترمذی (۱۳۵۸) کتاب الاحکام : باب ما جاء ان الوالد یاخذ من مال ولدہ]

(۵) [بخاری (۲۰۷۲) کتاب البیوع : باب کسب الرجل وعملہ بیدہ]

(2) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿ اَنَّ دَاوٗدَ كَانَ لَا يَأْكُلُ اِلَّا مِنْ عَمَلِ يَدِهٖ ﴾ ''داؤد علیہ السلام صرف اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھایا کرتے تھے۔'' (۱)

(3) ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے پاکیزہ کمائی کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ ﴿ عَمَلُ الرَّجُلِ بِيَدِهٖ وَ كُلُّ بَيْعٍ مَبْرُوْرٍ ﴾ ''آدمی کا اپنے ہاتھ سے کام کرنا اور ہر بیع مبرور (یعنی وہ تجارت اور خرید وفروخت جو شرعاً درست ہو)۔'' (۲)

معاشی جدوجہد کی ترغیب

(1) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿ لَاَنْ يَحْتَطِبَ اَحَدُكُمْ حُزْمَةً عَلٰى ظَهْرِهٖ خَيْرٌ مِّنْ اَنْ يَّسْاَلَ اَحَدًا فَيُعْطِيَهٗ اَوْ يَمْنَعَهٗ ﴾ ''وہ شخص جو لکڑی کا گٹھا اپنی پیٹھ پر لاد کر لائے' اس سے بہتر ہے جو کسی کے سامنے ہاتھ پھیلائے چاہے وہ اسے کچھ دے یا نہ دے۔'' (۳)

(2) حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿ لَاَنْ يَّاْخُذَ اَحَدُكُمْ اَحْبُلَهٗ خَيْرٌ لَّهٗ مِنْ اَنْ يَّسْاَلَ النَّاسَ ﴾ ''اگر کوئی اپنی رسیوں کو سنبھالے اور ان میں لکڑی باندھ کر لائے تو وہ اس سے بہتر ہے جو لوگوں سے مانگتا پھرتا ہے۔'' (٤)

(3) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ﴿ كَانَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ عُمَّالُ اَنْفُسِهِمْ ' وَكَانَ يَكُوْنُ لَهُمْ اَرْوَاحٌ ' فَقِيْلَ لَهُمْ : لَوِاغْتَسَلْتُمْ ﴾ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اپنے کام اپنے ہی ہاتھوں سے کیا کرتے تھے اور (زیادہ محنت ومشقت کی وجہ سے) ان کے جسم سے (پسینے کی) بو آ جاتی تھی۔ اس لیے ان سے کہا گیا کہ اگر تم غسل کر لیا کرو تو بہتر ہوگا۔'' (٥)

(4) ایک طویل روایت میں ہے کہ ایک انصاری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مانگنے آیا تو آپ نے اس سے اس کا گھریلو سامان (ایک ٹاٹ اور ایک پیالہ) منگوا کر اسے دو درہم میں فروخت کیا، پھر وہ درہم اسے دے کر کہا' جاؤ ایک درہم سے کھانا خرید کر گھر والوں کو دے دو اور دوسرے سے کلہاڑا خرید کر میرے پاس لے آؤ (کچھ دیر بعد) وہ کلہاڑا لے آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے اس میں لکڑی کا دستہ ٹھونکا اور انصاری سے کہا' جاؤ اس سے

(۱) [بخاری (۲۰۷۳) کتاب البیوع : باب کسب الرجل وعمله بیده]

(۲) [صحیح : السلسلة الصحیحة (۶۰۷) هدایة الرواة (۲۷۱۵) مسند احمد (۱٤۱/٤)]

(۳) [بخاری (۲۰۷٤) کتاب البیوع : باب کسب الرجل وعمله بیده]

(٤) [بخاری (۲۰۷۵) کتاب البیوع : باب کسب الرجل وعمله بیده]

(٥) [بخاری (۲۰۷۱) کتاب البیوع : باب کسب الرجل وعمله بیده]

لکڑیاں کاٹو اور لے جا کر بازار میں بیچو اور پندرہ دن تک میں تجھے (مانگتا ہوا) نہ دیکھوں۔ آدمی (جنگل کی طرف) چلا گیا وہ (روز) لکڑیاں کاٹتا اور انہیں لے جا کر (بازار میں) بیچ دیتا۔ پھر جب وہ واپس آیا تو اس نے دس درہم کما لئے تھے۔ وہ گیا اور کچھ درہموں سے اناج خرید لیا اور کچھ سے کپڑا۔ پھر آپ ﷺ نے (اسے مخاطب کر کے) فرمایا' یہ تیرے لئے اس سے بہتر ہے کہ تو روزِ قیامت آئے اور یہ سوال تیری پیشانی پر داغ بنا ہوا ہو۔ (۱)

⇦ حضرت آدم علیہ السلام کھیتی کا کام، حضرت داؤد علیہ السلام لوہار کا کام، حضرت نوح علیہ السلام بڑھئی کا کام اور حضرت ادریس علیہ السلام کپڑے سینے کا کام کرتے تھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام بکریاں چرایا کرتے اور حضرت محمد ﷺ تجارت پیشہ تھے۔

صحابہ کا حرام خوری سے بچنا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ﴿ كَانَ لِأَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ غُلَامٌ يُخَرِّجُ لَهُ الْخَرَاجَ فَكَانَ أَبُو بَكْرٍ يَأْكُلُ مِنْ خَرَاجِهِ فَجَاءَ يَوْمًا بِشَيْءٍ فَأَكَلَ مِنْهُ أَبُو بَكْرٍ ، فَقَالَ لَهُ الْغُلَامُ : تَدْرِي مَا هٰذَا ؟ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ : وَ مَا هُوَ ؟ قَالَ : كُنْتُ تَكَهَّنْتُ لِإِنْسَانٍ فِي الْجَاهِلِيَّةِ ، وَ مَا أُحْسِنُ الْكِهَانَةَ ، إِلَّا أَنِّي خَدَعْتُهُ فَلَقِيَنِي فَأَعْطَانِي بِذٰلِكَ ، فَهٰذَا الَّذِي أَكَلْتَ مِنْهُ ، قَالَتْ : فَأَدْخَلَ أَبُو بَكْرٍ يَدَهُ فَقَاءَ كُلَّ شَيْءٍ فِي بَطْنِهِ ﴾ ''ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ایک غلام تھا جو ان کو کما کر دیا کرتا تھا چنانچہ ابوبکر رضی اللہ عنہ اس کی کمائی کھایا کرتے تھے۔ ایک دن وہ کوئی چیز لایا، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسے تناول کیا۔ تب غلام نے ان سے کہا، آپ کو معلوم ہے یہ کیا تھا؟ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا، یہ کیا تھا؟ اس نے بتایا، میں نے جاہلیت میں کسی انسان کے لیے کہانت کی تھی اور میں کہانت میں ماہر نہ تھا بس میں نے اس سے دھوکہ کیا تھا، وہ شخص مجھ سے ملا، اس نے مجھے یہ مال دیا۔ چنانچہ اس مال سے آپ نے تناول کیا ہے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنا ہاتھ (منہ میں) داخل کیا اور پیٹ میں موجود ہر شے کی قے کر دی (کیونکہ کہانت حرام ہے اور اس سے حاصل ہونے والا مال بھی حرام تھا)۔'' (۲)

حرام خور کی دعا قبول نہیں ہوتی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿ أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ اللّٰهَ طَيِّبٌ لَا

---

(۱) [**صحیح لغیرہ** : صحیح الترغیب (۸۳٤) کتاب الصدقات، ابوداود (۱٦٤۱) ابن ماجه (۲۱۹۸) ترمذی (٦٥۳) مسند احمد (۱۱٤/۳) المسند الجامع (٦۳۲) البدر المنیر لابن الملقن (٥۱٤/٦)] حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا ہے کہ امام ترمذیؒ نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔ [فتح الباری (۳٥٤/٤)] امام ہیثمیؒ نے نقل فرمایا ہے کہ اس کی سند کو امام ترمذیؒ نے حسن کہا ہے۔ [مجمع الزوائد (٦۳۸۰)] شیخ حسام الدین عفانہ فرماتے ہیں کہ شیخ البانیؒ نے شواہد کی بنا پر اس روایت کو صحیح کہا ہے۔ [فتاوی یسئلونك (٥٤/۳)]

(۲) [بخاری (۳۸٤۲) کتاب مناقب الانصار : باب ایام الجاهلية]

يَقْبَلُ إِلَّا طَيِّبًا وَ إِنَّ اللَّهَ أَمَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ بِمَا أَمَرَ بِهِ الْمُرْسَلِيْنَ ... فَأَنَّى يُسْتَجَابُ لِذَالِكَ ﴾ ''اے لوگو! بے شک اللہ تعالیٰ پاک ہے اور صرف پاک چیز کو ہی قبول کرتا ہے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو بھی وہی حکم دیا ہے جو رسولوں کو دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ''اے رسولو! پاکیزہ اشیاء سے کھاؤ اور نیک عمل کرو' یقیناً میں جانتا ہوں جو تم عمل کرتے ہو۔'' اور (ایک دوسرے مقام پر) فرمایا کہ ''اے ایمان والو! پاکیزہ رزق میں سے کھاؤ جو ہم نے تمہیں دیا ہے۔'' پھر آپ ﷺ نے ایک ایسے آدمی کا ذکر کیا جو طویل سفر کرتا ہے' اس کے بال پراگندہ ہیں' (جسم) غبار آلود ہے' وہ آسمان کی طرف اپنے ہاتھ پھیلاتا ہے (اور کہتا ہے کہ) اے میرے رب! اے میرے رب! اے میرے رب! لیکن اس کا کھانا بھی حرام کا ہے' اس کا پینا بھی حرام کا ہے' اس کا لباس بھی حرام کا ہے اور اسے غذا بھی حرام کی دی جاتی ہے تو اس کی دعا کیسے قبول کی جائے۔''(۱)

حرام مال سے صدقہ قبول نہیں ہوتا

جیسا کہ سابقہ حدیث میں ہے کہ ''اللہ تعالیٰ پاک ہے اور صرف پاک چیز کو ہی قبول کرتا ہے۔'' علاوہ ازیں ایک دوسری روایت میں ہے کہ ﴿ لَا تُقْبَلُ صَلَاةٌ بِغَيْرِ طُهُوْرٍ وَلَا صَدَقَةٌ مِّنْ غُلُوْلٍ ﴾ ''طہارت کے بغیر نماز قبول نہیں کی جاتی اور نہ ہی خیانت (چوری، غصب وغیرہ) کے مال سے صدقہ قبول کیا جاتا ہے۔''(۲)

ان روایات کی رو سے حرام مال سے کیا ہوا حج، قربانی، عقیقہ، مسجد یا مدرسے کی تعمیر اور دیگر کوئی بھی نیکی کا کام (جو حرام مال سے کیا جائے) قبول نہیں ہوگا اور نہ ہی اس کا کوئی اجر ملے گا۔

(سعودی مستقل فتویٰ کمیٹی) صدقہ، حج یا نیکی کے کسی بھی کام میں صرف پاکیزہ کمائی سے ہی خرچ کرنا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ صرف پاکیزہ چیز ہی قبول فرماتا ہے۔(۳)

(شیخ ابن باز رحمہ اللہ) دل کی صفائی اور دعا و عبادت کی قبولیت میں حلال کھانے کا گہرا اثر ہے کیونکہ حرام کھانے سے نہ تو دعا قبول ہوتی ہے اور نہ ہی کوئی دوسری عبادت۔(۴)

قیامت کے قریب حلال حرام کی تمیز نہیں کی جائے گی

فرمانِ نبوی ہے کہ ﴿ يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يُبَالِي الْمَرْءُ مَا أَخَذَ مِنْهُ ؛ أَمِنَ الْحَلَالِ أَمْ مِنَ الْحَرَامِ ؟ ﴾ ''لوگوں پر ایک وقت آئے گا کہ آدمی پرواہ نہیں کرے گا کہ اس نے کس طریقے سے (مال) حاصل

---

(۱) [مسلم (۱۰۱۵) كتاب الزكاة ، ترمذى (۲۹۸۹) كتاب تفسير القرآن ، احمد (۸۳۵۶)]

(۲) [مسلم (۲۲٤) كتاب الطهارة : باب وجوب الطهارة للصلاة ، ترمذى (۱) ابن ماجه (۲۷۲)]

(۳) [فتاوى اللجنة الدائمة (۵۵/۱۳)]

(٤) [مجموع فتاوى ابن باز (۲۷/۲۳)]

کیا' حلال طریقے سے یا حرام طریقے سے۔''(۱)

روزِ قیامت کمائی کے متعلق خصوصی سوال ہوگا

(2) حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا﴿ مَا تَزَالُ قَدَمَا عَبْدٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتّٰى يُسْأَلَ عَنْ أَرْبَعٍ : عَنْ عُمْرِهِ فِيمَ أَفْنَاهُ؟ وَعَنْ شَبَابِهِ فِيمَ أَبْلَاهُ؟ وَعَنْ مَالِهِ مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهُ ' وَفِيمَ أَنْفَقَهُ؟ وَعَنْ عِلْمِهِ مَاذَا عَمِلَ فِيهِ؟﴾ ''قیامت کے دن کسی بندے کے دونوں قدم حرکت بھی نہ کر سکیں گے حتی کہ اس سے چار چیزوں کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ اس کی عمر کے متعلق کہ اس نے اسے کہاں فنا کیا؟ اس کی جوانی کے متعلق کہ اس نے اسے کہاں بوسیدہ کیا؟ اس کے مال کے متعلق کہ اس نے کہاں سے کمایا اور اسے کہاں خرچ کیا؟ اس کے علم کے متعلق کہ اس نے اپنے علم کے مطابق کیا عمل کیا؟۔''(۲)

حرام خور جہنم میں جائے گا

(3) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا﴿ يَا كَعْبَ بْنَ عُجْرَةَ ! إِنَّهُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ لَحْمٌ نَبَتَ مِنْ سُحْتٍ ﴾ ''اے کعب بن عجرہ! بلاشبہ جنت میں وہ گوشت داخل نہیں ہوگا جو حرام سے اُگا ہو۔''(۳)

(4) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا﴿ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ جَسَدٌ غُذِّيَ بِحَرَامٍ ﴾ ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں وہ جسم داخل نہیں ہوگا جسے حرام کے ساتھ غذا دی گئی ہو۔''(٤)

---

(۱) [بخاری (۲۰۵۹) کتاب البیوع : باب من لم يبال من حيث كسب المال]

(۲) [**حسن لغیرہ**: صحیح الترغیب (۱۷۲٦) کتاب البیوع: باب الترغيب في طلب الحلال والاكل منه' بيهقي في شعب الإيمان (۱۸۷۵)]

(۳) [**صحیح لغیرہ**: صحیح الترغیب (۱۷۲۸) کتاب البیوع: باب الترغيب في طلب الحلال والاكل منه' ابن حبان في صحيحه (۵۵٤۱)]

(٤) [**صحیح لغیرہ**: صحیح الترغیب (۱۷۳۰) کتاب البیوع: باب الترغيب في طلب الحلال والاكل منه' ابو يعلى (۱/۸۳-۸٤) بيهقي في شعب الايمان (۵۷۵۹)]

باب فضل البیع و آدابه — تجارت کی فضیلت اور چند آداب

حلال تجارتی منافع اللہ کا فضل ہے

(1) ﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَإِذَا أَفَضْتُم مِّنْ عَرَفَاتٍ فَاذْكُرُوا اللَّهَ عِندَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۖ وَاذْكُرُوهُ كَمَا هَدَاكُمْ وَإِن كُنتُم مِّن قَبْلِهِ لَمِنَ الضَّالِّينَ﴾ [البقرة : ۱۹۸] ''تم پر (بذریعہ تجارت) اپنے رب کا فضل تلاش کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ جب تم عرفات سے لوٹو تو مشعر حرام کے پاس ذکر الٰہی کرو اور اس کا ذکر کرو جیسے کہ اس نے تمہیں ہدایت دی، حالانکہ تم اس سے پہلے راہ بھولے ہوئے تھے۔''

اس آیت میں سفر حج میں تجارت اور کاروبار کی اجازت دیتے ہوئے تجارتی منافع کو اللہ کا فضل قرار دیا گیا ہے۔

(2) ﴿فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللَّهِ﴾ [الجمعة : ۱۰]
''جب نماز مکمل کر دی جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرو۔''

اس آیت میں بھی اللہ کے فضل سے مراد کسبِ مال اور تجارت ہی ہے۔ لیکن یہاں یہ یاد رہے کہ وہی تجارتی منافع اللہ کے فضل سے تعبیر کیا جا سکتا ہے جو حلال ذرائع سے کمایا جائے کیونکہ حرام ذرائع آمدن فضلِ الٰہی کے نہیں بلکہ عذابِ الٰہی کے موجب ہیں۔

سچا امانتدار تاجر انبیاء و شہداء کے ساتھ ہوگا

(1) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿التَّاجِرُ الصَّدُوقُ الْأَمِينُ مَعَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ﴾ ''سچا اور امانت دار تاجر انبیاء، صدیقین اور شہدا کے ساتھ ہوگا۔''(۱)

(2) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿التَّاجِرُ الْأَمِينُ الصَّدُوقُ الْمُسْلِمُ مَعَ الشُّهَدَاءِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ ''امانت دار، سچا اور مسلمان تاجر قیامت کے دن شہداء کے ساتھ ہوگا۔''(۲)

روزِ قیامت متقی و سچا تاجر ہی فلاح یاب ہوگا

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو آپس میں کاروبار کرتے ہوئے دیکھا تو کہا ﴿يَا مَعْشَرَ التُّجَّارِ فَاسْتَجِيبُوا لِرَسُولِ اللَّهِ﴾ ''اے تاجروں کی جماعت! اللہ کے رسول کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔'' لوگوں

---

(۱) [**صحیح لغیرہ** : صحیح الترغیب (۱۷۸۲) کتاب البیوع : باب ترغیب التجار فی الصدق، ترمذی (۱۲۰۹)]

(۲) [**حسن صحیح** : صحیح الترغیب (۱۷۸۳) کتاب البیوع : باب ترغیب التجار فی الصدق، ابن ماجة (۲۱۳۹)]

نے اپنی گردنیں اور اپنی آنکھیں آپ کی طرف اُٹھالیں تو آپ نے فرمایا﴿ اِنَّ التُّجَّارَ يُبْعَثُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فُجَّارًا اِلَّا مَنِ اتَّقَى اللّٰهَ وَبَرَّ وَصَدَقَ ﴾ ''بے شک تاجر قیامت کے دن فاجروں کی حیثیت سے اُٹھائے جائیں گے مگر جس نے اللہ کا تقویٰ اختیار کیا اور نیکی کی اور سچ بولا (اسے اس طرح نہیں اٹھایا جائے گا)۔''(۱)

تاجروں کو اسلامی اصولِ تجارت کا علم حاصل کرنا چاہیے

(1) حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ ﴿ لَا يَبِعْ فِي سُوْقِنَا اِلَّا مَنْ قَدْ تَفَقَّهَ فِي الدِّيْنِ ﴾ ''ہمارے بازاروں میں وہی خرید وفروخت کرے جسے دین (اسلامی اصولِ تجارت) کی سمجھ ہو۔''(۲)

(2) حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ ﴿ مَنِ اتَّجَرَ قَبْلَ اَنْ يَتَفَقَّهَ ارْتَطَمَ فِي الرِّبَا ﴾ ''جس نے (احکامِ تجارت کی) سمجھ بوجھ کے بغیر تجارت کی وہ سود میں مبتلا ہو گیا (آپ رضی اللہ عنہ نے تین مرتبہ یہ بات دُہرائی)۔''(۳)

تجارتی معاہدات پورے کرنے چاہییں

(1) ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ﴾[المائدة : ۱] ''اے ایمان والو! عہد و پیمان پورے کرو۔''

(2) ﴿ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا ﴾[الاسراء : ۳۴] ''وعدے پورے کرو کیونکہ قول و قرار کی باز پرس کی جائے گی۔''

(3) فرمانِ نبوی کے مطابق منافق کی ایک علامت یہ ہے کہ ﴿ وَ اِذَا عَاهَدَ غَدَرَ ﴾ ''جب وہ معاہدہ کرتا ہے تو اس کی خلاف ورزی کرتا ہے۔''(۴)

جھوٹ سے بچنا چاہیے

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ہم تجارت پیشہ لوگ تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے تو فرما رہے تھے کہ ﴿ يَا مَعْشَرَ التُّجَّارِ اِيَّاكُمْ وَ الْكَذِبَ ﴾ ''اے تاجروں کی جماعت! جھوٹ سے بچو۔''(۵)

---

(۱) [**صحیح لغیرہ** : صحیح الترغیب (۱۷۸۵) کتاب البیوع : باب ترغیب التجار فی الصدق ' ترمذی (۱۲۱۰) ابن ماجة (۲۱۴۶) ابن حبان (۴۸۹۰) حاکم (۶/۲) امام حاکمؒ نے اس روایت کی سند کو صحیح کہا ہے۔]

(۲) [**حسن** : صحیح ترمذی ، ترمذی (۴۸۷) ابواب الوتر : باب ما جاء فی فضل الصلاة علی النبی]

(۳) [تفسیر القرطبی (۳۵۲/۳) تفسیر ابن کثیر (۵۸۱/۱) تفسیر الطبری (۳۸/۶) مغنی المحتاج (۲۲/۲) النهاية فی غريب الحديث (۵۶۷/۲) الموسوعة الفقهية الكويتية (۵۳/۲۲)]

(۴) [بخاری (۳۴) مسلم (۵۸/۱۰۶)]

(۵) [**صحیح لغیرہ** : صحیح الترغیب (۱۷۹۸) طبرانی کبیر (۱۳۲) کنز العمال (۹۴۳۸)]

سودے کا عیب چھپانے اور دھوکہ دہی سے بچنا چاہیے

(1) حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا﴿ اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ وَلَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ بَاعَ مِنْ اَخِيْهِ بَيْعًا فِيْهِ عَيْبٌ اِلَّا بَيَّنَهُ ﴾ ''مسلمان مسلمان کا بھائی ہے اور کسی مسلمان کے لیے حلال نہیں کہ وہ اپنے بھائی کو کوئی عیب دار چیز فروخت کرے سوائے اس کے کہ سودے کا عیب بیان کر دے۔''(۱)

(2) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ غلے کے ڈھیر پر سے گزرے تو آپ نے اپنا ہاتھ اس میں داخل کیا' آپ کی انگلیوں کو تری محسوس ہوئی تو آپ نے فرمایا﴿ مَا هٰذَا يَا صَاحِبَ الطَّعَامِ ؟ ﴾ ''اے غلے کے مالک! یہ کیا ہے؟'' اس نے عرض کیا' اے اللہ کے رسول! اس پر بارش پڑ گئی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا﴿ أَفَلَا جَعَلْتَهُ فَوْقَ الطَّعَامِ كَيْ يَرَاهُ النَّاسُ ؟ مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنِّي ﴾ ''تم نے اسے غلے کے اوپر کیوں نہ رکھا تاکہ لوگ اسے دیکھ لیتے؟ جس نے دھوکہ دیا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔''(۲)

زیادہ قسمیں کھانے سے بچنا چاہیے

(1) حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا﴿ ثَلَاثَةٌ لَا يَنْظُرُ اللّٰهُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ : اُشَيْمِطٌ زَانٍ وَعَائِلٌ مُسْتَكْبِرٌ وَرَجُلٌ جَعَلَ اللّٰهُ بِضَاعَتَهُ لَا يَشْتَرِي اِلَّا بِيَمِيْنِهِ وَلَا يَبِيْعُ اِلَّا بِيَمِيْنِهِ ﴾ ''تین آدمی ایسے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی طرف قیامت کے دن نظرِ رحمت نہیں فرمائیں گے: بوڑھا بدکار' فقیر متکبر اور ایسا شخص جسے اللہ تعالیٰ نے سامان دے رکھا ہے اور وہ اسے نہیں خریدتا مگر قسم کے ساتھ اور نہ ہی اسے بیچتا ہے مگر صرف قسم کے ساتھ۔''(۳)

(2) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا﴿ اَرْبَعَةٌ يُبْغِضُهُمُ اللّٰهُ : اَلْبَيَّاعُ الْحَلَّافُ ' وَالْفَقِيْرُ الْمُخْتَالُ ' وَالشَّيْخُ الزَّانِيْ ' وَالْإِمَامُ الْجَائِرُ ﴾ ''چار بندوں سے اللہ تعالیٰ نفرت کرتے ہیں: بہت زیادہ قسمیں کھا کر خرید و فروخت کرنے والا' متکبر فقیر' بوڑھا بدکار اور ظالم حکمران۔''(٤)

---

(۱) [**صحیح**: صحیح الترغیب (۱۷۷۰) ارواء الغلیل (۱۳۲۱) ابن ماجه (۲۲٤٦)]

(۲) [مسلم (۱۰۲) کتاب الإیمان: باب قول النبی من غشنا فلیس منا' ابو داود (۳٤٥۲) ترمذی (۱۳۱٥)]

(۳) [**صحیح**: صحیح الترغیب (۱۷۸۸) کتاب البیوع: باب الترغیب التجار فی الصدق' رواه الطبرانی فی الکبیر، مجمع الزوائد (٦۳۳٥) صحیح الجامع الصغیر (۳۰۷۲)]

(٤) [**صحیح**: صحیح الترغیب (۱۷۹۰) کتاب البیوع: باب الترغیب التجار فی الصدق' نسائی (٨٦/٥) وفی الکبری (۲۳٥۷) بیہقی فی شعب الایمان (٤٨٥۳) ابن حبان فی صحیحه (٥٥۳۲)]

(3) حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ﴿ اِيَّاكُمْ وَكَثْرَةَ الْحَلِفِ فِي الْبَيْعِ فَإِنَّهُ يُنَفِّقُ ثُمَّ يَمْحَقُ ﴾ ”تجارت میں بہت زیادہ قسمیں کھانے سے بچو کیونکہ یہ سودا تو بکوا دیتی ہیں لیکن برکت ختم کر دیتی ہیں۔“(۱)

بازار میں شور و غل مچانے سے بچنا چاہیے

عطاء بن یسار رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ میں عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے ملا اور عرض کیا کہ رسول اللہ ﷺ کی جو صفات تورات میں آئی ہیں ان کے متعلق مجھے کچھ بتائیے۔ انہوں نے کہا: ﴿ اَجَلْ ، وَاللّٰهِ اِنَّهُ لَمَوْصُوْفٌ فِي التَّوْرَاةِ بِبَعْضِ صِفَتِهِ فِي الْقُرْآنِ : يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّا اَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيْرًا وَحِرْزًا لِلْاُمِّيِّيْنَ ، اَنْتَ عَبْدِيْ وَرَسُوْلِيْ سَمَّيْتُكَ الْمُتَوَكِّلَ ، لَيْسَ بِفَظٍّ وَلَا غَلِيْظٍ وَلَا سَخَّابٍ فِي الْأَسْوَاقِ ، وَلَا يَدْفَعُ بِالسَّيِّئَةِ السَّيِّئَةَ ، وَلٰكِنْ يَعْفُوْا وَيَغْفِرُ ، وَلَنْ يَقْبِضَهُ اللّٰهُ حَتّٰى يُقِيْمَ بِهِ الْمِلَّةَ الْعِوَجَاءَ بِاَنْ يَقُوْلُوْا : لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَيَفْتَحُ بِهَا اَعْيُنَ عُمْيٍ وَآذَانَ صُمٍّ وَقُلُوْبَ غُلْفٍ ﴾ ”ہاں! قسم خدا کی! آپ ﷺ کی تورات میں بالکل بعض وہی صفات آئی ہیں جو قرآن شریف میں مذکور ہیں جیسے کہ ”اے نبی! ہم نے تمہیں گواہ، خوشخبری دینے والا، ڈرانے والا اور ان پڑھ قوم کی حفاظت کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔ تم میرے بندے اور میرے رسول ہو۔ میں نے تمہارا نام متوکل رکھا ہے۔ تم نہ بدخو ہو نہ سخت دل اور نہ بازاروں میں شور و غل مچانے والے (اور تورات میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ) وہ (میرا بندہ اور رسول) برائی کا بدلہ برائی سے نہیں لے گا، بلکہ معاف اور درگزر کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس وقت تک اس کی روح قبض نہیں کرے گا جب تک ٹیڑھی شریعت کو اس سے سیدھی نہ کرا لے، یعنی لوگ لا الہ الا اللہ نہ کہنے لگیں اور اس کے ذریعہ وہ اندھی آنکھوں کو بینا، بہرے کانوں کو شنوا اور پردہ پڑے ہوئے دلوں کے پردے کھول دے گا۔“(۲)

معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ کی صفات میں ایک صفت یہ بھی تھی کہ آپ بازاروں میں شور و غل نہیں مچاتے تھے جس سے پتہ چلا کہ بازاروں میں شور و غل مچانا اخلاقِ کریمہ کے منافی ہے لہٰذا اس سے بچنا چاہیے۔

ماپ تول میں کمی سے بچنا چاہیے

(1) ﴿ وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ۝ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ۝ اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ۝ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾ [المطففین : ۱۔۶] ”ہلاکت ہے ماپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے۔ کہ جب

---

(۱) [مسلم (۱٦۰۷) نسائی (٤٤٦۰) ابن ماجة (۲۲۰۹) مسند احمد (۲۹۷/۵)]

(۲) [بخاری (۲۱۲۵) کتاب البیوع : باب کراھیة السخب فی السوق]

لوگوں سے ماپ کر لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں۔ اور جب انہیں ماپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں۔ کیا انہیں اپنے مرنے کے بعد جی اٹھنے کا خیال نہیں۔ اس عظیم دن کے لیے۔ جس دن سب لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے۔''

(2) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ﴿ لَمَّا قَدِمَ النَّبِيُّ ﷺ الْمَدِيْنَةَ كَانُوْا مِنْ اَخْبَثِ النَّاسِ كَيْلًا ' فَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ ((وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ)) فَاَحْسَنُوا الْكَيْلَ بَعْدَ ذٰلِكَ ﴾ ''جب نبی ﷺ مدینہ تشریف لائے تو لوگ ماپ تول کے معاملے میں انتہائی خبیث تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی ''ماپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے۔'' تو اس کے بعد لوگوں نے ماپ تول کو انتہائی اچھا کرلیا۔(۱)

(3) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ﴿ مَا ظَهَرَ الْغُلُوْلُ فِيْ قَوْمٍ اِلَّا اَلْقَى اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ ' وَلَا فَشَا الزِّنَا فِيْ قَوْمٍ اِلَّا كَثُرَ فِيْهِمُ الْمَوْتُ ' وَلَا نَقَصَ قَوْمٌ الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ اِلَّا قَطَعَ اللّٰهُ عَنْهُمُ الرِّزْقَ ' وَلَا حَكَمَ قَوْمٌ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّا فَشَا فِيْهِمُ الدَّمُ ' وَلَا خَطَرَ قَوْمٌ بِالْعَهْدِ اِلَّا سُلِّطَ عَلَيْهِمُ الْعَدُوُّ ﴾ ''جس قوم میں خیانت ظاہر ہو جاتی ہے اللہ تعالیٰ اُن کے دلوں میں رعب ڈال دیتے ہیں' جس قوم میں زنا پھیل جاتا ہے اُن میں اموات کی کثرت واقع ہو جاتی ہے' جو قوم ماپ تول میں کمی کرتی ہے اللہ تعالیٰ اُن سے رزق کو کاٹ دیتے ہیں' جو قوم بغیر حق کے فیصلہ کرتی ہے اُن میں قتل وخونریزی پھیل جاتی ہے اور جو قوم عہد توڑ دیتی ہے اُن پر دشمن کو مسلط کردیا جاتا ہے۔''(۲)

(4) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿ وَلَمْ يَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ اِلَّا اُخِذُوْا بِالسِّنِيْنَ ﴾ ''جو قوم ماپ تول میں کمی کرتی ہے وہ قحط سے دوچار کردی جاتی ہے۔''(۳)

کاروبار میں فیاضی سے کام لینا چاہیے

(1) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿ رَحِمَ اللّٰهُ رَجُلًا سَمْحًا اِذَا بَاعَ وَاِذَا اشْتَرَى وَاِذَا اقْتَضَى ﴾ ''اللہ تعالیٰ ایسے شخص پر رحم کرے جو بیچتے وقت اور خریدتے وقت اور

---

(۱) [**حسن** : صحیح الترغیب (۱۷۶۰) کتاب البیوع: باب الترهیب من بخس الكیل والوزن' ابن ماجة (۲۲۲۳) ابن حبان فی صحیحه (۴۸۹۸) بیهقی فی شعب الایمان (۵۲۸۶)]

(۲) [**حسن لغیره** : صحیح الترغیب (۱۷۶۲) کتاب البیوع: باب الترهیب من بخس الكیل والوزن]

(۳) [**صحیح لغیره** : صحیح الترغیب (۱۷۶۱) کتاب البیوع : باب الترهیب من بخس الكیل والوزن ' ابن ماجة (۴۰۱۹) بیهقی فی شعب الإیمان (۳۳۱۴)]

تقاضا کرتے وقت فیاضی اور نرمی سے کام لیتا ہے۔''(۱)

(2) جامع ترمذی کی روایت میں یہ لفظ ہیں ﴿ غَفَرَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانَ سَهْلًا إِذَا بَاعَ سَهْلًا إِذَا اشْتَرَى سَهْلًا إِذَا اقْتَضَى ﴾ ''اللہ تعالیٰ نے تم سے پہلے لوگوں میں سے ایک آدمی کو بخش دیا وہ جب بیچتا تھا اور جب خریدتا تھا اور جب تقاضا کرتا تھا تو نرمی سے پیش آتا تھا۔''(۲)

(3) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿ أَدْخَلَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ رَجُلًا كَانَ سَهْلًا مُشْتَرِيًا وَبَائِعًا وَقَاضِيًا وَ مُقْتَضِيًا ، الْجَنَّةَ ﴾ ''اللہ تعالیٰ نے ایک بندے کو جنت میں داخل کر دیا۔ وہ شخص خریدتے وقت' فروخت کرتے وقت' فیصلہ کرتے وقت اور تقاضا کرتے وقت نرمی (اور فیاضی) سے پیش آتا تھا۔''(۳)

دن کے ابتدائی حصے میں تجارت کی کوشش کرنی چاہیے

حضرت صخر بن وداعہ غامدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لِأُمَّتِيْ فِيْ بُكُوْرِهَا وَكَانَ إِذَا بَعَثَ سَرِيَّةً ، أَوْ جَيْشًا بَعَثَهُمْ مِنْ أَوَّلِ النَّهَارِ ، وَكَانَ صَخْرٌ تَاجِرًا فَكَانَ يَبْعَثُ تِجَارَتَهُ مِنْ أَوَّلِ النَّهَارِ فَأَثْرَى وَكَثُرَ مَالُهُ ﴾ ''اے اللہ میری اُمت کی صبحوں میں برکت عطا فرما۔ اور آپ ﷺ جب کوئی دستہ یا لشکر روانہ کرتے تو دن کے ابتدائی حصے میں روانہ کرتے تھے۔ حضرت صخر رضی اللہ عنہ ایک تاجر تھے وہ اپنی تجارت (کا سامان) دن کے ابتدائی حصے میں روانہ کیا کرتے تھے تو وہ امیر ہو گئے اور ان کے مال میں اضافہ ہو گیا۔(٤)

لین دین کے معاملات لکھ لینے چاہییں

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ۭ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۠ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ

---

(۱) [بخاری (۲۰۷٦) کتاب البیوع : باب السهولة و السماحة فی الشراء و البیع و من طلب حقا فلیطلبه فی عفاف ' ابن ماجة (۲۲۰۳)]

(۲) [**صحیح** : صحیح الترغیب (۱۷٤۲) کتاب البیوع : باب الترغیب فی السماحه ' ترمذی (۱۳۲۰)]

(۳) [**حسن لغیره** : صحیح الترغیب (۱۷٤۳) کتاب البیوع : باب الترغیب فی السماحة فی البیع و الشراء' نسائی (۳۱۹/۷) ابن ماجة (۲۲۰۲)]

(٤) [**صحیح لغیره**: صحیح الترغیب (۱٦۹۳) کتاب البیوع : باب الترغیب فی البکور فی طلب الرزق ' ابو داود (۲٦۰٦) ترمذی (۱۲۱۲) ابن ماجة (۲۲۳٦) ابن حبان فی صحیحه (۲۷۳۵)]

وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ فَاِنْ كَانَ الَّذِىْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ ؕ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ﴾[البقرة : ۲۸۲] ’’اے ایمان والو! جب تم آپس میں ایک دوسرے سے مقررہ میعاد پر قرض کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو۔ اور لکھنے والے کو چاہیے کہ تمہارا آپس کا معاملہ عدل وانصاف سے لکھے۔ کاتب کو چاہیے کہ لکھنے سے انکار نہ کرے جیسے اللہ تعالیٰ نے اسے سکھایا ہے پس اسے بھی لکھ لینا چاہیے اور جس کے ذمہ حق ہو وہ لکھوائے اور اپنے اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے اور حق میں سے کچھ کمی نہ کرے۔ ہاں جس شخص کے ذمہ حق ہے وہ اگر نادان ہو یا کمزور ہو یا لکھوانے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اس کا ولی عدل کے ساتھ لکھوا دے اور اپنے میں سے دو مرد گواہ رکھ لو۔‘‘

تجارت کے ساتھ ساتھ صدقہ وخیرات بھی کرتے رہنا چاہیے

حضرت قیس بن ابوغرزہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس سے گزرے تو فرمایا:﴿يَا مَعْشَرَ التُّجَّارِ ! اِنَّ الْبَيْعَ يَحْضُرُهُ اللَّغْوُ وَ الْحَلِفُ فَشُوْبُوْهُ بِالصَّدَقَةِ ﴾ ’’اے تاجروں کے گروہ! بلاشبہ خرید وفروخت میں لغو باتیں اور قسمیں اٹھائی جاتی ہیں، پس تمہیں چاہیے کہ صدقہ وخیرات کرو۔‘‘

جامع ترمذی کی روایت میں یہ لفظ ہیں کہ ﴿ يَا مَعْشَرَ التُّجَّارِ اِنَّ الشَّيْطَانَ وَ الْاِثْمَ يَحْضُرَانِ الْبَيْعَ فَشُوْبُوْا بَيْعَكُمْ بِالصَّدَقَةِ ﴾ ’’اے تاجروں کی جماعت! بلاشبہ خرید وفروخت میں شیطان اور گناہ (دونوں) بھی موجود ہوتے ہیں اس لیے تجارت کے ساتھ صدقہ وخیرات بھی کیا کرو۔‘‘(۱)

ہمیشہ خیر خواہی پر مشتمل مشورہ دینا چاہیے

فرمانِ نبوی ہے کہ ﴿ اَلْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمَنٌ ﴾ ’’جس سے مشورہ لیا جائے وہ امین ہوتا ہے۔‘‘(۲) اور ایک دوسری روایت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حق ذکر فرمائے ہیں، ان میں سے ایک حق یہ ہے کہ ﴿ وَ اِذَا اسْتَنْصَحَكَ فَانْصَحْهُ ﴾ ’’جب وہ تجھ سے خیرخواہی طلب کرے تو اس کی خیرخواہی کر۔‘‘(۳)

معلوم ہوا کہ اگر کوئی مسلمان بھائی کاروباری (یا کسی اور معاملے کے متعلق) مشورہ طلب کرے تو اسے نیک مشورہ دینا چاہیے اور اسے اسی کام کی صلاح دینی چاہیے جو انسان خود اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

---

(۱) [**صحيح** : صحيح ابو داود ، ابو داود (۳۳۲٦) كتاب البيوع : باب في التجارة يخالطها الحلف واللغو ، ابن ماجه (۲۱٤٥) نسائی (۳۷۹۷) ترمذی (۱۲۰۸)]

(۲) [**صحيح** : صحيح الجامع الصغير (٦۷۰۰) ابن ماجه (۳۷٤٥) ترمذی (۲۸۲۲)]

(۳) [مسلم (۲۱٦۲) كتاب السلام : باب من حق المسلم للمسلم رد السلام ، ترمذی (۲۷۳۷)]

باب احکام البیع　　　تجارت اور سودے بازی کے احکام

بیع وتجارت کا مفہوم

لفظ بیع مصدر ہے باب بَـاعَ یَبِیْعُ (بروزن ضرب) سے اس کا معنی ہے ''فروخت کرنا''۔شِـرَاء خریدنے کو کہتے ہیں لیکن اہل علم کا کہنا ہے کہ لفظِ بیع اور شراء دونوں ایک دوسرے کے معانی میں بھی استعمال ہو جاتے ہیں۔بَائِع فروخت کنندہ کو اور مُشْتَرِی خریدار کو کہتے ہیں۔

بیع کی اصطلاحی تعریف امام ابن قدامہ رحمہ اللہ نے ان الفاظ میں کی ہے کہ ''ایک مال دوسرے کی ملکیت میں دیتے ہوئے اور اس کا مال اپنی ملکیت بناتے ہوئے باہم تبادلہ کرنا بیع ہے۔''(۱) امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''ملکیت بنانے کی غرض سے مال کو مال سے بدلنا بیع ہے۔''(۲) شیخ عبداللہ بسام رحمہ اللہ نے بیع کی تعریف یوں فرمائی ہے کہ ''ملکیت بنانے کی غرض سے ایک مال کا دوسرے مال کے ساتھ تبادلہ بیع ہے۔'' (۳)

بالعموم تجارت کو بیع کے مفہوم میں ہی شمار کیا جاتا ہے لیکن درحقیقت لفظِ تجارت بیع کا کامل مفہوم ادا نہیں کرتا کیونکہ لفظِ بیع بہت وسیع مفہوم رکھتا ہے۔بیع میں ہر وہ معاملہ شامل ہے جس میں کسی آدمی کا دوسرے سے لین دین کا تعلق ہو خواہ یہ تعلق مالک اور مزدور کا ہو، مسجد کے منتظم اور قاری کا ہو، رقاصہ ومغنیہ عورتوں اور ان کے مداحوں کا ہو۔غرض ہر وہ معاملہ جس کا تعلق دوسرے سے ہو اور بدلے میں اس سے کچھ رقم یا کوئی اور مفاد حاصل کیا جائے بیع کے ضمن میں آئے گا جبکہ لفظِ تجارت محض سودے بازی اور دوکانداری کا ہی مفہوم ادا کرتا ہے۔(٤)

⇦ تاہم یہ یاد رہے کہ چونکہ اس کتاب کا عنوان ''تجارت کی کتاب'' ہے اس لیے اس میں اکثر وبیشتر مقامات پر کاروبار، خرید وفروخت، لین دین اور بیع وغیرہ کے جملہ اُمور کے لیے تجارت کا لفظ ہی استعمال کیا جائے گا۔

تجارتی معاملات کا اصول

تجارتی اور لین دین کے معاملات کے متعلق یہ اصول یاد رکھنا چاہیے کہ تمام معاملات میں اصل اباحت ہے۔ جیسا کہ اہل علم نے یہ اصول بیان کیا ہے کہ ((اَلْاَصْلُ فِي الْاَشْيَاءِ الْإِبَاحَةُ))''اشیاء میں اصل اباحت وجواز ہی ہے۔''(٥) لہٰذا کاروبار کی قدیم وجدید ہر صورت جائز ومباح ہے سوائے اس صورت کے جس سے منع کر دیا

---

(۱) [المغنی لابن قدامة (۵۵۹/۳)]　　(۲) [مغنی المحتاج (۲/۲)]

(۳) [توضیح الأحکام (۲۱۱/٤)]

(٤) [احکام تجارت اور لین دین کے مسائل ، از مولانا عبد الرحمن کیلانی (ص : ۳٦)]

(٥) [اصول الفقه علی منهج اهل الحدیث (ص : ۱۱٦)]

گیا ہے صرف اس سے بچ جانا چاہیے اور حرام تجارتی معاملات کے متعلق یہ اصول ذہن نشین رہنا چاہیے کہ جس معاملے میں بھی سود' جہالت' دھوکہ یا نقصان ہو وہ حرام ہے۔

فرمانِ نبوی ہے کہ ﴿ إِنَّ أَعْظَمَ الْمُسْلِمِينَ جُرْمًا مَنْ سَأَلَ عَنْ شَيْءٍ لَمْ يُحَرَّمْ فَحُرِّمَ مِنْ أَجْلِ مَسْأَلَتِهِ ﴾ ''مسلمانوں میں سب سے بڑا مجرم وہ ہے جس نے ایسی چیز کے متعلق سوال کیا جو حرام نہیں تھی، پھر اس کے سوال کی وجہ سے حرام کر دی گئی۔''(۱) اس حدیث کی تشریح میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اس حدیث میں یہ ثبوت موجود ہے کہ تمام اشیاء اصل میں مباح ہیں جب تک اس کے برخلاف (یعنی ان کی حرمت کے متعلق) شریعت کا کوئی حکم نہ آ جائے۔(۲)

(ائمہ اربعہ، جمہور) کاروباری معاملات میں اصل اباحت ہے۔(۳)

(ابن قیم رحمہ اللہ) ہر وہ شرط، عقد اور معاملہ جس کے متعلق شریعت خاموش ہے اسے حرام کہنا جائز نہیں۔(۴)

تجارت کے جواز کے دلائل

(1) ﴿وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ﴾ [البقرة: ۲۷۵] ''اللہ تعالیٰ نے خرید و فروخت کو حلال کیا ہے۔''

(2) ﴿وَأَشْهِدُوا إِذَا تَبَايَعْتُمْ﴾ [البقرة: ۲۸۲] ''جب ایک دوسرے سے خرید و فروخت کرو تو گواہ بنا لو۔''

(3) ﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ﴾ [البقرة: ۱۹۸] ''تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم (مواسم حج میں بذریعہ تجارت) اپنے رب کا فضل تلاش کرو۔''

(4) ﴿فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ﴾ [الجمعة: ۱۰] ''جب نماز مکمل کر دی جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور (بذریعہ تجارت) اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرو۔''

(5) رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ ﴿ أَيُّ الْكَسْبِ أَطْيَبُ ؟ ﴾ ''سب سے پاکیزہ کمائی کون سی ہے؟'' تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ ﴿ عَمَلُ الرَّجُلِ بِيَدِهِ وَكُلُّ بَيْعٍ مَبْرُورٍ ﴾ ''آدمی کا اپنے ہاتھ سے کام کرنا اور ہر بیع مبرور (یعنی وہ تجارت اور خرید و فروخت جو شرعاً درست ہو)۔''(۵)

تجارت کے ارکان

❶ صیغہ ۔ یعنی وہ الفاظ جن کے ذریعے سودا کیا جاتا ہے جیسے میں نے بیچا، میں نے خریدا وغیرہ۔ یہ الفاظ

---

(۱) [بخاری (۷۲۸۹) کتاب الاعتصام بالکتاب و السنة : باب ما یکره من کثرة السوال ، مسلم (۲۳۵۸)]

(۲) [فتح الباری (۲۶۹/۱۳)]

(۳) [جامع العلوم و الحکم (۱۶۶/۲)] (٤) [اعلام الموقعین (۳٤٤/۱)]

(۵) [صحیح : السلسلة الصحیحة (۶۰۷) هدایة الرواة (۲۷۱۵) مسند احمد (۱٤۱/٤)]

ایک ہی مجلس میں باہمی رضامندی سے ماضی کے صیغے سے ادا کیے جانے چاہییں۔

❷ عاقدین۔یعنی سودا کرنے والے'فروخت کنندہ اور خریدار'۔یہ دونوں عاقل و بالغ ہونے چاہییں۔

❸ ثمن و مثمن۔یعنی جس چیز کا سودا کیا جا رہا ہے اور اس کی قیمت۔فروخت ہونے والی چیز حلال، قبضے اور ملکیت میں ہونی چاہیے اور اس کی قیمت معلوم ہونی چاہیے مجہول نہیں۔

تجارت کی شروط

اہل علم نے تجارت کی پانچ شروط ذکر فرمائی ہیں، ملاحظہ فرمائیے:

❶ فریقین کی باہمی رضامندی:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ﴾[البقرة : ٢٩] ''اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقے سے نہ کھاؤ لین دین آپس کی رضامندی سے ہونا چاہیے۔''

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا﴿ لا يَحِلُّ مَالُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ إِلَّا بِطِيبَةٍ مِنْ نَفْسِهِ ﴾''کسی مسلمان آدمی کا مال اس کی دلی خوشی کے بغیر حلال نہیں ہوتا۔''(۱)

ایک دوسری روایت میں یہ لفظ ہیں کہ ﴿ إِنَّمَا الْبَيْعُ عَنْ تَرَاضٍ ﴾''صرف خرید و فروخت باہمی رضامندی سے ہی (جائز) ہے۔''(۲)

(شوکانی رحمہ اللہ) (بیع کے صحیح ہونے میں) صرف بائع اور مشتری کی رضامندی ضروری ہے خواہ یہ اشارے کے ذریعے ہی حاصل ہو جائے۔(۳)

معلوم ہوا کہ بیع کے انعقاد کے لیے فریقین کی باہمی رضامندی ضروری ہے۔لہٰذا اگر کسی کو مجبور کر کے کوئی چیز بکوائی جائے تو وہ خرید و فروخت درست نہیں ہوگی۔ یہاں یہ بھی یاد رہے کہ اگر فریقین کسی غیر شرعی لین دین پر راضی ہو جائیں تب محض فریقین کی رضامندی اس لین دین کے جواز کے لیے کافی نہیں ہوگی جیسے سودی لین باہمی رضامندی سے جائز نہیں ہوگا کیونکہ اس سے الگ طور پر منع کر دیا گیا ہے، اسی طرح زنا کاری کے ذریعے ہونے والی کمائی بھی محض باہمی رضامندی کی وجہ سے حلال نہیں ہوگی کیونکہ اس سے بھی منع کیا گیا ہے وغیرہ وغیرہ۔

❷ خرید و فروخت کرنے والا عاقل و بالغ یعنی مکلّف و خود مختار ہو:

---

(۱) [حسن : إرواء الغليل (٢٨١/٥) بيهقى (٩٧/٦)]

(۲) [صحيح : إرواء الغليل (١٢٨٣) ابن ماجة (٢١٨٥)]

(۳) [الدرر البهية : كتاب البيوع : باب انواع البيوع المحرمة]

کیونکہ جب تک وہ سنِ تکلیف کو نہیں پہنچتا اس کا مال میں تصرف درست نہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿فَإِنْ آنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ﴾ [النساء : ٦] ''اگر تم ان میں ہوشیاری اور حسنِ تدبیر پاؤ تو ان کے مال انہیں سونپ دو۔'' ایک دوسرا ارشاد یوں ہے کہ ﴿وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمْ﴾ [النساء : ٥] ''کم عقل لوگوں کو اپنے مال نہ دو۔'' امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ کم عقل لوگوں کو ان کے مال کے خرچ سے روک دینا چاہیے مثلاً نابالغ بچہ، مجنون و دیوانہ، کم عقل، بے وقوف وغیرہ۔(۱)

خود مختار ہونا اس لیے ضروری ہے کیونکہ صحتِ تجارت کے لیے رضامندی اور قلبی خوشی کی شرط لگائی گئی ہے جیسا کہ ابھی پیچھے دلائل ذکر کیے گئے ہیں۔

❸ جس چیز کی خرید و فروخت ہو رہی ہے اس کا نفع مباح ہو:

یعنی اُن اشیاء میں سے نہ ہو جن کا نفع حاصل کرنا شریعت نے حرام قرار دیا ہے جیسے آلاتِ لہو و لعب، مردار اور شراب وغیرہ۔ چنانچہ فرمانِ نبوی ہے کہ ﴿إِنَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ حَرَّمَ بَيْعَ الْخَمْرِ وَالْمَيْتَةِ وَالْخِنْزِيرِ وَالْأَصْنَامِ﴾ ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے شراب، مردار، خنزیر اور بتوں کی بیع کو حرام قرار دیا ہے۔''(۲)

❹ فروخت کرنے والا چیز کا مالک ہو یا اسے وہ چیز فروخت کرنے کی اجازت دی گئی ہو:

چنانچہ فرمانِ نبوی ہے کہ ﴿لَا تَبِعْ مَا لَيْسَ عِنْدَكَ﴾ ''جو چیز تمہارے پاس موجود نہیں اسے فروخت نہ کرو۔''(۳) یعنی وہی چیز فروخت کرو جو تمہاری ملکیت میں ہے۔ علاوہ ازیں وہ شخص بھی خرید و فروخت کر سکتا ہے جسے مالک نے اپنا نائب بنایا ہو اور اسے اپنی طرف سے خرید و فروخت کی اجازت دی ہو جیسا کہ شریعت میں وکیل بنانے کا مسئلہ ثابت ہے۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عروہ بن ابوجعد بارقی رضی اللہ عنہ کو قربانی کا جانور یا بکری خریدنے کے لئے ایک دینار عطا فرمایا۔ انہوں نے ایک دینار کے عوض دو بکریاں خریدیں۔ پھر ان دو میں سے ایک کو ایک دینار کے عوض فروخت کر دیا اور ایک بکری اور ایک دینار لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے ان کے لئے تجارت میں برکت کی دعا فرمائی۔ اس کے بعد وہ مٹی بھی خرید لیتے تو اس میں بھی انہیں ضرور منافع حاصل ہوتا۔(٤)

---

(۱) [تفسیر ابن کثیر (۷۱/۲)]

(۲) [بخاری (۲۲۳٦) کتاب البیوع : باب بیع المیتة والأصنام، مسلم (۱٥۸۱) ابو داود (۳٤۸٦)]

(۳) [صحیح : إرواء الغلیل (۱۲۹۲) ابو داود (۳٥۰۳) کتاب البیوع : باب فی الرجل یبیع ما لیس عنده، ترمذی (۱۲۳۲) نسائی (۲۸۹/۷) ابن ماجة (۲۱۸۷) أحمد (٤۰۲/۳) بیهقی (۳۱۷/٥)]

(٤) [بخاری (۳٦٤۲) کتاب علامات النبوة، ابو داود (۳۳۸٤) ترمذی (۱۲٥۸) ابن ماجه (۲٤۰۲)]

⇦ یہاں یہ یاد رہے کہ اگر مالک کی اجازت کے بغیر کوئی چیز فروخت کر دی جائے تو ایسی بیع کو ''بیع فضولی'' کہا جاتا ہے۔اس کے متعلق اہل علم کا کہنا ہے کہ یہ مالک کی اجازت پر موقوف ہے، اگر وہ علم ہونے کے بعد اسے قائم رکھے تو بیع درست ہوگی ورنہ نہیں۔

5 قابل فروخت چیز اور قیمت بائع اور مشتری کو معلوم ہو مجہول نہ ہو:

کیونکہ اگر ان میں سے کوئی چیز معلوم نہیں ہوگی تو دھوکے کا امکان ہے اور دھوکے کی بیع سے نبی ﷺ نے منع فرمایا ہے، چنانچہ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں ﴿ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ نَھٰی عَنْ بَیْعِ الْغَرَرِ ﴾۔(۱)



سودے بازی کے چند مسائل

سودے کی قیمت چیز کا مالک بتائے گا

امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ عنوان قائم کیا ہے کہ ((بَابُ صَاحِبُ السِّلْعَةِ اَحَقُّ بِالسَّوْمِ))''باب اس بیان میں کہ سامان کے مالک کو قیمت کہنے کا زیادہ حق ہے۔'' پھر یہ حدیث نقل فرمائی ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ذکر کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا﴿ یَا بَنِی النَّجَّارِ ثَامِنُوْنِیْ بِحَائِطِکُمْ ﴾ ''اے بنونجار! اپنے باغ کی قیمت مقرر کر کے مجھے بتاؤ۔''(۲) اس سے معلوم ہوا کہ سودے کی قیمت پہلے وہی بتائے گا جس کا سودا ہے، پھر خریدار جو چاہے کہے۔

فروخت کنندہ کے لیے جھوٹ بولنا یا جھوٹی قسمیں کھانا حرام ہے

(1) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''(جھوٹی) قسم کے ذریعے سودا تو بک جاتا ہے لیکن برکت ختم ہو جاتی ہے۔''(۳)

(2) فرمانِ نبوی ہے کہ ﴿ ثَلَاثَةٌ لَا یُکَلِّمُهُمُ اللّٰهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَلَا یَنْظُرُ إِلَیْهِمْ وَلَا یُزَکِّیْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ...... وَالْمُنَفِّقُ سِلْعَتَهُ بِالْحَلِفِ الْکَاذِبِ ﴾ ''تین آدمی ایسے ہیں روز قیامت نہ تو اللہ تعالیٰ ان سے کلام کریں گے' نہ ان کی طرف نظر رحمت فرمائیں گے اور نہ ہی ان کا تزکیہ کریں گے بلکہ ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔ان میں سے ایک شخص وہ ہوگا جو جھوٹی قسم کے ذریعے سودا فروخت کرتا ہے۔''(٤)

---

(۱) [مسلم (۱۵۱۳) کتاب البیوع : باب بطلان بیع الحصاة' ابو داود (۳۳۷٦) ترمذی (۱۲۳۰)]

(۲) [بخاری (۲۱۰٦) کتاب البیوع]

(۳) [بخاری (۲۰۸۷) کتاب البیوع : باب یمحق اللہ الربو ویربی الصدقات]

(٤) [مسلم (۱۰٤) کتاب الإیمان : باب بیان غلظ تحریم إسبال الإزار والمن بالعطیة]

(3) حضرت عبد الرحمٰن شبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ﴿ إِنَّ التُّجَّارَ هُمُ الْفُجَّارُ ' قَالُوْا : يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ! اَلَيْسَ قَدْ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ ؟ قَالَ : بَلٰى ' وَلٰكِنَّهُمْ يَحْلِفُوْنَ فَيَأْثَمُوْنَ وَيُحَدِّثُوْنَ فَيَكْذِبُوْنَ ﴾ ''بے شک تاجر گنہگار لوگ ہیں۔لوگوں نے کہا اے اللہ کے رسول! کیا اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال نہیں کیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کیوں نہیں لیکن یہ لوگ قسمیں کھاتے ہیں اور گنہگار ہوتے ہیں اور بات کرتے ہیں تو جھوٹ بولتے ہیں۔''(۱)

(4) حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ﴿ اَنَّ رَجُلًا اَقَامَ سِلْعَةً وَهُوَ فِي السُّوْقِ ' فَحَلَفَ بِاللّٰهِ لَقَدْ اُعْطِيَ بِهَا مَا لَمْ يُعْطَ لِيُوْقِعَ فِيْهَا رَجُلًا مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ' فَنَزَلَتْ : ((إِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ...)) [آل عمران : ۷۷]﴾ ''بازار میں ایک شخص نے ایک سامان دکھا کر قسم کھائی کہ اس کی اتنی قیمت لگ چکی ہے۔حالانکہ اس کی اتنی قیمت نہیں لگی تھی۔اس قسم سے اس کا مقصد ایک مسلمان کو دھوکہ دینا تھا۔اس پر یہ آیت اتری ''جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کو تھوڑی قیمت کے بدلہ میں بیچتے ہیں ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔''(۲)

فریقین کو صاف گوئی سے کام لینا چاہیے

فرمانِ نبوی ہے کہ ﴿ اَلْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا فَاِنْ صَدَقَا وَ بَيَّنَا بُوْرِكَ لَهُمَا فِيْ بَيْعِهِمَا وَ اِنْ كَذِبَا وَ كَتَمَا فَمُحِقَتْ بَرَكَةُ بَيْعِهِمَا ﴾ ''فروخت کنندہ اور خریدار دونوں کو جدا ہونے تک سودا فسخ کرنے کا اختیار ہے۔اگر دونوں صاف گوئی سے کام لیں اور مال کا عیب واضح کر دیں تو ان کے سودے میں برکت دی جاتی ہے اور اگر جھوٹ بولیں یا عیب چھپائیں تو ان کے سودے کی برکت مٹا دی جاتی ہے۔''(۳)

اس حکم کے برعکس آج کل صاف گوئی والا معاملہ خال خال ہی دکھائی دیتا ہے اور جھوٹی و بناوٹی باتوں کا ہی عام رواج ہے۔بائع اور مشتری کے علاوہ ایسا کام سرانجام دینے کے لیے دلال یا کمیشن ایجنٹ بھی اہم کردار ادا کرتا ہے جو بظاہر کچھ کہہ رہا ہوتا ہے مگر درپردہ کبھی فروخت کنندہ سے اور کبھی خریدار سے کچھ اور طے کر چکا ہوتا ہے۔یہاں یہ واضح رہے کہ خفیہ طور پر جھوٹ بول کر یا دھوکہ دے کر جو بھی زائد رقم وصول کی جاتی ہے وہ حرام ہے۔

خرید و فروخت کے وقت ماپ تول ضرور کرنا چاہیے

---

(۱) [صحيح : صحيح الترغيب (۱۷۸٦) كتاب البيوع : باب ترغيب التجار في الصدق' احمد (٤٢٨/٤_٤٤٤) حاكم (٦/٢)]

(۲) [بخاري (۲۰۸۸) كتاب البيوع: باب ما يكره من الحلف في البيع]

(۳) [بخاري (۲۱۱۰) كتاب البيوع : باب البيعان بالخيار ما لم يتفرقا]

(1) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿ نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ بَيْعِ الطَّعَامِ حَتَّى يَجْرِيَ فِيهِ الصَّاعَانِ ، صَاعُ الْبَائِعِ وَصَاعُ الْمُشْتَرِيْ ﴾ ”رسول اللہ ﷺ نے غلے کی بیع سے منع فرمایا ہے حتی کہ اس میں دو صاع جاری ہو جائیں (ایک) بائع کا صاع (اور دوسرا) مشتری کا صاع۔“(۱)

(2) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں یہ لفظ ہیں ﴿ إِذَا ابْتَعْتَ فَاكْتَلْ وَإِذَا بِعْتَ فَكِلْ ﴾ ”جب تم خریدو تو ماپ کر لو اور جب بیچو تو ماپ کر دو۔“(۲)

(جمہور، شوکانی رحمہ اللہ) جو شخص ماپ کر کوئی چیز خریدے اور اسے قبضہ میں لینے کے بعد فروخت کرے تو پہلے کیے ہوئے وزن کے ساتھ اسے خریدار کے حوالے کر دینا جائز نہیں حتی کہ دوسری مرتبہ (فروخت کرتے وقت) اس کا وزن کیا جائے (یا اسے ماپ لیا جائے)۔(۳)

ماپ تول کی مزدوری فروخت کنندہ پر ہے

درج بالا حدیث کے ان الفاظ ﴿ وَإِذَا بِعْتَ فَكِلْ ﴾ ”اور جب تم بیچو تو ماپ کر دو“ سے معلوم ہوتا ہے کہ ماپ تول کی ذمہ داری فروخت کنندہ پر ہے خریدار پر نہیں لہٰذا ماپ تول کی مزدوری خریدار پر ڈالنا جائز ہے۔

ماپ تول میں کمی کرنا حرام ہے

اس کے دلائل سابقہ باب میں ملاحظہ فرمائیے۔

بغیر گواہوں کے سودا کیا جا سکتا ہے

جیسا کہ حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے ایک دیہاتی سے گھوڑے کا سودا کیا اور کسی کو گواہ مقرر نہ کیا پھر تنازعہ ہو گیا تو خزیمہ رضی اللہ عنہ نے شہادت دی اور آپ نے ان کی شہادت کو دو آدمیوں کی شہادت کے برابر قرار دیا۔“(٤)

سودا کرتے وقت کوئی شرط عائد کرنا درست ہے

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ اپنے ایک اونٹ پر سفر کر رہے تھے جو تھک چکا تھا تو نبی ﷺ نے اسے مارا اور اس کے لئے دعا کی، وہ اس طرح تیز چلنے لگا کہ اس سے پہلے ایسی تیز رفتاری سے نہیں چلتا تھا۔ پھر

---

(۱) [حسن : صحيح ابن ماجة (۱۸۱۲) كتاب التجارات : باب النهى عن بيع الطعام قبل ما لم يقبض، ابن ماجة (۲۲۲۸) دارقطنی (۸/۳) بیهقی (۳۱٦/٥)]

(۲) [صحيح : إرواء الغليل (۱۷۹/٥) بخاری تعليقا (۷٥/٥) أحمد (٦۲/۱) فتح البارى (۷٦/٥)]

(۳) [نيل الأوطار (٥۳۳/۳)]

(٤) [صحيح : صحيح ابو داود (۳۰۷۳) كتاب القضاء : باب إذا علم الحاكم صدق شهادة الواحد يجوز له أن يقضى به، ابو داود (۳٦۰۷) أحمد (۲۱٥/٥)]

آپ ﷺ نے فرمایا، مجھے یہ اونٹ ایک اوقیہ چاندی کے عوض بیچ دو۔ میں نے عرض کیا، نہیں۔ آپ ﷺ نے دوبارہ یہی فرمایا﴿ فَبِعْتُهُ فَاسْتَثْنَيْتُ حِمْلَانَهُ إِلَى أَهْلِي ﴾ "چنانچہ میں نے وہ اونٹ آپ ﷺ کو اس شرط پر فروخت کر دیا کہ اپنے اہلِ خانہ تک اس پر سوار ہو کر جاؤں گا۔" جب ہم مدینہ پہنچے تو میں آپ کے پاس اونٹ لے آیا اور آپ نے اس کی نقد قیمت مجھے ادا کر دی۔(۱)

دھوکہ نہ دینے کی شرط لگا کر سودا کیا جا سکتا ہے

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک شخص نے ذکر کیا کہ اسے بیع میں عام طور پر دھوکہ دیا جاتا ہے تو آپ نے فرمایا﴿ إِذَا بَايَعْتَ فَقُلْ : لَاخِلَابَةَ ﴾ "سودا کرتے وقت کہہ دیا کرو کہ کوئی فریب و دھوکہ نہیں ہوگا۔"(۲) ایسی شرط لگانے کا فائدہ یہ ہوگا کہ اگر بعد میں کوئی دھوکہ ہوا تو مالک وہ چیز واپس لینے کا ذمہ دار ہوگا۔

سودے میں سے کوئی مجہول چیز مستثنیٰ کر لینا درست نہیں

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنِ الثُّنْيَا اِلَّا اَنْ تُعْلَمَ ﴾ "نبی ﷺ نے ایک آدھ چیز مستثنیٰ کر لینے سے منع فرمایا ہے سوائے اس کے کہ اس کی مقدار مقرر کر لی جائے۔"(۳)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ رقمطراز ہیں کہ سودے میں استثناء کی صورت یہ ہے کہ آدمی کوئی چیز فروخت کرے اور اس کا کچھ حصہ مستثنیٰ کر لے۔ اگر تو مستثنیٰ (علیحدہ کی ہوئی چیز) معلوم ہو مثلاً درختوں میں سے ایک درخت، مختلف منازل میں سے ایک منزل اور زمین کی مختلف جگہوں میں سے کوئی ایک جگہ تو بالاتفاق (یہ سودا) صحیح ہے اور اگر (مستثنیٰ) مجہول ہو مثلاً آدمی کسی نامعلوم چیز کو مستثنیٰ کر دے (مثلاً وہ کہے کہ میں نے یہ ڈھیر فروخت کر دیا لیکن اس کا بعض حصہ فروخت نہیں کیا) تو سودا صحیح نہیں ہوگا۔ اور مجہول استثناء کے سودے سے ممانعت میں حکمت یہ ہے کہ یہ سودا جہالت کی وجہ سے دھوکے پر مشتمل ہے۔(٤) امام نوویؒ سے بھی اسی معنی میں قول مروی ہے۔(٥)

معلوم ہوا کہ مجہول استثناء والا سودا درست نہیں۔ البتہ اگر استثناء کی ہوئی چیز کی وضاحت ہو جائے جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کو اپنا اونٹ فروخت کرتے وقت مدینہ تک اس پر سوار ہو کے جانے کا (معلوم)

---

(۱) [بخاری (٢٤٠٦) كتاب في الاستقراض : باب الشفاعة في وضع الدين ' مسلم (٧١٥) ابو داود (٣٥٠٥) نسائی (٤٦٣٧) أحمد (٢٩٩/٣)]

(۲) [بخاری (٢١١٧ ' ٢٤٠٧) كتاب البيوع : باب ما يكره من الخداع في البيع ' مسلم (١٥٣٣) أحمد (٤٤/٢) ابو داود (٣٥٠٠) نسائی (٢٥٢/٧)]

(۳) [**صحیح** : صحيح نسائی ، نسائی (٣٨٨٠) ارواء الغليل (١٣٥٤)]

(٤) [فتح الباری (٣٥٤/٥)] (٥) [شرح مسلم (١٩٥/١٠)]

استثناء کیا تھا[1]، تو پھر ایسے سودے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

اَن دیکھی چیز کا سودا

صحیح بخاری میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ﴿ بِعْتُ مِنْ اَمِيرِ الْمُؤْمِنِيْنَ عُثْمَانَ مَالًا بِالْوَادِي بِمَالٍ لَهُ بِخَيْبَرَ ... ﴾ ''میں نے امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنی وادی قریٰ کی زمین، ان کی خیبر کی زمین کے بدلہ میں بیچی تھی۔ پھر جب ہم نے بیع کر لی تو میں الٹے پاؤں ان کے گھر سے اس خیال سے باہر نکل گیا کہ کہیں وہ بیع فسخ نہ کر دیں۔''[2]

اَن دیکھی چیز کا سودا کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ بیچنے والا چیز کے مکمل اوصاف بیان کر دے۔ پھر اگر چیز اس کے بیان کردہ اوصاف کے مطابق ہو تو سودا لازم ہو جائے گا اور اگر نہ ہو تو خریدار کو سودا قائم رکھنے یا رد کرنے کا اختیار ہو گا۔ علاوہ ازیں بعض چیزوں کو دیکھنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہوتا ہے جیسے گھر خریدتے وقت اس کی بنیادیں دیکھنا یا یہ دیکھنا کہ اس میں سیمنٹ کیسا لگایا گیا ہے۔ اسی طرح بعض اشیائے خورد و نوش اور اَدویات وغیرہ ڈبوں یا پلاسٹک کے پیکٹوں میں بند ہوتی ہیں۔ ان اور ان جیسی دیگر اشیاء کی خرید و فروخت بغیر دیکھے بھی درست ہے، البتہ وہ شرط یہاں بھی لاگو ہو گی کہ اگر کھولنے کے بعد کوئی چیز خراب نکل آئی تو بیچنے والا اسے واپس لینے کا ذمہ دار ہو گا۔

سودے کی قیمت ادا کر کے سودا نہ لینا بھی درست ہے

جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اونٹ خریدا اور اس کی قیمت ادا کر دی۔ پھر فرمایا کہ ﴿ فَخُذْ جَمَلَكَ ذَلِكَ فَهُوَ مَالُكَ ﴾ ''اپنا اونٹ لے لو اور رقم بھی اپنے پاس رکھو، یہ سب تمہارا مال ہے۔''[3]

سودا ہو رہا ہو تو تیسرا آدمی دخل اندازی مت کرے

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿ لَا يَبِعْ اَحَدُكُمْ عَلَى بَيْعِ اَخِيهِ ﴾ ''تم میں سے کوئی بھی اپنے بھائی کے سودے پر سودا نہ کرے۔''[4]

سودا مکمل ہونے کے بعد ایک فریق کا انکار اور دوسرے کا گواہ پیش کرنا

جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دیہاتی سے گھوڑا خریدا اور اسے قیمت

---

(۱) [بخاری (۲۴۰۶) کتاب فی الاستقراض : باب الشفاعة فی وضع الدین، مسلم (۷۱۵)]

(۲) [بخاری (۲۱۱۶) کتاب البیوع : باب اذا اشتری شیئا فوهب من ساعته]

(۳) [بخاری (۲۴۰۶) کتاب فی الاستقراض : باب الشفاعة فی وضع الدین، مسلم (۷۱۵)]

(۴) [بخاری (۵۱۴۲) مسلم (۱۴۱۲) ابو داود (۲۰۸۱) ترمذی (۱۲۹۲) ابن ماجة (۱۸۶۸)]

ادا کرنے کے لیے اپنے ساتھ لے کر چلے۔ سودے کے وقت کوئی گواہ موجود نہ تھا۔ راستے میں کچھ لوگوں نے اس گھوڑے کی سودے بازی شروع کر دی کیونکہ انہیں علم نہیں تھا کہ رسول اللہ ﷺ اسے خرید چکے ہیں۔ اور خود دیہاتی بھی نہیں جانتا تھا کہ خریدار محمد ﷺ ہیں۔ چنانچہ وہ ان لوگوں کی باتوں میں آ گیا اور آپ سے کہنے لگا کہ ابھی قیمت ادا کرو ورنہ میں کسی اور کو بیچ دیتا ہوں۔ آپ ﷺ نے جب دیہاتی کی یہ بات سنی تو وہیں کھڑے ہو گئے اور اس سے کہا کہ کیا میں نے اسے تجھ سے خرید نہیں لیا۔ اس نے کہا اللہ کی قسم! میں نے یہ گھوڑا تجھے فروخت نہیں کیا۔ آپ ﷺ نے کہا کیوں نہیں میں تو اسے تم سے خرید چکا ہوں۔ تو دیہاتی نے کہنا شروع کر دیا کہ ﴿ هَلُمَّ شَهِيدًا ﴾ ''اچھا خریدا ہے تو کوئی گواہ لاؤ۔'' یہ سن کر حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ اٹھے اور گواہی دی کہ دیہاتی یہ گھوڑا بیچ چکا ہے (اور یوں نبی ﷺ کے حق میں فیصلہ ہو گیا)۔ بعد میں رسول اللہ ﷺ نے خزیمہ سے پوچھا تم تو بیع کے وقت موجود نہ تھے پھر تم نے یہ گواہی کیسے دی؟ انہوں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول! آپ کی تصدیق کی وجہ سے (یعنی ہم تو پہلے ہی بہت سی اشیاء کی تصدیق کر چکے ہیں جو ہم نے نہیں دیکھیں)۔ تب آپ ﷺ نے خزیمہ رضی اللہ عنہ کی گواہی کو دو گواہوں کے برابر قرار دے دیا (اور یہ ان کی خصوصیت تھی)۔[1]

گواہ نہ ہو تو فروخت کنندہ کی بات اس کی قسم کے ساتھ قابل ترجیح ہو گی

(1) فرمانِ نبوی ہے کہ ﴿ إِذَا اخْتَلَفَ الْبَيِّعَانِ وَلَيْسَ بَيْنَهُمَا بَيِّنَةٌ فَهُوَ مَا يَقُولُ رَبُّ السِّلْعَةِ أَوْ يَتَتَارَكَانِ ﴾ ''جب بائع اور مشتری کے درمیان اختلاف ہو جائے اور ان کے درمیان کوئی شہادت یا ثبوت نہ ہو تو مال کے مالک کی بات معتبر سمجھی جائے گی یا پھر وہ سودا چھوڑ دیں۔''[2]

(2) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿ إِذَا اخْتَلَفَ الْبَيِّعَانِ فَالْقَوْلُ قَوْلُ الْبَائِعِ وَالْمُبْتَاعُ بِالْخِيَارِ ﴾ ''جب بائع اور مشتری کے درمیان اختلاف ہو جائے تو بائع کی بات معتبر سمجھی جائے گی اور مشتری کو اختیار ہو گا (خواہ سودا کرے یا چھوڑ دے)۔''[3]

(3) ایک روایت میں ہے کہ ابو عبیدہ فرماتے ہیں ان کے پاس دو آدمی آئے جنہوں نے ایک دوسرے سے کسی سودے کی بیع کی تھی۔ ایک نے کہا میں نے اس قیمت سے خریدا ہے اور دوسرے نے کہا کہ میں نے اس قیمت سے

---

(۱) [صحيح : صحيح ابو داود (۳۰۷۳) كتاب القضاء : باب إذا علم الحاكم صدق شهادة الواحد يجوز له أن يقضي به، ابو داود (۳۶۰۷) أحمد (۲۱۵/۵)]

(۲) [صحيح : صحيح ابو داود (۲۹۹۷) صحيح ابن ماجة (۱۷۷۹) ابو داود (۳۵۱۱) كتاب البيوع : باب إذا اختلف البيعان والمبيع قائم، ابن ماجة (۲۱۸۶) الصحيحة (۷۹۸) إرواء الغليل (۱۳۲۲، ۱۳۲۳)]

(۳) [صحيح : الارواء (۱۳۲۲-۱۳۲۴) ترمذی (۱۲۷۰) مسند احمد (۴۶۶/۱)]

فروخت کیا ہے۔ تو ابوعبیدہ نے کہا حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس بھی ایسا معاملہ لایا گیا تھا ﴿ فَأَمَرَ بِالْبَائِعِ أَنْ يُسْتَحْلَفَ ثُمَّ يُخَيَّرُ الْمُبْتَاعُ إِنْ شَاءَ أَخَذَ وَ إِنْ شَاءَ تَرَكَ ﴾ ''انہوں نے بائع کے متعلق حکم دیا کہ اس سے قسم لی جائے پھر خریدار کو اختیار دیا جائے کہ چاہے تو (سودا) قائم رکھے اور چاہے تو چھوڑ دے۔''(۱)

معلوم ہوا کہ جب بھی دو باہم سودا کرنے والے آپس میں اختلاف کریں تو فروخت کنندہ کی بات معتبر تو سمجھی جائے گی لیکن اسے اپنی بات کی تائید میں قسم بھی اٹھانی پڑے گی جیسا کہ ابوعبیدہ رحمہ اللہ کی حدیث میں ہے۔

سودا مکمل ہونے کے بعد سودا واپس کر لینا باعثِ ثواب ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿ مَنْ أَقَالَ مُسْلِمًا بَيْعَتَهُ أَقَالَ اللَّهُ عَثْرَتَهُ ﴾ ''جو کسی مسلمان کا سودا واپس کرے اللہ تعالیٰ اس کی لغزشیں معاف فرمائے گا۔''(۲)

سودا واپس کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ جب کوئی شخص کچھ خریدنے کے بعد اس کی ضرورت محسوس نہ کرے اور اسے واپس کرنا چاہے تو بائع وہ چیز واپس لے کر قیمت خریدار کو واپس کر دے۔ چونکہ یہ بائع کا (عقد مکمل ہونے کے بعد) خریدار پر احسان ہے اس لیے اس احسان کے بدلے میں اس کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعائے مغفرت فرمائی ہے۔ یہاں یہ یاد رہے کہ چیز واپس لیتے ہوئے قیمت کم دینا یا خریدار کی دی ہوئی چیز کی جنس کے بدلے کسی اور کم تر جنس کی چیز واپس دینا جائز نہیں۔

کسی آفت کی بنا پر ہونے والے نقصان کو معاف کر دینا چاہیے

فرمانِ نبوی ہے کہ ''اگر تم اپنے بھائی کو پھل فروخت کرو اور اسے کوئی آفت (سیلاب یا طوفان وغیرہ) آن پہنچے تو تمہارے لیے اس سے کچھ بھی (قیمت) لینا جائز نہیں۔ (بالآخر) کس وجہ سے تم ناحق اپنے بھائی کا مال لے سکتے ہو؟''(۳) معلوم ہوا کہ اگر سودا ہونے کے بعد کسی ناگہانی آفت یا حادثے کی وجہ سے خریدی ہوئی چیز ہلاک ہو جائے تو خریدار سے کوئی قیمت وصول نہیں کرنی چاہیے۔

فسخ بیع (سودا توڑنے) کا اختیار

سودے کے بعد جب تک فریقین جدا نہ ہوں انہیں سودا فسخ کرنے کا اختیار ہے

---

(۱) [حسن : مسند احمد (۱/۴۶٦)] شیخ شعیب ارناؤوط فرماتے ہیں کہ یہ روایت اپنی تمام اسناد کے ساتھ حسن درجہ کی ہے۔[الموسوعة الحديثية (۴۴۴۲)]

(۲) [صحيح : صحيح ابو داود' ابو داود (۳۴٦۰) كتاب الإجارة : باب في فضل الإقالة' ابن ماجه (۲۱۹۹)]

(۳) [مسلم (۱۵۵۴) كتاب المساقاة : باب وضع الجوائح' دارمي (۲/۲۵۲) ابو داود (۳۴۷۰)]

(1) حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا﴿ اَلْبَیِّعَانِ بِالْخِیَارِ مَا لَمْ یَتَفَرَّقَا ﴾ ''بائع اور مشتری کو (سودا فسخ کرنے کا) اختیار ہے جب تک وہ جدا نہ ہوں۔''(۱)

اگر بیع خیار ہو تو مقررہ مدت تک فسخ بیع کا اختیار باقی رہے گا

(1) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا﴿ اَلْمُتَبَایِعَانِ کُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا بِالْخِیَارِ عَلَی صَاحِبِهِ مَا لَمْ یَتَفَرَّقَا إِلَّا بَیْعَ الْخِیَارِ ﴾ ''دو خرید و فروخت کرنے والوں میں سے ہر ایک کو سودا فسخ کرنے کا اختیار ہے جب تک کہ وہ جدا نہ ہو جائیں سوائے اس کے کہ سودا اختیار والا ہو۔''(۲)

(2) فرمانِ نبوی ہے کہ﴿ اَلْبَائِعُ وَالْمُبْتَاعُ بِالْخِیَارِ حَتَّی یَتَفَرَّقَا إِلَّا اَنْ تَکُوْنَ صَفْقَةُ خِیَارٍ وَلَا یَحِلُّ لَهُ اَنْ یُّفَارِقَهُ خَشْیَةَ اَنْ یَّسْتَقِیْلَهُ ﴾ ''خریدار اور فروخت کرنے والے کو اختیار حاصل ہے جب تک کہ ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں سوائے اس کے کہ سودا اختیار والا ہو اور سودا واپس کر دینے کے اندیشے کی وجہ سے جلدی سے الگ ہو جانا جائز نہیں۔''(۳)

بیع خیار سے مراد یہ ہے کہ فروخت کنندہ نے خریدار کو خود کچھ دنوں کا اختیار دیا ہو کہ تم یہ چیز استعمال کر کے دیکھ لو اگر پسند آئے تو ٹھیک ورنہ واپس کر دینا یا خریدار نے اختیار کی شرط لگائی ہو کہ میں کچھ دن یہ چیز چیک کرنا چاہتا ہوں وغیرہ۔ ایسی صورت میں جدائی کے بعد بھی اختیار باقی رہے گا جب تک مقررہ مدت پوری نہ ہو جائے۔

دھوکے سے عیب دار چیز خریدنے پر خریدار کو فسخ بیع کا اختیار ہے

(1) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ایک آدمی نے غلام خرید کر اس سے مزدوری کروائی پھر اس نے اس میں کوئی عیب دیکھا﴿ فَرَدَّهُ بِالْعَیْبِ ﴾ ''تو عیب کی وجہ سے اسے واپس لوٹا دیا۔''(٤)

(2) حضرت عداء بن خالد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بیع نامہ لکھ دیا تھا کہ یہ وہ کاغذ ہے جس میں محمد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا عداء بن خالد سے خریدنے کا بیان ہے۔ یہ بیع مسلمان کی مسلمان کے ہاتھ ہے نہ اس میں کوئی عیب ہے نہ کوئی فریب' نہ فسق و فجور اور نہ کوئی بد باطنی۔(٥)

---

(۱) [بخاری (۲۰۷۹) کتاب البیوع : باب إذا بین البیعان ولم یکتما ونصحا' مسلم (۱۵۳۳)]

(۲) [بخاری (۲۱۰۷) کتاب البیوع : باب کم یجوز الخیار' مسلم (۱۵۳۱) مؤطا (۶۷۱/۲) ابو داود (۳٤٥٤) ترمذی (۱۲٤٥) شرح معانی الآثار (۱۲/٤)]

(۳) [**حسن** : إرواء الغلیل (۱۳۱۱) ابو داود (۳٤٥٦) ترمذی (۱۲٤۷) نسائی (٤٤٨۳) أحمد (۱۸۳/۲)]

(٤) [**حسن** : مسند احمد (۸۰/٦)] شیخ شعیب ارناؤوط اسے حسن کہتے ہیں۔[الموسوعة الحدیثیة (۲٤٥۱٤)]

(٥) [بخاری تعلیقا (قبل الحدیث /۲۰۷۹) کتاب البیوع : باب إذا بین البیعان ولم یکتما ونصحا' ترمذی (۱۲۱٦) ابن ماجة (۲۲٥۱)]

(3) فرمانِ نبوی ہے کہ ﴿ مَنْ غَشَّنَا فَلَیْسَ مِنَّا ﴾ ''جس نے ہم سے دھوکہ کیا وہ ہم میں سے نہیں۔''[1]
یہ اور اس طرح کے متعدد دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ کوئی بھی معیوب چیز بغیر عیب بیان کیے فروخت کرنا ناجائز ہے۔اس سے خریدار کے لیے سودا فسخ کرنے کا اختیار ثابت ہو جاتا ہے،اسی طرح دھوکے کی کوئی دوسری صورت بھی اس کے لیے اختیار ثابت کر دیتی ہے۔البتہ اگر خریدار اسی پر راضی ہو جائے تو بیع درست ہو گی کیونکہ صحتِ بیع کے لیے دونوں کی رضامندی ہی کافی ہے تاہم بائع غیر شرعی بیع کی وجہ سے گناہگار ضرور ہو گا۔

بازار پہنچنے سے پہلے سامان فروخت کرنے والے کو اختیار ہے

(1) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿ لَا تَلَقَّوُا الْجَلَبَ فَمَنْ تُلُقِّیَ فَاشْتُرِیَ مِنْهُ فَإِذَا أَتَی سَیِّدُهُ السُّوقَ فَهُوَ بِالْخِیَارِ ﴾ ''باہر سے شہر میں غلہ لانے والوں کو آگے جا کر نہ ملو۔ جس کسی سے راستے ہی میں ملاقات کر کے اس کا سامان خرید لیا گیا تو منڈی میں پہنچنے کے بعد مال کے مالک کو اختیار ہے (چاہے سودا باقی رکھے اور چاہے تو منسوخ کر دے)۔''[2] اس حدیث کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ اگرچہ ملنے والا بازار کی قیمت کے مطابق ہی خریدے تب بھی اختیار ثابت ہو جائے گا۔

فسخ بیع کی صورت میں خریدار پر کسی اضافی چیز کی ادائیگی لازم نہیں

(1) فرمانِ نبوی ہے کہ ﴿ اَلْخَرَاجُ بِالضَّمَانِ ﴾ ''خراج (ایسے فوائد ومنافع جو فروخت شدہ چیز سے حاصل ہوتے ہیں) اُس کفالت وذمہ داری کے عوض ہیں (جو خریدار پر لازم ہیں)۔''[3]
اس کا مطلب یہ ہے کہ جب کسی نے کوئی زمین خریدی اور اسے استعمال کیا یا جانور خریدا اور اس نے بچے کو جنم دیا یا جانور خریدا اور اس پر سوار ہوا یا غلام خریدا اس سے خدمت لی پھر اس میں کوئی نقص وعیب پایا تو اس کے لیے اس غلام کو واپس کرنے کی گنجائش ہے اور جتنا فائدہ اس سے حاصل کیا ہے اس کے عوض اس پر کوئی چیز نہیں۔اس لیے کہ اگر یہ چیز فسخ اور عقد کی مدت کے درمیان تلف ہو جاتی تو اس کی ذمہ داری خریدار پر ہی ہوتی تو پھر اس کی آمدن ومنافع کا بھی وہی حق دار ہے۔

(2) ایک روایت میں ہے کہ ایک آدمی نے غلام خرید کر اس سے مزدوری کروائی پھر اس نے کسی عیب کی وجہ سے

---

(۱) [مسلم (۱۰۲) کتاب الإیمان : باب قول النبی من غشنا فلیس منا' ابو داود (۳۴۵۲) ترمذی (۱۳۱۵) ابن ماجة (۲۲۲۴) أبو عوانة (۵۷/۱) أحمد (۲۴۲/۲) ابن منده (۵۵۰) بیهقی (۳۲۰/۵)]

(۲) [مسلم (۱۵۱۹) کتاب البیوع : باب تحریم تلقی الجلب]

(۳) [**حسن** : إرواء الغلیل (۱۳۱۵) ابو داود (۳۵۰۸) کتاب البیوع : باب فیمن اشترك عبدا فاستعمله ثم وجد به عیبا' ترمذی (۱۲۸۵) نسائی (۴۴۹۰) ابن ماجة (۲۲۴۲) شرح السنة (۱۶۳/۸)]

اسے واپس لوٹا دیا تو فروخت کنندہ نے غلام سے حاصل کردہ مزدوری کی واپسی کا بھی مطالبہ کیا اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿ اَلْغَلَّةُ بِالضَّمَانِ ﴾ ''آمدنی کا مالک وہ ہوگا جو اس کا ذمہ دار ہوگا۔''(۱)



قیمتیں کنٹرول کرنا

کنٹرول کی حرمت

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں مدینہ منورہ میں اشیا کا بھاؤ چڑھ گیا۔ لوگوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! اشیا کے نرخ بڑے تیز ہو رہے ہیں آپ ہمارے لیے (ان کے) نرخ مقرر فرما دیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمُسَعِّرُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ الرَّازِقُ وَاِنِّیْ لَأَرْجُوْ اَنْ اَلْقَى اللّٰهَ وَلَيْسَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ يَطْلُبُنِیْ بِمَظْلَمَةٍ فِیْ دَمٍ وَلَا مَالٍ ﴾ ''نرخ کا تعین کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے وہی ارزاں و سستا کرتا ہے، وہی گراں کرتا ہے اور روزی دینے والا وہی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کروں کہ کوئی شخص تم میں سے مجھ سے خون میں اور مال میں ظلم و ناانصافی کا مطالبہ کرنے والا نہ ہو۔''(۲)

(امام صنعانی رحمہ اللہ) اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ نرخ مقرر کرنا ظلم ہے اور ظلم حرام ہے۔(۳)

کنٹرول کی صورت اور نقصان

نرخ مقرر کرنے کی صورت یہ ہے کہ حکومت کی طرف سے اعلان کر دیا جاتا ہے کہ فلاں چیز اتنی قیمت سے زیادہ پر فروخت نہ کی جائے اور یہ بھی حکم دے دیا جاتا ہے کہ سرکاری ریٹ لسٹ دوکانوں پر لگا دی جائے تا کہ خریدار انہیں دیکھ سکیں اور پھر حکومتی اہلکار وقتاً فوقتاً چھاپے بھی مارتے رہتے ہیں۔

اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک تو تاجروں کو نقصان ہوتا ہے لہٰذا وہ خالص اشیاء کی بجائے ملاوٹی، ناقص اور گھٹیا اشیاء فروخت کرنا شروع کر دیتے ہیں اور اگر کوئی عمدہ و اعلیٰ اشیاء کا مطالبہ کرے تو اس سے قیمت بھی زیادہ وصول کرتے ہیں اور بعض اوقات تاجر حضرات اشیاء کی فروخت ہی روک دیتے ہیں جس سے عوام ضروریاتِ زندگی سے ہی محروم ہو کر رہ جاتے ہیں۔ بعض اوقات حکومت مقررہ نرخ پر اشیاء فروخت کرنے کے لیے جگہ جگہ اپنے سٹور

---

(۱) [حسن: مسند احمد (۸۰/۶)] شیخ شعیب ارناؤوط اسے حسن کہتے ہیں۔[الموسوعة الحدیثیة (۲۴۵۱۴)]

(۲) [صحیح: غایة المرام (۳۲۳) ابو داود (۳۴۵۱) کتاب البیوع: باب فی التسعیر، ترمذی (۱۳۱۴) ابن ماجة (۲۲۰۰) دارمی (۳۲۴/۲) أحمد (۱۵۶/۳)]

(۳) [سبل السلام (۱۰۸۹/۳)]

یا ڈپو بھی بناتی ہے۔لیکن وہاں بھی لمبی لمبی لائنوں میں لگنا ہر ایک کے بس میں نہیں ہوتا۔تو بلیک مارکیٹنگ کا ایک نیا دروازہ کھل جاتا ہے اور بلیک میں بیچنے والے اپنی مرضی کے ریٹ پر چیز فروخت کرتے ہیں جو مجبوراً نہ چاہتے ہوئے بھی لوگوں کو خریدنا پڑتی ہے اور یوں سودے کی بنیادی شرط (فریقین کی رضامندی) ہی مفقود ہو جاتی ہے۔

کنٹرول کی جائز صورت

اہل علم کا کہنا ہے کہ اگر تاجر حضرات نے ذخیرہ اندوزی وغیرہ کے ذریعے اشیائے ضرورت کی مصنوعی قلت پیدا کر کے قیمتوں میں اضافہ کر رکھا ہو تو پھر حکومت کو اختیار ہے کہ وہ اشیاء کی قیمتیں مقرر کر دے، بلکہ ایسے حالات میں حکومت ظالم تاجروں سے ذخیرہ کردہ اشیاء زبردستی وصول کر کے بھی بازاروں تک پہنچانے کی مجاز ہے۔

ذخیرہ اندوزی

ذخیرہ اندوزی کی حرمت

(1) حضرت معمر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿لَا يَحْتَكِرُ إِلَّا خَاطِئٌ﴾ ''ذخیرہ اندوزی صرف گناہگار ہی کرتا ہے۔''(۱)

(ابن حجر رحمہ اللہ) ذخیرہ اندوزی (جس سے شرعاً منع کیا گیا ہے) یہ ہے کہ غلہ کو روک لینا' فروخت نہ کرنا' اس انتظار میں کہ نرخ چڑھیں اور عوام کو اس کی شدید ضرورت ہو جبکہ ذخیرہ کرنے والا اس سے مستغنی ہو۔(۲)

معلوم ہوا کہ شرعاً ذخیرہ اندوزی حرام ہے۔ذخیرہ اندوزی کو اس لیے حرام کیا گیا ہے کیونکہ اس سے عوام کو بہت نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔تاجر حضرات بازار کی جنسِ ضرورت کو روک لیتے ہیں، نتیجۃً ریٹ بڑھنے لگتے ہیں، غریب عوام مہنگائی کی چکی میں پسنا شروع ہو جاتی ہے اور تاجر و سرمایہ دار حضرات بہت زیادہ فائدہ اٹھاتے ہیں۔

کیا صرف اشیائے خورد و نوش کی ذخیرہ اندوزی حرام ہے؟

اہل علم کے مابین اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ کیا صرف اشیائے خوردونوش کی ذخیرہ اندوزی حرام ہے یا ہر چیز کی۔جمہور کی رائے یہ ہے کہ صرف اشیائے خوردونوش کی ہی ذخیرہ اندوزی حرام ہے لہٰذا اگر کوئی باقی اشیاء کی ذخیرہ اندوزی کرتا ہے تو یہ شرعاً ممنوع نہیں۔جبکہ امام مالک اور قاضی ابو یوسف رحمہما اللہ کا کہنا ہے کہ ہر اس چیز کی ذخیرہ اندوزی حرام ہے جس کا روک رکھنا لوگوں کے لیے تکلیف اور نقصان کا باعث ہو خواہ وہ سونا ہو یا کپڑے یا

---

(۱) [مسلم (۱٦۰۵) کتاب المساقاة : باب تحریم الأحتکار فی الأقوات ' ابو داود (۳٤٤۷)]

(۲) [فتح الباری (۸۱/۵)]

کچھ بھی۔ جمہور علما اپنے موقف کی تائید میں وہ روایات پیش کرتے ہیں جن میں ذخیرہ اندوزی کے ساتھ لفظِ طعام کی قید موجود ہے (۱)، لیکن شیخ البانی رحمہ اللہ کی تحقیق کے مطابق وہ روایات ضعیف ہیں۔ ان میں سے ایک روایت یہ ہے ﴿ مَنِ احْتَكَرَ عَلَى النَّاسِ طَعَامَهُمْ ضَرَبَهُ اللَّهُ بِالْجُذَامِ وَالْإِفْلَاسِ ﴾ ''جس نے لوگوں پر ان کا غلہ ذخیرہ کر لیا اللہ تعالیٰ اسے کوڑ اور افلاس میں مبتلا کر دیں گے۔'' (۲)

چونکہ صحیح حدیث میں مطلقاً ذخیرہ اندوزی کی مذمت کی گئی ہے لہٰذا ہمارے علم کے مطابق اس مسئلے میں قابل ترجیح رائے یہ ہے کہ کسی بھی چیز کی ذخیرہ اندوزی' جبکہ لوگ اس کے محتاج ہوں اور وہ شخص اسے مسلمانوں کے لیے مہنگا کرنا چاہتا ہو' خوراک کی ہو یا اس کے علاوہ کسی اور چیز کی' حرام ہے۔ امام شوکانی رحمہ اللہ نے بھی اسی رائے کو ترجیح دی ہے۔ (۳)

ذخیرہ اندوزی کی چند ناجائز صورتیں

1- جب غلہ وغیرہ کا ریٹ بڑھ رہا ہوتا ہے تو تاجر یا زمیندار حضرات اس نیت سے اشیاء سٹاک کر لیتے ہیں کہ جب تک ریٹ فلاں حد تک نہیں پہنچے گا ہم اپنی اشیاء مارکیٹ میں نہیں لائیں گے، حالانکہ ان اشیاء کی مارکیٹ میں اسی وقت ضرورت بھی ہوتی ہے۔

2- حکومت کوئی چیز زائد سمجھ کر ایکسپورٹ کر دیتی ہے لیکن بعدازاں اس کی قلت واقع ہو جاتی ہے۔ پھر حکومت وہی چیز کسی دوسرے ملک سے امپورٹ کرتی ہے۔ اس وقفہ میں تاجر لوگ ذخیرہ اندوزی کے ذریعے اشیاء کی قیمتیں آسمان تک پہنچا دیتے ہیں اور خوب منافع کماتے ہیں جبکہ غریب عوام مہنگے داموں ہی اشیاء خریدنے پر مجبور ہوتی ہے۔

3- کچھ ہوشیار تاجر خفیہ ذرائع سے یہ پتہ چلا لیتے ہیں کہ آئندہ سال سرکاری بجٹ میں کن اشیاء کی قیمتیں بڑھ رہی ہیں اور پھر ان اشیاء کی ذخیرہ اندوزی کر کے ان کی فروخت روک لیتے ہیں۔ بعدازاں جب وہ اشیاء مہنگی ہو جاتی ہیں تو پھر انہیں فروخت کر کے خوب کمائی کرتے ہیں۔

ذخیرہ اندوزی کی چند جائز صورتیں

1- جب کوئی چیز وافر مقدار اور سستی قیمت میں دستیاب ہو۔ ایسے حالات میں اگر کوئی تاجر وہ چیز ذخیرہ کر لے اور پھر جب لوگوں کو ضرورت پڑے تو انہیں اس وقت کی قیمت کے مطابق فروخت بھی کر دے تو یہ ذخیرہ اندوزی حرام نہیں کیونکہ اس میں ضرورت کے وقت لوگوں سے چیز روکی نہیں گئی بلکہ انہیں مہیا کی گئی ہے۔

---

(۱) [تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے: شرح مسلم للنووی (۴۳/۱۱) سبل السلام (۱۰۹۰/۳) تحفۃ الأحوذی (۵۴۹/۴) ضوء النھار (۱۲۳۷/۳) مرقاۃ (۱۱۰/۶) البحر الزخار (۳۱۹/۳)]

(۲) [**ضعیف**: ضعیف ابن ماجۃ (۴۷۲) کتاب التجارات: باب التجارۃ والحلب' ابن ماجۃ (۲۱۵۵)]

(۳) [نیل الأوطار (۶۰۴/۳)]

2- اگر کوئی شخص ذاتی ضرورت کے لیے گھر میں غلہ (یا کوئی اور چیز) ذخیرہ کر لیتا ہے تا کہ آئندہ مہنگائی کے ایام میں اسے سہولت رہے اور اس وقت وہ چیز مارکیٹ میں بھی بآسانی دستیاب ہو تو ایسی ذخیرہ اندوزی میں کوئی قباحت نہیں۔ امام نووی رحمہ اللہ بھی اسی کے قائل ہیں۔ (۱)

مصنوعی قلت پیدا کرنے کی ایک جدید صورت

اس صورت کا تعلق بڑے بڑے مالدار اور تاجر لوگوں سے ہے جو گھر بیٹھے ٹیلیفون پر ہی کاروبار چلاتے ہیں۔ یہ لوگ اندازہ لگاتے ہیں کہ کون سی اشیاء آئندہ ایام میں مہنگی ہونے والی ہیں، پھر ان اشیاء کی مِل یا فیکٹری میں رابطہ کرتے ہیں اور انہیں بہت بڑا آرڈر دے دیتے ہیں جسے پورا کرنے میں فیکٹری کو دو تین ماہ درکار ہوں اور اتنے بڑے آرڈر کی صورت میں جہاں کچھ قیمت ایڈوانس ادا کر دیتے ہیں وہاں عام ریٹ سے کم ریٹ پر ہی سودا کرتے ہیں جس پر فیکٹری والے بھی بخوشی رضامندی ظاہر کر دیتے ہیں۔ دریں اثناء وہ چیز مارکیٹ میں آنا بند ہو جاتی ہے، نتیجۃً ایک طرف لوگ پریشان ہوتے ہیں اور دوسری طرف اس کی قیمت بڑھنا شروع ہو جاتی ہے کیونکہ پھر وہ چیز جس کے پاس بھی ہوتی ہے وہ اپنی مرضی کی قیمت پر اسے بیچتا ہے۔ فیکٹری والے جب ریٹ بڑھتا ہوا دیکھتے ہیں تو اس تاجر کو کچھ دے دلا کر جان چھڑانے کی کوشش کرتے ہیں لیکن وہ تاجر بہت زیادہ منافع کمانے کا خواہشمند ہوتا ہے، اس طرح اس چیز کی قیمت مزید بڑھ جاتی ہے۔ اور یوں بعض اوقات فیکٹری والے تاجر کو اس کا ایڈوانس اور ساتھ میں کچھ منافع دے کر راضی کر لیتے ہیں اور بعض اوقات تاجر اپنا آرڈر پورا کرانے پر ہی مصر ہوتا ہے اور وہ چیز حاصل کر کے مارکیٹ میں مہنگے داموں فروخت کرتا ہے۔ یوں ایک چیز کی موجودگی کے باوجود مارکیٹ میں اس کی مصنوعی قلت پیدا کر دی جاتی ہے، جس کے نتیجے میں بلاوجہ ایک چیز کا ریٹ بہت بڑھا دیا جاتا ہے اور لوگوں کی ضرورتوں اور مجبوریوں کا بہت زیادہ فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔

کاروبار کی یہ صورت بھی حرام ہے کیونکہ ایک تو یہ ذخیرہ اندوزی کی ہی ایک صورت ہے اور ذخیرہ اندوزی حرام ہے جیسا کہ پیچھے اس کے دلائل ذکر کیے جا چکے ہیں۔ دوسرے شریعت میں ایسی چیز کے سودے سے منع کیا گیا ہے جو پاس موجود نہ ہو اور اس صورت میں یقیناً فیکٹری والے نے جس چیز کا سودا کیا ہے وہ چیز اس کے پاس موجود نہیں۔ تیسرے شریعت میں ایسی چیز کا بھی سودا ممنوع ہے جسے قبضہ میں نہ لیا گیا ہو اور خریدی ہوئی جگہ سے اٹھا کر اپنے پاس نہ رکھا گیا ہو۔ چوتھے ایسا سودا بھی ناجائز ہے جسے ماپ تول کر فروخت نہ کیا جائے اور یہاں ماپنے تولنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ وہ چیز ابھی موجود ہی نہیں۔ لہٰذا یہ صورت حرام اور ناجائز ہے۔

---

(۱) [شرح مسلم (۱۱/۴۳)]



باب وسائل الكسب الحرام حرام ذرائع آمدن کا بیان

باطل طریقوں سے لوگوں کا مال کھانے کی حرمت

(1) ﴿وَلَا تَأْكُلُوٓا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ﴾[البقرة : ۱۸۸] ''آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقے سے مت کھاؤ''

(2) ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَأْكُلُوٓا۟ أَمْوَٰلَكُم بَيْنَكُم بِٱلْبَٰطِلِ إِلَّآ أَن تَكُونَ تِجَٰرَةً عَن تَرَاضٍ مِّنكُمْ﴾[النساء : ۲۹] ''اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقے سے نہ کھاؤ، لین دین آپس کی رضامندی سے ہونا چاہیے۔''

''باطل'' یہ لفظ اسم فاعل ہے باب بَطَلَ يَبْطُلُ (بروزن نصر) سے اور اس کا معنی ہے ''بیکار ہونا، فاسد ہونا''۔ اصطلاحاً اہل علم نے ہر اس کام کو باطل کہا ہے جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی یا جو کام بھی خلافِ شرع ہے اور کچھ نے باطل کی تعبیر حرام کے ساتھ کی ہے۔ چنانچہ امام زمخشری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ((مَا لَمْ تُبِحْهُ الشَّرِيعَةُ)) ''جس کام کی شریعت نے اجازت نہیں دی (وہ باطل ہے)۔''(۱) امام بیضاوی رحمہ اللہ کی بھی یہی رائے ہے۔(۲) علامہ ابوالسعود رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ((وَ الْمُرَادُ بِالْبَاطِلِ مَا يُخَالِفُ الشَّرْعَ))''باطل سے مراد (ہر) وہ کام ہے جو شریعت کے خلاف ہے۔''(۳) امام خازن رحمہ اللہ نے باطل کی توضیح ان لفظوں میں فرمائی ہے کہ ((الْحَرَامُ الَّذِيْ لَا يَحِلُّ فِي الشَّرْعِ))''(ہر) ایسا حرام کام جو شریعت میں حلال نہیں۔''(۴) تفسیر جلالین میں بھی باطل کی تشریح حرام کے ساتھ ہی کی گئی ہے۔(۵)

محمد قلعجی رقمطراز ہیں کہ باطل کام وہ ہے جو تحقیق کے بعد ثابت نہ ہو، اس کی جمع اباطیل ہے اور یہ حق کی ضد ہے۔ (اصطلاحاً) باطل کام وہ ہے جو اصلاً مشروع ہی نہ ہو۔ اہل علم کے نزدیک باطل اور فاسد میں کوئی فرق نہیں، البتہ حنفیہ نے یہ فرق کیا ہے کہ باطل وہ ہے جو نہ تو اصلاً مشروع ہو اور نہ ہی وصفاً، جبکہ فاسد وہ ہے جو اصلاً تو مشروع ہو لیکن وصفاً مشروع نہ ہو (یعنی بذاتِ خود تو وہ کام شریعت میں جائز ہو لیکن کسی وصف کے مل جانے کی وجہ سے حرام ہو جائے جیسے تجارت بذاتِ خود تو جائز ہے لیکن مسجد میں یا اذانِ جمعہ کے بعد ممنوع ہے)۔(۶) کسی بھی معاملے میں باطل کے ارتکاب کا مطلب یہ ہے کہ ایک تو حرام کے ارتکاب کا گناہ اور دوسرے وہ کام شرعاً ہوا ہی نہیں یعنی

---

(۱) [تفسیر الکشاف (۱/۴۰۱)] (۲) [تفسیر بیضاوی (۱/۴۴۸)]
(۳) [تفسیر ارشاد العقل السلیم (۲/۷۱)] (۴) [تفسیر لباب التاویل (۲/۷۳)]
(۵) [تفسیر جلالین (تحت الآیة : ۲۹ ۔ النساء] (٦) [معجم لغة الفقهاء (ص : ۱۰۳)]

اگر عبادت تھی تو انسان اس سے بری الذمہ نہیں ہوا اور اگر کوئی معاملہ تھا تو اس کا انعقاد ہی نہیں ہوا۔[1]

" **المال** " ہر اس چیز کو مال کہا جاتا ہے جو قیمت رکھتی ہو خواہ نقدی ہو جیسے سونا، چاندی اور کرنسی وغیرہ۔ خواہ منقولہ اشیاء (جنہیں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جا سکتا ہے) ہوں جیسے گاڑی، فرنیچر وغیرہ اور خواہ غیر منقولہ اشیاء (جنہیں منتقل نہیں کیا جا سکتا) ہوں جیسے گھر اور زمین وغیرہ۔ اور کچھ علما کا کہنا ہے کہ مال کا نام مال اس لیے رکھا گیا کیونکہ نفس اس کی طرف مائل ہوتا ہے۔[2]

(طبری رحمہ اللہ) باطل طریقے سے مال کھانے کا مطلب یہ ہے کہ کوئی بھی دوسرے کا مال ایسے طریقے سے مت کھائے جسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے جیسے سود، جوا اور دیگر تمام اُمور جن سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے۔[3]

(ابن کثیر رحمہ اللہ) (اس آیت میں) اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو باطل طریقے سے ایک دوسرے کا مال کھانے سے منع فرما رہا ہے یعنی وہ کمائی کے ایسے طریقے اختیار کریں جو غیر شرعی ہیں، مثلاً سود، جوا اور مختلف حیلوں بہانوں سے لوگوں کے مال کھانے کی وہ تمام صورتیں جو سود اور جوئے ہی کی طرح ہیں جیسا کہ امام ابن جریر رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو بیان کیا ہے کہ ایک شخص اگر کسی دوسرے شخص سے کپڑا خریدتا ہے تو وہ اس سے کہتا ہے کہ اگر یہ کپڑا تمہیں پسند آ گیا تو اسے اپنے پاس رکھ لینا اور اگر پسند نہ آیا تو اسے واپس کر دینا لیکن اس کے ساتھ تمہیں ایک درہم بھی واپس کرنا ہوگا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اسی شخص کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی ہے کہ "تم آپس میں ایک دوسرے کا مال باطل طریقے سے مت کھاؤ"۔[4]

(شوکانی رحمہ اللہ) باطل میں تجارت کی وہ تمام صورتیں شامل ہیں جن سے شریعت نے منع کیا ہے۔[5]

(علامہ ابوبکر الجزائری رحمہ اللہ) باطل طریقے سے مال کھانے میں چوری، دھوکہ، جوا، سود اور دیگر متعدد حرام طریقے شامل ہیں۔[6]

(علامہ سید طنطاوی رحمہ اللہ) باطل سے مراد ہر ایسا تصرف ہے جو شرعاً ناجائز ہے جیسے سود، جوا، رشوت، غصب، چوری، خیانت، ظلم اور دیگر تمام حرام تصرفات۔ اور آیت کا معنی یہ ہے کہ اے مومنو! تمہارے لیے کسی بھی باطل طریقے سے دوسرے کا مال کھانا حلال نہیں، ایسا طریقہ جو نہ تو شرعاً جائز ہے اور نہ ہی دین میں پسندیدہ ہے۔[7]

---

(۱) [الوجيز في اصول الفقه ، از عبد الكريم زيدان (ص : ٦٥)]

(۲) [ايقاظ الافهام في شرح عمدة الاحكام : كتاب البيوع (قبل الحديث / ٢٥٣) حاشية السندي على النسائي (٢٤/٧) فتح الباري (٥٩٣/١١)]

(۳) [تفسير طبرى (٢١٦/٨)]

(٤) [تفسير ابن كثير (٢٦٨/٢)]

(٥) [تفسير فتح القدير (١٣٠/٢)]

(٦) [ايسر التفاسير (٢٥٤/١)]

(٧) [التفسير الوسيط (٩٢٣/١)]

معلوم ہوا کہ باطل طریقے سے لوگوں کا مال کھانا شرعاً ممنوع ہے اور باطل طریقے میں مال کھانے کا ہر وہ طریقہ شامل ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی۔ جیسے دھوکہ، رشوت، جوا، ذخیرہ اندوزی کے ذریعے قیمتیں بڑھانا، سودی لین دین اور تجارت کی تمام حرام صورتیں وغیرہ۔ خرید وفروخت کی اشیاء میں ملاوٹ کر کے مال حاصل کرنا، مزدوروں سے کام لینا اور ان کی اجرت کھا جانا یا مزدوروں کا کسی کام کی مکمل اجرت لینا لیکن اس کے عوض پورا کام نہ کرنا بھی حرام کھانا اور باطل ہے۔ اُن عبادات اور تقرب الٰہی کے کاموں کی اجرت لینا جو اس وقت تک صحیح نہیں ہوتیں جب تک ان میں صرف رضائے الٰہی مقصود ہو، باطل طریقے ہی سے مال کھانے میں داخل ہے۔ اُن لوگوں کا زکوٰۃ، صدقات، اوقاف اور وصیتوں کا مال کھا جانا بھی حرام کھانے میں شامل ہے جو مستحق نہیں یا وہ مستحق تھے مگر انہوں نے اپنے حق سے زیادہ مال وصول کیا۔

مال کھانے کی مذکورہ بالا اور ان جیسی دیگر تمام اقسام باطل طریقے سے مال کھانے کے زمرے میں داخل ہیں۔ جس کا کھانا کسی بھی پہلو سے جائز نہیں حتی کہ اگر اس میں نزاع واقع ہو جائے اور جھگڑا شرعی عدالت میں چلا جائے اور وہ فریق جو باطل طریقے سے مال کھانا چاہتا ہے کوئی ایسی دلیل پیش کرتا ہے جو اصلی حق دار کی دلیل پر غالب آ جاتی ہے اور حاکم اس دلیل کی بنیاد پر اس کے حق میں فیصلہ کر دیتا ہے تو عدالتی فیصلے کے باوجود یہ مال حرام اور باطل ہی رہے گا۔[1] اس لیے کہ کسی حاکم کا فیصلہ حرام کو حلال اور حلال کو حرام نہیں کر سکتا، کیونکہ حاکم تو صرف پیش کردہ دلائل سن کر فیصلہ کرتا ہے ورنہ معاملات کے اصل حقائق تو اپنی جگہ موجود رہتے ہیں، اس لیے باطل طریقے سے مال ہڑپ کرنے والے کے لیے حاکم کے فیصلے میں کوئی خوشی اور اس مال کے باطل ہونے میں کوئی شبہ اور اس کے لیے کوئی راحت نہیں۔ بنابریں جو کوئی جھوٹے ثبوت کے ساتھ جھوٹا مقدمہ حاکم کی عدالت میں دائر کرتا ہے اور حاکم اس ثبوت کی بنیاد پر اس کے حق میں فیصلہ کر دیتا ہے تو یہ مال اس شخص کے لیے جائز نہیں اور وہ غیر کے مال کو جانتے بوجھتے باطل اور گناہ کے طریقے سے کھانے کا مرتکب ہوگا، اس لیے وہ سخت ترین سزا اور عقوبت کا مستحق ہے۔ اسی بنا پر جب وکیل کو یہ معلوم ہو جائے کہ اس کا موکل اپنے دعوے میں جھوٹا ہے تو اس کے لیے اس خائن کی وکالت کرنا جائز نہیں اور اگر وہ اس کی وکالت کرتا ہے اور اس سے معاوضہ لیتا ہے تو حرام کھاتا ہے اور قرآن کریم میں بھی اس کی ممانعت مذکور ہے کہ ﴿وَلَا تَكُن لِّلْخَآئِنِينَ خَصِيمًا﴾ [النساء: ١٠٥] ''اور خیانت کرنے والوں کی حمایت میں کبھی جھگڑا نہ کرنا۔''[2]

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حرام اور باطل طریقے سے مال کھانے میں ہر وہ طریقہ شامل ہے جو شرعاً ممنوع ہے۔

---

(١) [بخاری (٢٤٥٨) کتاب المظالم: باب اثم من خاصم فی باطل وھو یعلمه، مسلم (١٧١٣)]

(٢) [ملخص وماخوذ از تفسیر السعدی (١/٢٣٣)]

لیکن اگر ہم اسے کچھ مرتب کرنا چاہیں یا انواع میں تقسیم کرنا چاہیں تو حرام کھانے کی بنیادی طور پر دو قسمیں بنائی جا سکتی ہیں۔ ایک قسم وہ جس میں بالعوض مال حاصل ہوتا ہے جیسے تجارت اور کاروبار کی تمام ناجائز صورتیں۔ اور دوسری قسم وہ جس میں بلا معاوضہ مال حاصل ہوتا ہے جیسے چوری اور غصب وغیرہ۔ بلا معاوضہ مال حاصل کرنے کے حرام (اور حلال) ذرائع کا بیان تو آئندہ ایک مستقل باب میں آئے گا جبکہ یہاں صرف بالعوض یعنی تجارتی اور کاروباری حرام طریقوں کا ذکر کیا جا رہا ہے، ملاحظہ فرمائیے۔

حرام تجارت کے چند بنیادی اصول

کتاب وسنت کے دلائل اور علما وفقہا کے اقوال وفتاویٰ کو پیش نظر رکھتے ہوئے حرام تجارت کے درج ذیل اصول مقرر کیے جا سکتے ہیں:

1- ہر نجس چیز کی تجارت حرام ہے (کیونکہ اس کا کھانا حرام ہے جیسے خنزیر کا گوشت وغیرہ)۔
2- ہر حرام چیز کی تجارت حرام ہے (جیسے مردار اور خون وغیرہ)۔
3- ہر ایسی چیز کی تجارت حرام ہے جس کی ادائیگی کی طاقت نہ ہو (جیسے بھاگا ہوا غلام وغیرہ)۔
4- ہر ایسی چیز کی تجارت حرام ہے جو بائع یا مشتری کے نقصان پر مشتمل ہو (جیسے ایکسپائر ادویات کی فروخت وغیرہ)۔
5- تجارت کی جس صورت میں بھی دھوکہ ہو حرام ہے (جیسے پانی میں مچھلی کا سودا وغیرہ)۔
6- تجارت کی جس صورت میں بھی فریقین کی رضا مندی نہ ہو حرام ہے (جیسے زبردستی کچھ بکوانا وغیرہ)۔
7- تجارت کی جس صورت میں بھی قابل فروخت چیز یا قیمت مجہول ہو حرام ہے (جیسے حاملہ کے حمل کا سودا وغیرہ)۔
8- ہر اُس طریقے سے تجارت حرام ہے جس سے شریعت نے منع کیا ہے (جیسے محض ہاتھ لگا کر سودا کرنا وغیرہ)۔
9- ہر حرام ذریعے سے تجارت حرام ہے (جیسے زنا کاری کے ذریعے مال کمانا وغیرہ)۔
10- ہر وہ تجارت جو جوئے پر مشتمل ہو حرام ہے (جیسے لاٹری وغیرہ)۔
11- ہر وہ تجارت جو جمعہ کی اذان ہونے کے بعد کی جائے حرام ہے (جیسے اذانِ جمعہ کے بعد مساجد کے باہر ٹوپیاں، کتابیں، پرفیوم اور مسواکیں وغیرہ فروخت کرنا یا اپنے اپنے کاروبار جاری رکھنا وغیرہ)۔
12- جن اشیاء کی تجارت سے شرعاً روکا گیا ہے ان کی تجارت حرام ہے (جیسے کتا، بلی وغیرہ)۔
13- ہر اس چیز کی تجارت حرام ہے جو گناہ کا ذریعہ ہو (جیسے بزرگانِ دین کی مورتیں اور تصاویر جو شرک کا ذریعہ ہیں)۔
14- ہر اس چیز کی تجارت حرام ہے جو قبضہ میں نہ ہو (جیسے ایک ہی جگہ پڑی چیز کو آگے سے آگے بیچتے جانا)۔
15- ہر اس چیز کی تجارت حرام ہے جو ملکیت میں نہ ہو (جیسے بیعانہ پر آگے گھر فروخت کر دینا وغیرہ)۔

16- ہر نشہ آور چیز کی تجارت حرام ہے (جیسے بھنگ اور چرس وغیرہ)۔

17- ہر ایسی تجارت حرام ہے جس میں کسی بھی طرح سود کا دخل ہو (جیسے دس روپے کے عوض نو روپے لینا وغیرہ)۔

⇦ - کچھ علما نے ان تمام اصولوں کو درج ذیل تین اصولوں میں جمع کرنے کی کوشش کی ہے:

1- ہر حرام چیز کی تجارت حرام ہے (جیسے مردار، خنزیر، بت اور تمام نجاستیں وغیرہ)۔

2- ہر سود پر مشتمل تجارت حرام ہے (جیسے ایک روپے کے عوض دو روپے خریدنا وغیرہ)۔

3- ہر دھوکے پر مشتمل تجارت حرام ہے (جیسے ہوا میں پرندے، پانی میں مچھلی اور تمام مجہول اشیاء کی تجارت وغیرہ)۔

⇦ اور کچھ علما نے حرام تجارت کے صرف دو اصول ہی ذکر فرمائے ہیں اور وہ یہ ہیں:

1- ہر حرام چیز کی تجارت حرام ہے۔

2- ہر حرام ذریعے سے تجارت حرام ہے۔

مختصر لفظوں میں خلافِ شرع ہر کاروبار، تجارت اور خرید و فروخت حرام ہے۔ بہر حال حرام کاروبار کو سمجھنے کے لیے ہم درج ذیل چار نکات پیشِ نظر رکھ سکتے ہیں:

❶ جن اشیاء کی تجارت حرام ہے۔　❷ تجارت کی چند ناجائز صورتیں اور طریقے۔

❸ سودی تجارت اور لین دین۔　❹ چند دیگر حرام ذرائع آمدن۔

درج بالا حرام تجارت کے تمام اصول تقریباً انہی چاروں نکات کے ضمن میں آ جاتے ہیں۔ ان چاروں کی کچھ تفصیل اور دلائل آئندہ سطور میں ملاحظہ فرمائیے۔

1 جن اشیاء کی تجارت حرام ہے

شراب

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَ بَيْعَ الْخَمْرِ وَالْمَيْتَةِ وَالْخِنْزِيرِ وَالْأَصْنَامِ﴾ ''بے شک اللہ تعالیٰ نے شراب، مردار، خنزیر اور بتوں کی تجارت حرام کی ہے۔'' کسی نے دریافت کیا، اے اللہ کے رسول! مردار کی چربی کے متعلق کیا حکم ہے؟ اس سے کشتیوں کو پالش کیا جاتا اور چمڑوں کو چکنا کیا جاتا ہے اور لوگ اسے جلا کر روشنی حاصل کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا نہیں وہ بھی حرام ہے۔''(1)

شراب کی خرید و فروخت کرنے والا یا اسے پینے والا ہی مجرم نہیں بلکہ اس کے کاروبار کے ساتھ کسی طرح کا بھی تعلق رکھنے والا لعنتی اور گناہگار ہے۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ ﴿لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي الْخَمْرِ

[صحیح: ارواء الغلیل (۱۲۹۰) ابو داود (۳٤۸٦) ابن ماجہ (۲۱٦۷) ترمذی (۱۲۹۷)]

عَشَرَةً : عَاصِرَهَا وَ مُعْتَصِرَهَا وَ شَارِبَهَا وَ حَامِلَهَا وَ الْمَحْمُوْلَةَ إِلَيْهِ وَ سَاقِيَهَا وَ بَائِعَهَا وَ آكِلَ ثَمَنِهَا وَ الْمُشْتَرِيَ لَهَا وَ الْمُشْتَرَاةَ لَهُ ﴾ ''رسول اللہ ﷺ نے شراب کے سلسلے میں دس آدمیوں پر لعنت فرمائی ہے۔ ① شراب نچوڑنے والا ② نچڑوانے والا ③ پینے والا ④ اٹھانے والا ⑤ جس کے پاس اٹھا کر لے جائی جائے ⑥ پلانے والا ⑦ بیچنے والا ⑧ قیمت کھانے والا ⑨ خریدنے والا ⑩ جس کے لیے خریدی جائے۔''(۱)

❁ شراب بنانے والے کو انگور وغیرہ کی فروخت:

جان بوجھ کر کسی ایسے شخص کو انگور وغیرہ فروخت کرنا جو اس کی شراب بناتا ہو، جائز نہیں۔ اگر چہ وہ روایت ضعیف ہے جس میں اس تجارت کی واضح طور پر حرمت کا ذکر ہے(۲) لیکن یہ کام گناہ کے کام میں تعاون کی وجہ سے ہی حرام ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ ﴿وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ [المائدة : ۲] ''اور گناہ اور سرکشی کے کاموں میں ایک دوسرے کا تعاون مت کرو۔'' البتہ اگر یہ علم نہ ہو کہ خریدنے والا کیا کرنا چاہتا ہے تو پھر کوئی حرج نہیں۔ شراب کے علاوہ دیگر اشیاء کا بھی یہی حکم ہوگا۔ مثلاً ایسے شخص کو اسلحہ فروخت کرنا حرام ہے جو اسے ناحق لوگوں کو قتل کرنے یا چوری اور ڈاکہ زنی یا مسلمانوں کے خلاف یا کسی بھی ناجائز کام کے لیے استعمال کرنا چاہتا ہو، لیکن اگر یہ علم نہ ہو تو پھر کسی کو بھی اسلحہ فروخت کیا جا سکتا ہے۔

❁ تمام نشہ آور اشیاء کی خرید وفروخت:

چونکہ شراب کی حرمت کا سبب نشہ ہے اس لیے ہر وہ چیز حرام ہو گی جس میں نشہ کا وصف ہو خواہ مائع ہو یا جامد اور خواہ اس کا نام اور رنگ کوئی بھی ہو۔ لہٰذا ہیروئن، چرس، افیون اور بھنگ وغیرہ جیسی تمام نشہ آور اشیاء کی خرید وفروخت حرام ہے۔ قطع نظر اس سے کہ یہ اشیاء تھوڑی مقدار میں نشہ کرتی ہیں یا زیادہ۔ کیونکہ جب یہ ثابت ہے کہ ان اشیاء کا زیادہ استعمال نشہ پیدا کرتا ہے تو ان کا تھوڑا استعمال بھی حرام ہے کیونکہ فرمانِ نبوی ہے کہ ﴿ مَا اَسْكَرَ كَثِيْرُهُ فَقَلِيْلُهُ حَرَامٌ ﴾ ''جس چیز کی زیادہ مقدار نشہ کرے اس کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے۔''(۳)

❁ بطورِ دواء شراب کی خرید وفروخت:

شراب کا بطورِ دواء استعمال یا بطورِ دواء اس کی خرید وفروخت بھی جائز نہیں کیونکہ ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ سے شراب کو بطورِ دواء استعمال کرنے کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا ﴿ إِنَّهَا لَيْسَتْ

---

(۱) [حسن صحيح : صحيح الترغيب (۲۳۵۷) غاية المرام (۶۰) ترمذى (۱۲۹۵) ابن ماجه (۳۳۸۱)]

(۲) [ضعيف جدا : غاية المرام (۶۲) السلسلة الضعيفة (۱۲۶۹) طبرانى فى الأوسط (۲۹۴/۵)]

(۳) [حسن صحيح : غاية المرام (۵۸) نسائى (۵۶۰۷) ترمذى (۱۸۶۵) ابن ماجه (۳۳۹۴)]

بِدَوَاءٍ وَ لٰکِنَّهَا دَاءٌ ﴾ ''یہ دواءنہیں بلکہ بیماری ہے۔''(۱) اور ایک دوسری روایت میں آپ ﷺ سے یہ الفاظ منقول ہیں ﴿ لَا وَلٰکِنَّهَا دَاءٌ ﴾ ''نہیں اسے بطورِ دواء بھی استعمال نہیں کیا جا سکتا بلکہ یہ تو خود بیماری ہے۔''(۲)

مردار

مردار کی خرید وفروخت کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے لیکن دو مردار ایسے ہیں جن کی خرید وفروخت جائز ہے اور وہ ہیں مچھلی اور ٹڈی۔ کیونکہ نبی ﷺ نے ان دونوں کو مردار ہونے کے باوجود حلال قرار دیا ہے۔(۳)

(شوکانی رحمہ اللہ) مردار کی کسی چیز سے نفع حاصل کرنا جائز نہیں الا کہ جسے کوئی دلیل خاص کر دے مثلا رنگا ہوا چمڑا وغیرہ (کیونکہ دلیل کے ذریعے ثابت ہے کہ مردار کا چمڑہ رنگ دیا جائے تو پاک ہو جاتا ہے(٤) لٰہذا اس سے فائدہ اٹھانا جائز ہے اور جب اس سے فائدہ اٹھانا جائز ہے تو اس کی خرید وفروخت بھی جائز ہے)۔(٥)

یہاں یہ یاد رہے کہ جن روایات سے استدلال کرتے ہوئے مردار اور تمام حلال وحرام جانوروں کی ہڈی کی خرید وفروخت کو جائز قرار دیا جاتا ہے وہ ضعیف ہیں۔(٦) اس لیے ہڈی کی خرید وفروخت کا جواز ثابت نہیں ہوتا۔

کچھ اہل علم کا کہنا ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ جس چیز کی خرید وفروخت حرام ہے اس سے فائدہ اٹھانا بھی حرام ہے مثلاً اگر مردار کی خرید وفروخت حرام ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اسے کسی اور جانور کو کھلانے یا اس کی چربی کو آگ جلانے کے لیے بھی استعمال نہیں کیا جا سکتا بلکہ مردار سے اس قسم کا نفع اٹھانا جائز ہے۔ امام خطابی اور امام ابن قیم رحمہما اللہ نے یہ موقف اپنایا ہے۔(۷)

خنزیر

خنزیر زندہ ہو یا مردہ اس کی تجارت بہرصورت حرام ہے کیونکہ وہ بذاتِ خود حرام بھی ہے اور نجس بھی۔

(ابن حجر رحمہ اللہ) خنزیر کے تمام اجزاء کی تجارت بالاجماع حرام ہے۔(۸)

---

(۱) [صحیح : صحیح ترمذی ، ترمذی (۲۰٤٦) ابن ماجه (۳۵۰۰)]

(۲) [صحیح : صحیح ابو داود ، ابو داود (۳۸۷۳)]

(۳) [صحیح : الصحیحة (۱۱۱۸) ابن ماجة (۳۳۱٤) أحمد (۹۷/۲) بیهقی (۲۵٤/۱)]

(٤) [مسلم (۳٦٦) ابن ماجة (۳٦۰۹) دارمی (۱۹۸٦) دار قطنی (٤٦/۱) أبو یعلی (۲۳۸۵)]

(٥) [نیل الأوطار (٥٨/٣)]

(٦) [ملاحظہ فرمائیے اس کتاب کا آخری باب: ''تجارت سے متعلقہ چند ضعیف احادیث'']

(۷) [زاد المعاد (۲٤۲/٤)]

(۸) [فتح الباری (۱۷۸/٥)]

بت

بتوں کی خرید وفروخت کی حرمت کا سبب یہ ہے کہ یہ شرک کے آلات وذرائع ہیں وگرنہ جس چیز سے یہ بنائے جاتے ہیں (مثلاً پتھر یا لکڑی وغیرہ) وہ تو حلال ہی ہے۔ لہٰذا بتوں کی خرید وفروخت کی حرمت میں ہر اس چیز کی تجارت شامل ہوگی جو کسی بھی طرح شرک کا ذریعہ ہو جیسے بزرگانِ دین اور اولیائے کرام کی تصاویر کی خرید وفروخت ، شرکیہ نعتوں اور شرکیہ قوالیوں کی آڈیو، ویڈیو کیسٹوں اور سی ڈیز کی خرید وفروخت وغیرہ۔

کتا

حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهَى عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ ﴾ ''رسول اللہ ﷺ نے کتے کی قیمت سے منع فرمایا ہے۔''[1]

اس روایت کو پیش نظر رکھتے ہوئے جمہور اہل علم اور امام شافعی رحمہ اللہ نے یہ رائے اختیار کی ہے کہ مطلقاً ہر کتے کی خرید وفروخت ناجائز ہے اور اگر کوئی کتے کو مار دے تو اس کے ذمے کوئی تاوان نہیں کیونکہ اس کی کوئی قیمت ہے ہی نہیں۔ جبکہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک کتے کی خرید وفروخت تو جائز نہیں البتہ اسے مارنے والے کو تاوان دینا پڑے گا۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ شکاری اور فائدہ مند کتے کی خرید وفروخت درست ہے۔[2]

ہمارے علم کے مطابق کسی بھی کتے کی تجارت جائز نہیں سوائے شکاری کتے کے اور اس کی دلیل حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی یہ روایت ہے ﴿ نَهَى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ اِلَّا كَلْبَ صَيْدٍ ﴾ ''رسول اللہ ﷺ نے شکاری کتے کے علاوہ کسی بھی کتے کی قیمت سے منع فرمایا ہے۔''[3] یہ روایت کتے کی تجارت سے مطلقاً ممانعت والی روایات کو مقید کر دیتی ہے لہٰذا شکاری کتے کے علاوہ باقی تمام کتوں کی تجارت حرام ہوگی۔ عطاء، امام نخعی، امام شوکانی اور امام صنعانی رحمہم اللہ اسی کے قائل ہیں۔[4] اور یہاں یہ بھی یاد رہے کہ اگر کوئی ایسے کتے کو مار ڈالے جس کی خرید وفروخت جائز ہے جیسے شکاری کتا تو اس کا تاوان ادا کیا جائے گا جبکہ اس کے علاوہ دوسرے کتوں کا تاوان ادا کرنا ضروری نہیں۔

---

(۱) [بخاری (۲۲۳۷) کتاب البیوع : باب ثمن الکلب ' مسلم (۱۵٦۷) ابو داود (۳٤۸۱) ترمذی (۱۲۷٦) نسائی (۳۰۹/۷) ابن ماجة (۲۱۵۹) أحمد (۱۱۸/٤) شرح معانی الآثار (۵۱/٤)]

(۲) [فتح الباری (۱۷۹/۵) نیل الأوطار (۵۱۲/۳) الروضة الندیة (۱۹٤/۲)]

(۳) [**صحیح** : صحیح نسائی (٤۳۵۳) صحیح ابن ماجة (۲۱٦۱) صحیح الجامع (٦۹٤٦) نسائی (٤٦٦۸) ترمذی (۱۲۸۱)] شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔[التعلیق علی سبل السلام (۱۰٤٦/۳)]

(٤) [نیل الاوطار (۵۱۲/۳) سبل السلام (۱۰٤٦/۳)]

بلی

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ نَهَی عَنْ ثَمَنِ ... السِّنَّوْرِ ﴾ ''نبی کریم ﷺ نے بلی کی قیمت سے منع فرمایا ہے۔''(۱)

بلی کی تجارت میں اگرچہ اختلاف تو ہے لیکن قابل ترجیح رائے یہی ہے کہ بلی کی تجارت حرام ہے جیسا کہ درج بالا صحیح حدیث میں اس سے منع کیا گیا ہے۔(۲)

خون

(1) ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ﴾[المائدة : ۳] ''مردار اور خون تم پر حرام کر دیا گیا ہے۔'' ان اشیاء کو کھانا حرام ہے لہٰذا ان کی تجارت بھی حرام ہے۔

(2) حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ حَرَّمَ ثَمَنَ الدَّمِ ﴾ ''رسول اللہ ﷺ نے خون کی قیمت حرام قرار دی ہے۔''(۳) امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ خون کی خرید و فروخت حرام ہے۔(٤) علاوہ ازیں خون کی خرید و فروخت کی حرمت پر اجماع بھی ہے۔(٥)

لیکن یہ یاد رہے کہ سخت ضرورت کے وقت خون کی خرید و فروخت درست ہے اور بالعموم مجبوری و تنگی میں ہی خون کی خرید و فروخت ہوتی ہے، خوشی و آسانی میں نہیں۔ اسی طرح یہ بھی واضح رہے کہ دو خون ایسے ہیں جن کی خرید و فروخت درست ہے کیونکہ نبی ﷺ نے انہیں حلال قرار دیا ہے اور وہ ہیں ''جگر اور تلی''۔(٦)

نر چڑھانے کا معاوضہ

(1) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ نَهَی عَنْ ثَمَنِ عَسْبِ الْفَحْلِ ﴾ ''نبی ﷺ نے نر کی جفتی کے معاوضے کو ممنوع قرار دیا ہے۔''(۷)

(2) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ نَهَی عَنْ بَیْعِ ضِرَابِ الْجَمَلِ ﴾ ''نبی ﷺ نے

---

(۱) [مسلم (۱۵٦۹) کتاب المساقاة : باب تحریم ثمن الکلب، ابو داود (۳٤۷۹) ترمذی (۱۲۷۹)]

(۲) [نیل الأوطار (۵۱۳/۳)]

(۳) [بخاری (۲۰۸٦) کتاب البیوع : باب موکل الربا، أحمد (۳۰۸/٤) ابو داود (۳٤۸۳) بیهقی (٦/٦)]

(٤) [نیل الاوطار (۲۳۸/۵)] (۵) [فتح الباری (۱۸۰/۵)]

(٦) [**جید** : المشکاة (٤۲۳۲) ابن ماجه (۳۳۱٤) کتاب الاطعمة : باب الکبد والطحال، احمد (۹۸/۲)]

(۷) [بخاری (۲۲۸٤) کتاب الإجارة : باب عسب الفحل، ابو داود (۳٤۲۹) ترمذی (۱۲۷۳) نسائی (۳۱۰/۷) حاکم (٤۲/۲) ابن الجارود (۵۸۲) بیهقی (۳۳۹/۵) أحمد (۱٤/۲)]

اونٹ کی جفتی کی تجارت سے منع فرمایا ہے۔''[1]

معلوم ہوا کہ نر جانور (گھوڑا، اونٹ، بکرا وغیرہ) کی جفتی کی قیمت وصول کرنا حرام ہے۔ جمہور اہل علم اور امام شوکانی رحمہ اللہ کی بھی یہی رائے ہے۔[2] البتہ اگر معاوضہ پہلے طے نہ ہو اور مادہ جانور کا مالک از خود اپنی خوشی سے کچھ دے دے تو کوئی حرج نہیں جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نر کی جفتی کے معاوضے کے متعلق دریافت کیا ﴿فَرَخَّصَ لَهُ الْكَرَامَةَ﴾ ''تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ''کرامہ'' کی اجازت دے دی۔''[3] کرامہ ایسے عطیے یا ہدیے کو کہتے ہیں جو بغیر کسی شرط کے نر کی جفتی کے عوض فائدہ حاصل کرنے والا مالک کے لیے پیش کرتا ہے۔

نر جانور کے منی کے قطرات اور مادہ کے پیٹ کے بچے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهَى عَنْ بَيْعِ الْمَلَاقِيْحِ وَالْمَضَامِيْنِ﴾ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ملاقیح اور مضامین کی خرید و فروخت سے منع فرمایا ہے۔''[4]

مضامین لفظ مضمونہ کی جمع ہے اس کا مطلب ہے ''نر اونٹ وغیرہ کی پشت میں منی کے قطرات (جن سے بچے بنتے ہیں)''۔ **ملاقیح** لفظ ملقوحہ کی جمع ہے۔ اس سے مراد ''وہ بچے ہیں جو مادہ جانوروں کے پیٹوں میں ہیں۔''[5] ان دونوں اشیاء کی بیع اس لیے ممنوع ہے کیونکہ ان کے مجہول ہونے کی وجہ سے دھوکے پر مشتمل ہے۔

ہر حرام چیز

(1) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ مردار کی چربی کے متعلق کیا حکم ہے؟ کیونکہ اس سے کشتیوں کو طلا کیا جاتا ہے' چمڑوں کو چکنا کیا جاتا ہے اور لوگ اسے جلا کر روشنی حاصل کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ﴿لَا، هُوَ حَرَامٌ﴾ ''نہیں' وہ (یعنی اس کی خرید و فروخت) بھی حرام ہے۔'' پھر اس کے ساتھ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿قَاتَلَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ إِنَّ اللّٰهَ لَمَّا حَرَّمَ عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهَا جَمَلُوْهُ ثُمَّ بَاعُوْهُ فَأَكَلُوْا ثَمَنَهُ﴾ ''اللہ تعالیٰ یہود کو غارت کرے کہ جب اللہ تعالیٰ نے چربیوں کو ان کے لیے حرام کر دیا تو انہوں نے اسے پگھلا کر فروخت کر دیا اور اس کی قیمت کھا گئے۔''[6]

---

(۱) [مسلم (۱۵٦۵) نسائی (۳۱۰/۷) أبو یعلی (۱۸۱٦)]

(۲) (نیل الأوطار (۵۱۵/۳))

(۳) [**صحیح**: صحیح ترمذی، ترمذی (۱۲۷٤) کتاب البیوع: باب ما جاء فی کراهیة عسب الفحل، نسائی (٤٦۷٦)]

(٤) [**صحیح**: صحیح الجامع الصغیر (٦۹۳۷) کشف الأستار للبزار (۱۲٦۷) نصب الرایة (۱۰/٤)]

(۵) [سبل السلام (۱۱۰۵/۳) المسوی (۲۳/۲)]

(٦) [بخاری (۲۲۳٦) کتاب البیوع: باب بیع المیتة والأصنام' مسلم (۱۵۸۱) ابو داود (۳٤۸٦)]

(2) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ یہود پر لعنت کرے جب ان پر چربیوں کو حرام کیا گیا تو وہ انہیں بیچ کر ان کی قیمت کھا گئے ﴿ وَاَنَّ اللّٰهَ اِذَا حَرَّمَ عَلَى قَوْمٍ اَكْلَ شَيْئٍ حَرَّمَ عَلَيْهِمْ ثَمَنَهُ ﴾ ''اور جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر کوئی چیز کھانا حرام کر دیتے ہیں تو اس کی قیمت بھی حرام کر دیتے ہیں۔''[1] معلوم ہوا کہ جس چیز کا کھانا حرام ہے اس کی تجارت بھی حرام ہے۔

ضرورت سے زائد پانی

(1) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿ نَهَى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ بَيْعِ فَضْلِ الْمَاءِ ﴾ ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرورت سے زائد پانی کی خرید وفروخت سے منع فرمایا ہے۔''[2]

(2) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں یہ لفظ ہیں کہ ﴿ لَا يُمْنَعُ فَضْلُ الْمَاءِ لِيُمْنَعَ بِهِ فَضْلُ الْكَلَأِ ﴾ ''زائد پانی سے نہ روکا جائے تا کہ اس کے ذریعے زائد گھاس سے بھی روکا جائے۔'' اور ایک روایت میں یہ لفظ ہیں ﴿ لَا يُبَاعُ فَضْلُ الْمَاءِ لِيُبَاعَ بِهِ الْكَلَأُ ﴾ ''زائد پانی فروخت نہ کیا جائے تا کہ اس کے ساتھ گھاس بھی فروخت کی جائے۔''[3]

ان روایات میں جس زائد پانی اور زائد گھاس کی خرید وفروخت سے منع کیا گیا ہے اہل علم کا کہنا ہے کہ اس سے مراد وہ پانی اور گھاس ہے جو کسی ایک شخص کی ملکیت نہ ہو جیسے دریاؤں، نہروں، چشموں اور صحرائی کنوؤں کا پانی اور ان کے اِردگرد اُگنے والی گھاس وغیرہ۔ لیکن اگر پانی اور گھاس کسی کی ذاتی ملکیت ہو (خواہ برتنوں میں ہو یا ذاتی زمین میں) تو پھر اس کی خرید وفروخت درست ہے کیونکہ فرمانِ نبوی کے مطابق کسی کا مال بھی اس کی قلبی خوشی کے بغیر لینا حرام ہے۔ اور دوسرے یہ کہ اگر کسی کی ذاتی ملکیت کا پانی بھی اس کے لیے فروخت کرنا جائز نہ ہو اور دوسروں کو اس میں شریک اور حصہ دار تصور کیا جائے تو یہ لڑائی جھگڑے اور فتنہ وفساد کا موجب ہو گا اس لیے مصلحت عامہ کے پیش نظر بھی مناسب رائے یہی ہے کہ ذاتی ملکیت کا پانی فروخت کیا جا سکتا ہے۔ اور جس روایت میں ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بئر رومہ کے متعلق صحابہ سے کہا کہ کون اسے خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کرے گا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسے اس کے یہودی مالک سے خرید کر (جو اس کا پانی فروخت کیا کرتا تھا) مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا تھا''۔[4] اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ کسی کی ذاتی ملکیت کے کنویں کی خرید وفروخت درست

---

(۱) [**صحیح**: صحیح ابو داود (۲۹۷۸) کتاب البیوع: باب فی ثمن الخمر والمیتة' ابو داود (۳۴۸۸)]

(۲) [مسلم (۱۵٦۵) ابن ماجة (۲۴۷۷) أحمد (۳/۳۵٦) ابن الجارود (۵۹۵) حاکم (۲/۴۴)]

(۳) [بخاری (۲۳۵۳) مسلم (۱۵٦٦)]

(۴) [بخاری (۲۷۷۸) ترمذی (۳٦۹۹) نسائی (٦/۲۳٦)]

ہے۔لیکن اگر کوئی ایسی عام ضرورت کی چیز خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کر دے تو وہ عظیم اجر کا مستحق ہے۔

ولاء

ایک روایت میں ہے کہ ﴿ نَهَى عَنْ بَيْعِ الْوَلَاءِ وَعَنْ هِبَتِهِ ﴾ ''آپ ﷺ نے ولاء کو فروخت کرنے اور اسے ہبہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔''(۱)

ولاء غلام اور اس کے آزاد کرنے والے مالک کے درمیانی تعلق کا نام ہے' جس کے باعث مالک غلام کے فوت ہونے پر اس کی وراثت کا حقدار ٹھہرتا ہے' دوسرے لفظوں میں ولاء وراثت کے حق کو کہتے ہیں۔ چونکہ یہ نسب کی طرح ایک معنوی چیز ہے اس لیے بیع یا ہبہ وغیرہ کسی بھی ذریعے سے اس کی دوسرے کی طرف منتقلی درست نہیں' اسی لیے اس سے منع کر دیا گیا ہے۔

مساجد یا مساجد کے لیے وقف جگہ

اہل علم کا کہنا ہے کہ مساجد کو بلا وجہ فروخت کرنا جائز نہیں۔ انہوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ ﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ أَنْ يُّذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعٰى فِي خَرَابِهَا﴾[البقرة : ۱۱٤] ''اس سے زیادہ ظالم کون ہے جس نے اللہ کی مسجدوں سے منع کر دیا کہ ان میں اللہ کا نام ذکر کیا جائے اور اس نے انہیں اُجاڑنے کی کوشش کی... ایسے لوگوں کے لیے دنیا میں رسوائی اور آخرت میں عظیم عذاب ہے۔''

اس آیت سے یوں استدلال کیا گیا ہے کہ جو اللہ کے لیے وقف کرنے کے بعد مسجد کو فروخت کر دیتا ہے یقیناً وہ اس مسجد کو اُجاڑنے اور لوگوں کو اس میں اللہ کے ذکر سے روکنے کا سبب بنتا ہے اور اسی شخص کو مذکورہ آیت میں عظیم عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔ لہٰذا مساجد کو فروخت کرنا جائز نہیں۔ مساجد کے لیے وقف شدہ زمین کا بھی یہی حکم ہے۔ البتہ اگر مسجد از خود کسی وجہ سے ویران ہو چکی ہو مثلاً مسلمان اس علاقے سے ہجرت کر گئے ہوں وغیرہ تو اہل علم کا کہنا ہے کہ ایسی مسجد کو فروخت کر کے اس کی قیمت سے کسی دوسری آباد جگہ پر مسجد تعمیر کی جا سکتی ہے۔ سابق مفتی اعظم سعودیہ شیخ ابن باز رحمہ اللہ نے یہی فتویٰ دیا ہے اور فرمایا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی مصلحت کے پیش نظر مسجدِ کوفہ کو دوسری جگہ منتقل کرنے کا حکم دیا تھا۔(۲)

یہ واقعہ اس طرح ہے کہ ایک مرتبہ کوفہ میں کسی نے مسلمانوں کے بیت المال کو نقب لگا کر چوری کر لیا۔ نقب لگانے والا پکڑ لیا گیا۔ چونکہ اس وقت بیت المال کے نگران حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ تھے اس لیے انہوں نے حضرت

(۱) [بخاری (۲۵۳۵) مسلم (۱۵۰٦) ابو داود (۲۹۱۹) نسائی (٤٦٥٨) ابن ماجة (۲۷٤۷)]

(۲) [مجموع فتاوی ابن باز (۱۱/۲۰)]

عمر رضی اللہ عنہ کی طرف خط لکھا تو انہوں نے جواب میں لکھا کہ ((انقل المسجد و صیّر بیت المال فی قبلتہ)) ''مسجد کو یہاں سے اس طرح منتقل کرلو کہ بیت المال مسجد کے قبلہ میں آجائے۔'' کیونکہ مسجد میں کوئی نہ کوئی نمازی تو ضرور ہوتا ہے اس سے بیت المال محفوظ ہو جائے گا۔ لہٰذا حضرت سعد بن مالک رضی اللہ عنہ نے وہاں سے مسجد ختم کر کے کھجوروں کی منڈی میں بنادی اور منڈی کو مسجد والی جگہ منتقل کر دیا اور یوں بیت المال بھی مسجد کے قبلہ میں بن گیا۔[1]

سعودی مستقل فتویٰ کمیٹی نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے کہ چونکہ وقف شدہ چیز کو بیچنا جائز نہیں اس لیے مسجد کو فروخت کرنا ممنوع ہے البتہ اگر مسجد ایسی جگہ ہو جہاں لوگ اس سے مستفید نہ ہو رہے ہوں (یا مسجد راستے میں ہو اور لوگوں کے لیے تکلیف کا باعث ہو) تو پھر اسے فروخت کر کے کسی دوسری جگہ بھی منتقل کیا جا سکتا ہے۔[2]

جانداروں کی تصاویر

چونکہ جانداروں کی تصاویر بنانا اور انہیں گھر میں رکھنا حرام ہے اس لیے ان کی خرید و فروخت بھی حرام ہے۔ چنانچہ فرمانِ نبوی ہے کہ ﴿ اَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا یَوْمَ الْقِیَامَةِ الْمُصَوِّرُوْنَ ﴾ ''لوگوں میں سب سے سخت عذاب روزِ قیامت تصویر بنانے والوں کو ہوگا۔''[3] اور ایک دوسرا فرمان یوں ہے کہ ﴿ اِنَّ الْمَلَائِکَةَ لَا تَدْخُلُ بَیْتًا فِیْهِ الصُّوْرَةُ ﴾ ''جس گھر میں (کسی جاندار کی) تصویر ہو اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔''[4]

آلات لہو و لعب، فحش گانوں، فلموں کی کیسٹیں اور سی ڈیز وغیرہ

یہ اور ان جیسی دیگر اشیا کا کاروبار مندرجہ ذیل آیت کی رو سے ناجائز ہے:

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَةُ فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾ [النور: ١٩] ''جو لوگ مسلمانوں میں بے حیائی پھیلانے کے آرزومند ہیں ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے اللہ سب کچھ جانتے ہیں اور تم کچھ بھی نہیں جانتے۔''

مزید برآں ایک فرمانِ نبوی یوں ہے کہ ﴿ لَا تَبِیْعُوا الْقَیِّنَاتِ وَلَا تَشْتَرُوْهُنَّ وَلَا تُعَلِّمُوْهُنَّ وَلَا خَیْرَ فِیْ تِجَارَةٍ فِیْهِنَّ وَثَمَنُهُنَّ حَرَامٌ فِیْ مِثْلِ هَذَا اُنْزِلَتْ هَذِهِ الآیَةُ ((وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْتَرِیْ لَهْوَ الْحَدِیْثِ ...)) ﴾ ''گلوکاراؤں کی خرید و فروخت مت کرو اور نہ ہی انہیں گلوکاری کی تعلیم دو۔ ان کی تجارت میں کوئی بھلائی نہیں اور ان (کی گلوکاری) کی اُجرت حرام ہے۔ قرآن کی یہ آیت اسی بارے میں نازل ہوئی ہے

---

(١) [مجموع فتاوی ابن تیمیة (٣١/٢١٧)]

(٢) [فتاوی اللجنة الدائمة للبحوث العلمیة والافتاء (١٦/٤١)]

(٣) [بخاری (٥٩٥٤) کتاب اللباس: باب ما وطئ من التصاویر]

(٤) [بخاری (٥٩٥٧) کتاب اللباس، اطرافه (٢١٠٥)، (٣٢٢٤)، (٥١٨١)، (٥٩٦١)]

''اور بعض لوگ ایسے ہیں جو لغو باتوں کو خریدتے ہیں کہ بے علمی کے ساتھ لوگوں کو اللہ کی راہ سے بہکائیں اور اسے ہنسی بنائیں، یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے رسوا کن عذاب ہے۔''(۱)

معلوم ہوا کہ گانے بجانے والیوں کی خرید و فروخت ناجائز ہے اور اسی کی ایک جدید صورت یہ ہے کہ ایسی کیسٹیں یا سی ڈیز وغیرہ فروخت کرنا جو گانے بجانے والیوں اور فحاشی و بے حیائی پر مشتمل ہوں۔ ایسا کاروبار اور اس سے حاصل ہونے والی آمدنی حرام ہے۔ اسی طرح فحاشی پھیلانے والے اخبارات، میگزین، رسائل و جرائد اور دیگر تمام ذرائع کا بھی یہی حکم ہے۔

قربانی وعقیقہ کا گوشت

نہ تو قربانی کا گوشت فروخت کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی کھال کیونکہ شریعت نے انہیں استعمال کرنے کا جو طریقہ بتایا ہے فروخت کرنا اس میں شامل نہیں۔ امام ابن قدامہ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ قربانی کی کسی چیز کو بھی فروخت کرنا جائز نہیں نہ اس کا گوشت اور نہ ہی اس کا چمڑا خواہ قربانی واجب ہو یا نفل۔ امام احمد رحمہ اللہ نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے۔(۲) اہل علم نے قربانی پر قیاس کرتے ہوئے عقیقہ کے گوشت کی فروخت کو بھی ناجائز قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ عقیقہ اور قربانی دونوں میں ہی اللہ کا تقرب مقصود ہوتا ہے اور جس چیز کے ذریعے اللہ کا تقرب حاصل کرنا مقصود ہو اسے فروخت کرنا جائز نہیں۔

جو چیز کسی گناہ کا ذریعہ ہو

اہل علم نے ہر ایسی چیز کی فروخت کو ناجائز قرار دیا ہے جو کسی گناہ کا ذریعہ بنے۔ کیونکہ گناہ کا ذریعہ بننے والی ہر چیز بھی گناہ ہے اور گناہ کا ارتکاب شریعت میں حرام ہے۔ اس موقف کی دلیل ایک تو وہ آیت کریمہ ہے جس میں ہے کہ ﴿وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ [المائدة : ۲] ''اور گناہ اور سرکشی کے کاموں میں ایک دوسرے کا تعاون مت کرو۔'' اور دوسرے وہ روایت ہے جس میں مذکور ہے کہ ''گلوکاراؤں کی خرید و فروخت مت کرو اور نہ ہی انہیں گلوکاری کی تعلیم دو۔ ان کی تجارت میں کوئی بھلائی نہیں اور ان (کی گلوکاری) کی اُجرت حرام ہے۔''(۳) اہل علم کا کہنا ہے کہ شرعاً لونڈی کی خرید و فروخت جائز ہے لیکن اس حدیث میں گانے بجانے کی غرض سے لونڈیوں کی فروخت کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ حرام کا ذریعہ بننے والی جائز چیز کی فروخت بھی ناجائز ہے۔ لیکن یہ تب ہے کہ جب علم ہو یا غالب گمان ہو کہ خریدنے والا اس سے کوئی گناہ کا کام ہی کرے گا اور

(۱) [حسن : صحيح الجامع الصغير (٦١٨٩) صحيح ترمذی ، ترمذی (١٢٨٢) ابن ماجه (٢١٦٨)]

(۲) [المغنی لابن قدامة (١٣/٣٨٢)]

(۳) [حسن : صحيح الجامع الصغير (٦١٨٩) صحيح ترمذی ، ترمذی (١٢٨٢) ابن ماجه (٢١٦٨)]

جب بالکل علم نہ ہو کہ خریدنے والا اس چیز سے کیا کرنا چاہتا ہے تو پھر کوئی حرج نہیں۔

عصر حاضر میں اس حرام تجارت کی مختلف صورتیں رائج ہیں جیسے:

- کسی ایسے شخص کو بلینک (Blank) سی ڈیز بیچنا جوان پر شرکیہ یا فحش مواد ریکارڈ کر کے فروخت کرتا ہو۔
- اُن لوگوں کو زمین فروخت کرنا جو اس پر سینما ہال، رقص وسرود یا جوئے کا اڈہ وغیرہ بنانا چاہتے ہوں۔
- سینما وغیرہ بنانے والوں کو سیمنٹ، ریت، بجری، شیشہ اور لکڑی وغیرہ فروخت کرنا۔
- اُن لوگوں کو اسلحہ فروخت کرنا جو معصوم لوگوں پر ظلم وزیادتی کا ارادہ رکھتے ہوں۔
- ایسے شخص کو انگور بیچنا جو اس سے شراب بنانے کا ارادہ رکھتا ہو۔
- ایسے شخص کو زہریلی دواء فروخت کرنا جو خودکشی یا کسی کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتا ہو۔
- رمضان میں دن کے وقت ایسے شخص کو کھانے پینے کی اشیاء فروخت کرنا جو روزہ توڑنے اور ماہ رمضان کی حرمت وتقدس کو پامال کرنے کی خواہش رکھتا ہو۔

غرض ہر وہ تجارت حرام ہے جو کسی بھی طرح گناہ کے کام میں معاون بنے۔

جو چیز کسی نقصان کا ذریعہ ہو

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿وَلَا تَقْتُلُوٓا أَنْفُسَكُمْ﴾ [النساء : ٢٩] ''اور اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو۔'' یعنی ایک دوسرے کو قتل نہ کرو اور نہ ہی کوئی شخص اپنے آپ کو قتل کرے۔ اس میں اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا اور ایسے خطرات مول لینا شامل ہے جن کا نتیجہ ہلاکت اور اتلاف کے سوا کچھ نہیں۔(١)

فرمانِ نبوی ہے کہ ﴿لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ﴾ ''نہ (پہلے کسی مسلمان بھائی کو) نقصان پہنچاؤ اور نہ (کسی کے پہنچائے ہوئے نقصان کے بدلے میں اس سے بڑھ کر اسے تکلیف یا) نقصان پہنچاؤ۔''(٢)

معلوم ہوا کہ نہ تو کسی کو نقصان پہنچانا جائز ہے اور نہ ہی خود کو۔ اس لیے تجارت کی ہر وہ صورت ناجائز ہوگی جس میں بیچنے والے یا خریدنے والے کا نقصان ہو۔ بیچنے والے کا نقصان جیسے مجبور کی مجبوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مارکیٹ سے کم ریٹ پر اس سے مطلوبہ چیز خرید لینا اور خریدار کا نقصان جیسے لوگوں کو ایکسپائر ادویات فروخت کرنا جوان کی ہلاکت کا ذریعہ بن سکتی ہیں، اسی طرح ناقص اور ملاوٹی اشیاء کی فروخت جو لوگوں کو مختلف قسم کی بیماریوں میں مبتلا کرنے کا ذریعہ بن سکتی ہیں وغیرہ وغیرہ۔

---

(١) [تفسير السعدى (١/٥٠٦)]

(٢) [صحيح : ارواء الغليل (٨٩٦) غاية المرام (٢٥٤) ابن ماجه (٢٣٤١) احمد (١/٣١٣)]



2 تجارت کی چند ناجائز صورتیں اور طریقے

ہر وہ صورت جس میں دھوکہ ہو

(1) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ نَھٰی عَنْ بَیْعِ الْغَرَرِ ﴾ "نبی کریم ﷺ نے دھوکے کی تجارت سے منع فرمایا ہے۔"(۱)

(2) فرمانِ نبوی ہے کہ ﴿ مَنْ غَشَّنَا فَلَیْسَ مِنَّا وَ الْمَکْرُ وَ الْخُدَاعُ فِی النَّارِ ﴾ "جس نے ہمیں دھوکہ دیا وہ ہم میں سے نہیں اور چالبازی و دھوکہ دہی آتشِ جہنم میں لے جانے کا موجب ہے۔"(۲)

(3) اہل علم نے دھوکہ دہی کی حرمت پر اجماع نقل کیا ہے۔(۳)

دھوکے کی تجارت سے مراد ایسی تجارت ہے جس کا انجام معلوم نہ ہو۔ یعنی یہ علم نہ ہو کہ ایسا ہو گا یا نہیں مثلاً بھاگے ہوئے غلام کا سودا' ہوا میں پرندے کا سودا' پانی میں مچھلی کا سودا اور غائب و مجہول چیز کا سودا وغیرہ۔(٤) امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ دھوکے کی تجارت سے ممانعت کتاب البیوع کا ایک عظیم اصول ہے اور اس میں اَن گنت مسائل ہیں مثلاً بھاگے ہوئے غلام کا سودا' معدوم و مجہول شے کا سودا' جس چیز کو سپرد کرنے کی طاقت ہی نہ ہو (اس کا سودا)' اس چیز کا سودا جس پر بائع مکمل ملکیت نہ رکھتا ہو' کثیر پانی میں موجود مچھلی کا سودا' جانور کے تھنوں میں موجود دودھ کا سودا' پیٹ میں موجود جنین (یعنی پیٹ کے بچے) کا سودا' مبہم یعنی غیر واضح غلے کے انبار و ڈھیر میں سے کچھ حصے کا سودا' بہت زیادہ کپڑوں میں سے کسی ایک (مجہول) کپڑے کا سودا اور بہت سی بکریوں میں سے کسی ایک (مجہول) بکری کا سودا وغیرہ۔ ایسی ہی کئی دیگر مثالیں بھی موجود ہیں۔ اس قسم کا ہر سودا باطل ہے کیونکہ اس میں دھوکہ پایا جاتا ہے۔(٥)

تاہم یہاں یہ یاد رہے کہ جن اشیا میں تھوڑا بہت دھوکہ ہو ان کی بیع کے جواز پر اجماع ہے مثلاً گھر' جانور اور کپڑے وغیرہ کو ایک مہینے کے لیے اجرت پر دینا جائز ہے اگرچہ (اس میں یہ دھوکہ موجود ہے کہ) مہینہ کبھی تیس (30) دن کا ہوتا ہے اور کبھی انتیس (29) دن کا۔ اور اسی طرح اجرت دے کر حمام میں داخل ہونے کے جواز پر بھی

---

(۱) [مسلم (۱۵۱۳) کتاب البیوع : باب بطلان بیع الحصاۃ' ابو داود (۳۳۷٦) ترمذی (۱۲۳۰) نسائی (٢٦٢/٧) ابن ماجة (٢١٩٤) أحمد (٢٧٦/٢) دارمی (٢٥١/٢) ابن الجارود (٥٩)]

(۲) [صحیح : السلسلة الصحیحة (۱۰۵۸) ابن حبان (۱۱۰۷) ابو نعیم فی الحلیة (١٨٨/٤)]

(۳) [نیل الاوطار (٥٤/٥) الخرشی علی خلیل (٥٥/٥)]

(٤) [تحفة الأحوذی (٤٨٣/٤)] (٥) [شرح مسلم (٤١٦/٥)]

اجماع ہے اگرچہ (اس میں بھی یہ دھوکہ ہے کہ) لوگ پانی استعمال کرنے کے لحاظ سے مختلف ہیں (یعنی کوئی کم استعمال کرتا ہے اور کوئی زیادہ)۔[1]

دھوکے کی تجارت کی چند صورتیں

❀ حاملہ کے حمل کا سودا:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿نَهَى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ بَيْعِ حَبْلِ الْحَبْلَةِ﴾ "رسول اللہ ﷺ نے حاملہ کے حمل کے سودے سے منع فرمایا ہے۔" اور یہ سودا دور جاہلیت میں ہوتا تھا ﴿كَانَ الرَّجُلُ يَبْتَاعُ الْجَزُوْرَ اِلَى اَنْ تَنْتِجَ النَّاقَةُ ثُمَّ تُنْتَجُ الَّتِيْ فِيْ بَطْنِهَا﴾ "آدمی اونٹنی اس شرط پر خریدتا کہ اس کی قیمت اس وقت دے گا جب اونٹنی بچہ جنے گی، پھر وہ بچہ جو اونٹنی کے پیٹ میں ہے وہ (آگے ایک بچہ) جنے گا۔"[2]

حاملہ کے حمل کے سودے کی دو تفسیریں مشہور ہیں۔ ایک امام مالک اور امام شافعی رحمہ اللہ نے کی ہے اور وہ یہ ہے کہ مادہ جانور کے پیٹ میں پرورش پانے والا بچہ پیدائش کے بعد جوان ہو کر جو بچہ جنے گا اس کا سودا، یہ حرام ہے۔ حافظ ابن حجر اور امام نووی رحمہ اللہ نے اسی تفسیر کو ترجیح دی ہے۔ کچھ اہل علم نے ایک دوسری تفسیر بھی کی ہے اور وہ یہ ہے کہ اس قیمت پر جانور دینا کہ یہ جو بچہ جنے گا اس کا بچہ مجھے دینا ہوگا۔ اس سودے سے ممانعت کا سبب یہ ہے کہ یہ معدوم و مجہول شے کا سودا ہے اور دھوکے کے سودے میں داخل ہے۔[3]

❀ محض ہاتھ لگا کر یا پھینک کر سودا کرنا:

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿نَهَى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الْمُلَامَسَةِ وَالْمُنَابَذَةِ فِي الْبَيْعِ﴾ "رسول اللہ ﷺ نے بیع میں ملامسہ اور منابذہ سے منع فرمایا ہے۔"

ملامسہ یہ ہے کہ خریدار کپڑا بیچنے والے کے کپڑے کو رات یا دن میں ہاتھ لگاتا ہے اور اسے اُلٹ پلٹ کر کے نہیں دیکھتا اور **منابذہ** یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص کی طرف اپنا (برائے فروخت) کپڑا پھینکتا ہے اور بلا غور و فکر اور بلا رضامندی کے ان کے درمیان بیع پختہ ہو جاتی ہے۔"[4] امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بیع

---

(۱) [تحفة الأحوذی (٤/٤٨٣)]

(۲) [مسلم (١٥١٤) کتاب البیوع : باب تحریم بیع حبل الحبلة' مؤطا (٢/٦٥٣) بخاری (٢١٤٣) ترمذی (١٢٢٩) ابو داود (٣٣٨٠) أحمد (٢/٦٣) نسائی (٤٦٢٤)]

(۳) [فتح الباری (٥/٩٣) تحفة الأحوذی (٤/٤٨٢) نیل الأوطار (٣/٥١٧) سبل السلام (٣/١٠٦١)]

(٤) [بخاری (٢١٤٤) کتاب البیوع : باب بیع الملامسة' مسلم (٥١٢) ابو داود (٣٣٧٧) نسائی (٧/٢٦٠) ابن ماجة (٢١٧) دارمی (٢/١٦٩) حمیدی (٧٣٠) ابن الجارود (٥٩٢) عبدالرزاق (١٤٩٨٧)]

ملامسہ اور منابذہ سے روکنے کا سبب دھوکہ، جہالت اور خیارِ مجلس کا ابطال ہے۔ (۱)

❁ عیب چھپا کر سودا بیچنا:

جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ غلے کے ڈھیر پر سے گزرے تو آپ نے اپنا ہاتھ اس میں داخل کیا، آپ کی انگلیوں کو تری محسوس ہوئی تو آپ نے فرمایا "اے غلے کے مالک! یہ کیا ہے؟" اس نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول! اس پر بارش پڑ گئی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا "تم نے اسے غلے کے اوپر کیوں نہ رکھا تا کہ لوگ اسے دیکھ لیتے؟ جس نے دھوکہ دیا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔" (۲)

❁ جانور کا دودھ روک کر اسے بیچنا:

(1) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿لَا تُصَرُّوا الْإِبِلَ وَالْغَنَمَ فَمَنِ ابْتَاعَهَا بَعْدَ ذَالِكَ فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ بَعْدَ اَنْ يَّحْلِبَهَا اِنْ شَآءَ اَمْسَكَهَا وَ اِنْ شَاءَ رَدَّهَا وَصَاعًا مِّنْ تَمْرٍ﴾ "اونٹوں اور بھیڑ بکریوں کے تھنوں میں دودھ کو روک کر نہ رکھو (اگر کسی نے دھوکہ میں آ کر) کوئی ایسا جانور خرید لیا تو اسے دودھ دوہنے کے بعد دونوں اختیارات ہیں چاہے تو جانور کو رکھ لے اور چاہے تو واپس کر دے اور ایک صاع کھجور اس کے ساتھ دودھ کے بدلے دے دے۔" (۳) ایک روایت میں یہ لفظ ہیں ﴿فَهُوَ بِالْخِيَارِ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ﴾ "اسے تین دن اختیار ہے۔" (٤)

(2) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ﴿مَنِ اشْتَرَكَ شَاةً مُحَفَّلَةً فَرَدَّهَا فَلْيَرُدَّ مَعَهَا صَاعًا﴾ "جو شخص ایسی بکری خریدے جس کا دودھ تھنوں میں روک دیا گیا ہو، پھر وہ اسے واپس کرے تو اسے چاہیے کہ اس کے ساتھ ایک صاع بھی واپس کرے۔ ایک روایت میں یہ لفظ زائد ہیں ﴿مِنْ تَمْرٍ﴾ "کھجور کا (ایک صاع یعنی تقریباً اڑھائی کلوگرام کھجور دے)۔" (٥)

معلوم ہوا کہ دھوکے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اونٹنی، گائے یا بکری کے تھنوں میں اس کا دودھ روک لیا جائے تا کہ خریدار اسے دودھیل جانور سمجھ کر دھوکہ کھاتے ہوئے اس کی قیمت زیادہ ادا کر دے۔ ایسا جانور خریدنے والا اگر سودا فسخ کرنا چاہے تو اسے اختیار ہے، اس صورت میں اسے جانور کے ساتھ ایک صاع کھجور بھی دینی ہوگی

---

(۱) [نيل الأوطار (٥٢١/٣)]

(۲) [مسلم (۱۰۲) كتاب الإيمان : باب قول النبي من غشنا فليس منا، ابو داود (٣٤٥٢) ترمذی (١٣١٥)]

(۳) [بخاری (٢١٤٨) كتاب البيوع : باب النهي للبائع أن لا يحفل الإبل والبقر والغنم، مسلم (١٥١٥) ابو داود (٣٤٤٣) نسائی (٤٤٨٧) أحمد (٢٤٢/٢) مؤطا (٦٨٣/٢) بيهقی (٣١٨/٥)]

(٤) [مسلم (١٥٢٤)]

(٥) [بخاری (٢١٦٤، ٢١٤٩)]

(اور یہ اس دودھ کے معاوضے کے طور پر ہے جو اس نے اس جانور سے حاصل کیا ہے)۔ یا پھر وہ دونوں جس پر بھی راضی ہو جائیں۔ کیونکہ یہ معاملہ حقوق العباد سے متعلقہ ہے اس لیے اسے آدمی کے ہی سپرد کیا جائے گا وہ اگر معاوضہ لینا چاہے تو یہ بھی درست ہے اور اگر کچھ ساقط کرنا چاہے اور کچھ لینا چاہے تو یہ بھی جائز ہے اور اگر مکمل ہی ساقط کرنا چاہے تو یہ بھی اس کی صوابدید پر موقوف ہے۔

کچے پھلوں کا سودا:

(1) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿ نَهَى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ ... الْمُخَاضَرَةِ ﴾ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع مخاضرہ سے منع فرمایا ہے۔''[1] **مخاضرہ** باب خَاضَرَ يُخَاضِرُ (مفاعلة) سے مصدر ہے۔ اس کا معنی ہے کچے پھل اور غلہ جات کو پکنے سے پہلے (درختوں پر ہی) فروخت کر دینا ہے۔''[2] اور یہ ممنوع ہے۔

(2) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنْ بَيْعِ الثِّمَارِ حَتَّى يَبْدُوَ صِلَاحُهَا نَهَى الْبَائِعَ وَالْمُبْتَاعَ ﴾ ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بائع اور مشتری کو کچے پھلوں کی خرید و فروخت سے منع فرمایا ہے۔''[3]

(3) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ لفظ ہیں ﴿ لَا تَتَبَايَعُوا الثِّمَارَ حَتَّى يَبْدُوَ صِلَاحُهَا ﴾ ''ایک دوسرے سے کچے پھلوں کا سودا نہ کرو۔''[4]

(4) پھلوں کے پکنے سے پہلے ان کی خرید و فروخت ناجائز ہے اور اس پر اجماع ہو چکا ہے۔[5]

کچے کھیت کا اناج کے بدلے اور کچی کھجور کا چھوہاروں کے بدلے سودا:

(1) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنِ الْمُحَاقَلَةِ وَالْمُزَابَنَةِ ﴾ ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع محاقلہ اور بیع مزابنہ سے منع فرمایا ہے۔''[6]

(2) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کیا تازہ کھجوریں خشک کھجوروں کے بدلے فروخت کی جا سکتی ہیں؟ تو آپ نے فرمایا ﴿ اَيَنْقُصُ الرُّطَبُ إِذَا يَبِسَ ﴾ ''کیا وہ

---

(١) [بخاری (٢٢٠٧) كتاب البيوع : باب بيع المخاضرة]

(٢) [المنجد (ص/٣٠٩) القاموس المحيط (ص/٣٤٨) نيل الأوطار (٥٢١/٣)]

(٣) [بخاری (٢١٩٤) كتاب البيوع : باب بيع الثمار قبل أن يبدو صلاحها ' مسلم (١٥٣٤) ابو داود (٣٣٦٧) نسائی (٢٦٢/٧) أحمد (٥٦/٢)]

(٤) [أحمد (١٣/٥) مسلم (١٥٣٨) نسائی (٢٦٣/٧) ابن ماجة (٢٢١٥)]

(٥) [موسوعة الإجماع (١٩٨/١)]

(٦) [بخاری (٢١٨٧) كتاب البيوع : باب بيع المزابنة ' ترمذی (١٢٩٠) ابن ماجة (٢٢٦٦)]

خشک ہو کر وزن میں کم رہ جاتی ہیں؟'' لوگوں نے کہا ہاں' تو آپ نے اس سے منع فرما دیا۔(۱)

محاقلہ یہ ہے کہ بالیوں میں کھڑی کھیتی کو غلے کے عوض فروخت کر دینا جیسے گندم کے کھیت کے بدلے گندم فروخت کرنا وغیرہ۔ صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ بیع محاقلہ یہ ہے کہ ''ایک شخص گندم کی کاشت کو ایک سو بیس (120) رطل گندم کے عوض فروخت کر دے۔''(۲) اور **مزابنہ** یہ ہے کہ درختوں پر لگے ہوئے پھل کو اُسی جنس کے اتارے ہوئے خشک پھل کے عوض فروخت کرنا مثلاً کھجوروں کے بدلے کھجور کے درخت پر لگی تازہ اور تر کھجوروں کی بیع اور انگور کے بدلے خشک انگور (یعنی کشمش) کی بیع وغیرہ۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں بیع مزابنہ کی تعریف یوں موجود ہے ''اپنے باغ کے پھلوں کو مثلاً اگر وہ کھجوریں ہیں تو انہیں خشک کھجور کے عوض ماپ کر' اگر وہ انگور ہیں تو ان کو منقیٰ کے بدلے ماپ کر فروخت کیا جائے۔''(۳)

ان دونوں بیوع (محاقلہ، مزابنہ) میں دھوکے کی صورت یہ ہے کہ دونوں کی صحیح مقدار کا علم نہیں ہو سکتا۔ یعنی تر میوہ خشک ہو کر کتنا رہ جائے گا' زیادتی کا بھی امکان ہے اور کمی کا بھی۔ دونوں صورتوں میں فریقین میں سے کسی ایک کو نقصان ہو سکتا ہے۔

○ یہاں یہ یاد رہے کہ صرف **اہل عرایا** کو بیع مزابنہ (یعنی خشک پھل کے عوض درختوں پر لگے پھل کی بیع) کی اجازت دی گئی ہے۔ جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ ﴿ نَهَى عَنِ الْمُزَابَنَةِ ... إِلَّا أَصْحَابَ الْعَرَايَا فَإِنَّهُ قَدْ أَذِنَ لَهُمْ ﴾ ''رسول اللہ ﷺ نے بیع مزابنہ سے منع فرمایا ہے لیکن اہل عرایا کے لیے اس کی اجازت دی ہے۔''(٤) اور اہل عرایا کو بھی صرف پانچ وسق (یعنی 20 من) سے کم مقدار کی فروخت کی ہی اجازت ہے جیسا کہ ایک صحیح حدیث میں ہے۔(٥)

عرایا سے مراد یہ ہے کہ کسی باغ کا مالک اپنے باغ میں کسی دوسرے شخص کو کھجور کا درخت ہبہ کر دے' پھر اُس شخص کا بار بار اپنے باغ میں آنا اچھا نہ سمجھے تو اس صورت میں وہ اتری ہوئی کھجور کے عوض اپنا درخت واپس خرید سکتا ہے۔ فی الواقع عرب قحط اور خشک سالی کے ایام میں اپنے باغات میں سے 'فقیروں اور مسکینوں کے درختوں کو چھوڑ کر' پھل صدقات کی صورت میں دیا کرتے تھے کہ فلاں درخت کی کھجوریں تمہاری ہیں۔ اسی طرح عطیہ میں دی گئی

---

(۱) [**صحیح** : صحیح ابن ماجہ (۱۸۳۵) ارواء الغلیل (۱۳۵۲) ابو داود (۳۳۵۹) ترمذی (۱۲۲۵) ابن ماجۃ (۲۲٦٤) أحمد (۱۷۹/۱) شرح معانی الآثار (٦/٤) دارقطنی (٤۹/۳) بیہقی (۲۹٤/٥)]

(۲) [مسلم (۱۵۳٦)] (۳) [بخاری (۲۲۰۵) کتاب البیوع]

(٤) [بخاری (۲۳۸۳) مسلم (۱٥٤۰) ترمذی (۱۳۰۳) شرح معانی الآثار (۲۹/٤)]

(٥) [بخاری (۲۱۹۰) کتاب البیوع : باب بیع التمر علی رؤوس النخل بالذھب والفضۃ' مسلم (۱٥٤۱) ابو داود (۳۳٦٤) ترمذی (۱۳۰۱) نسائی (٤٥٤۱)]

کھجور کو بھی ''عریہ'' کہتے ہیں۔ یعنی مساکین باغات میں ان کے درختوں کا پھل کھانے جایا کرتے تھے اس لیے ان کے داخلے سے باغات کے مالک تکلیف محسوس کرتے تھے یا پھر یہ ہوتا کہ مساکین اپنی ضرورت ومحتاجی کی وجہ سے پھل پکنے کا انتظار نہ کرتے اور انہیں فروخت کر دیتے جبکہ پھل ابھی درختوں پر ہی ہوتے اور ان کے عوض خشک کھجوریں لے لیتے اور باغات کے مالک بھی ان کی روزمرہ کی آمدورفت کی پریشانی سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے درختوں پر موجود تر کھجوروں کو خشک کھجوریں دے کر خرید لیتے تھے۔ یہ بیع مزابنہ ہی ہے جو ممنوع ہے لیکن عرایا کے لیے اس کی رخصت دی گئی ہے۔ (۱)

سال سے زیادہ مدت کے لیے درختوں پر پھلوں کا سودا:

(1) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿ نَهَى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ ... الْمُعَاوَمَةِ ﴾ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع معاومہ سے منع فرمایا ہے۔'' (۲) **معاومہ** یہ ہے کہ ایک سال سے زیادہ مدت کے لیے ایک ہی عقد میں کھجوروں کا ان کے درختوں پر سودا کیا جائے۔ (۳)

(2) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ﴿ أَنَّهُ نَهَى عَنْ بَيْعِ السِّنِيْنَ ﴾ ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سالوں کی بیع کر لینے سے منع فرمایا ہے۔'' (٤)

اس بیع میں دھوکہ یہ ہے کہ سودا ہو گیا لیکن درخت کے اوپر پھل کی کوئی گارنٹی نہیں۔ وہ خشک ہو کر کم ہو جائے' قحط پڑ جائے' بارش نہ ہو یا سیلاب آ جائے (کچھ بھی ہو سکتا ہے)۔ اس لیے جب پھل اترا ہوا سامنے موجود ہے اور معلوم وزن کے ساتھ ماپ تول کر بیع کی جائے تب درست ہے ورنہ نہیں۔ امام ابن اثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ بیع اس لیے باطل ہے کیونکہ یہ ایسے بچے کی بیع کی طرح ہے جو ابھی پیدا ہی نہیں ہوا۔ (٥)

ماپ تول کے بغیر غلہ کے ڈھیر کا سودا:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿ نَهَى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ بَيْعِ الصُّبْرَةِ مِنَ التَّمْرِ لَا يُعْلَمُ مَكِيْلُهَا بِالْكَيْلِ الْمُسَمَّى مِنَ التَّمْرِ ﴾ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کے ایسے ڈھیر کا سودا کرنے سے منع فرمایا ہے جس کا کھجور ماپنے کے معروف پیمانے سے ماپ معلوم نہ ہو۔'' (٦)

---

(۱) [فتح الباری (۱۳٦/٥) نیل الأوطار (٥٧٩/٣) الروضة الندية (٢٣٨/٢) سبل السلام (١١٣٩/٣) بخاری تعليقا (قبل الحديث/ ٢١٩٢) شرح معانی الآثار (٣٠/٤)]

(۲) [مسلم (١٥٣٦) كتاب البيوع : باب النهى عن المحاقلة والمزابنة......]

(۳) [الروضة الندية (٢٠٣/٢)]

(٤) [**صحيح** : صحيح الجامع الصغير (٦٩٣٢)] (٥) [النهاية (٣٢٣/٣)]

(٦) [مسلم (١٥٣٠) كتاب البيوع : باب تحريم بيع صبرة التمر المجهولة]

معلوم ہوا کہ غلے یا کسی بھی جنس کا ماپنے یا تولنے کے بغیر سودا کرنا جائز نہیں۔ تولنے کی چیز ہو تو اسے ضرور تولنا چاہیے اور اگر ماپنے کی چیز ہو تو اسے ضرور ماپنا چاہیے، پھر سودا کرنا چاہیے۔

معدوم چیز کا معدوم چیز کے بدلے سودا:

(1) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ﴿ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنْ بَيْعِ الْكَالِئِ بِالْكَالِئِ ﴾ ''نبی ﷺ نے اُدھار کے بدلے اُدھار کی بیع سے منع فرمایا ہے۔''(۱)

(2) امام شافعی رحمہ اللہ نے ان لفظوں میں ایک روایت بیان کی ہے کہ ﴿ نَهَى ﷺ عَنِ الدَّيْنِ بِالدَّيْنِ ﴾ ''آپ ﷺ نے قرض کی قرض کے ساتھ بیع سے منع فرمایا ہے۔''(۲)

(3) ایک روایت میں حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ﴿ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنْ بَيْعِ كَالِئٍ بِكَالِئٍ وَدَيْنٍ بِدَيْنٍ ﴾ ''نبی ﷺ نے اُدھار کے بدلے اُدھار کی بیع سے اور قرض کے بدلے قرض کی بیع سے منع فرمایا ہے۔''(۳)

امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس مسئلے میں کوئی روایت ثابت نہیں ہے لیکن (اتنا ضرور ہے کہ) قرض کے بدلے قرض کی بیع کے عدم جواز پر لوگوں کا اجماع ہے۔(٤) اسی طرح ہر معدوم شے کے بدلے معدوم شے کی بیع جائز نہیں۔(٥) اس کی مزید تائید اُن احادیث سے ہوتی ہے جن میں حبل الحبلة اور ملاقیح و مضامین کی بیع سے منع کیا گیا ہے کیونکہ ان میں بھی عدم جواز کا سبب بیع کا معدوم ہونا ہی ہے۔(٦)

گوشت میں ہوا بھر کے بیچنا:

حضرت راشد بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ﴿ نَهَى رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنِ النَّفْخِ فِي اللَّحْمِ لِلْبَيْعِ ﴾ ''رسول اللہ ﷺ نے فروخت کے لئے گوشت میں ہوا بھرنے سے منع فرمایا ہے۔''(۷)

دودھ میں پانی ملا کر بیچنا:

فرمانِ نبوی ہے کہ ﴿ لَا يُصَرَّمَنَّ نَخْلٌ بِلَيْلٍ وَلَا يُشَابَنَّ لَبَنٌ بِمَاءٍ لِلْبَيْعِ ﴾ ''رات کے وقت کھجور

---

(۱) [ضعيف : إرواء الغليل (١٣٨٢) دارقطني (٧١/٣) حاكم (٥٧/٢) بيهقي (٢٩٠/٥)] اس کی سند میں موسیٰ بن عبیدہ راوی ضعیف ہے۔ [ميزان الاعتدال (٢١٣/٤) المغنى (٦٨٥/٢) التاريخ الكبير (١٩١/٧)]

(۲) [كما فى تلخيص الحبير (٢٦/٣)] امام شافعیؒ مزید فرماتے ہیں کہ اہل حدیث اس روایت کو کمزور قرار دیتے ہیں۔]

(۳) [نصب الراية (٤٠/٤) اس کی سند میں بھی گذشتہ بیان کردہ موسیٰ بن عبیدہ راوی ضعیف ہے۔]

(٤) [نيل الأوطار (٥٢٧/٣) الروضة الندية (٢٠٨/٢)] (٥) [تلخيص الحبير (٦٢/٣)]

(٦) [الروضة الندية (٢٠٨/٢)]

(۷) [مصنف ابن ابی شيبة (٣٠٨/٧)، (٢٣٦٦٩)]

ہرگز نہ کاٹی جائے اور نہ ہی دودھ میں پانی ملا کر بیچا جائے۔''[(١)]

پانی میں مچھلی کا سودا:

ایک روایت میں ہے کہ ﴿ لَا تَشْتَرُوا السَّمَكَ فِي الْمَاءِ فَإِنَّهُ غَرَرٌ ﴾ ''مچھلی کو پانی میں مت خریدو کیونکہ یہ دھوکہ ہے۔''[(٢)] اگرچہ یہ روایت سنداً ضعیف ہے لیکن اس کا مفہوم صحیح ہے۔

تھنوں میں دودھ کا، دودھ میں گھی کا، پشت پر اُون کا اور بھاگے ہوئے غلام کا سودا:

(1) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چوپایوں کے پیٹ میں (پرورش پانے والے) بچے کو اس کی پیدائش سے پہلے خریدنے سے' تھنوں میں (جمع شدہ) دودھ کے دوہنے سے پہلے فروخت کرنے سے' بھاگے ہوئے غلام کو خریدنے سے اور اموال غنیمت کو ان کی تقسیم سے پہلے خریدنے سے منع فرمایا ہے۔''[(٣)]

امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگرچہ یہ روایت ضعیف ہے لیکن یہ تمام ممنوعہ بیوع دھوکے کی بیع میں داخل ہیں کہ جس سے صحیح حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔

(3) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿ نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ تُبَاعَ ثَمَرَةٌ حَتّٰى تُطْعَمَ وَلَا يُبَاعَ صُوفٌ عَلٰى ظَهْرٍ وَلَا لَبَنٌ فِيْ ضَرْعٍ ﴾ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھلوں کے پکنے اور کھانے کے قابل ہونے سے پہلے انہیں فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے نیز جانوروں کی پشت پر اُون اور تھنوں میں دودھ کی بیع سے بھی منع فرمایا ہے۔''[(٤)]

نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دھوکے کی بیع سے ممانعت کی (صحیح) احادیث ان روایات کو مضبوط کر دیتی ہیں کیونکہ ان تمام صورتوں میں دھوکہ پایا جاتا ہے۔[(٥)] امام شوکانی رحمہ اللہ اور دیگر اہل علم نے بھی تجارت کی ان تمام قسموں کو دھوکے کی بیع میں شامل کیا ہے اور انہیں ناجائز قرار دیا ہے۔[(٦)]

---

(١) [مصنف عبد الرزاق (١٤٧/٤)، (٧٢٧٠)]

(٢) [**ضعيف** : ضعيف الجامع الصغير (٦٢٣١) أحمد (٣٨٨/١)]

(٣) [**ضعيف** : إرواء الغليل (١٢٩٣) كتاب التجارات : باب النهي عن شراء ما في بطون الأنعام و ضروعها ' ابن ماجة (٢١٩٦) نصب الراية (١٤/٤) دارقطني (١٥/٣) أحمد (٤٢/٣) بيهقي (٣٣٨/٥)]

(٤) [مجمع الزوائد (١٠٢/٤) طبراني كبير (٣٣٨/١١) دارقطني (١٤/٣) ابو داود في المراسيل (ص/١٦٨)] شیخ صبحی حلاق نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [التعليق على سبل السلام (٩٤/٥)] شیخ حازم علی قاضی نے اسے مرفوعاً ضعیف کہا ہے۔ [أيضا (١١٠٣/٣)] حافظ ابن حجرؒ نے اسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ پر موقوفاً قوی قرار دیا ہے۔ [بلوغ المرام (٧٧٥)] امام بیہقیؒ نے اسی کو ترجیح دی ہے اور امام نوویؒ نے بھی اسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے صحیح قرار دیا ہے۔ [شرح مسلم (٣٢٦/٩)]

(٥) [الروضة الندية (٢٠١/٢)]

(٦) [نيل الأوطار (٥٢٠/٣) المجموع (٣٢٧/٩)]

ایسی چیز کا سودا جو قبضے میں نہیں

(1) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿إِذَا ابْتَعْتَ طَعَامًا فَلَا تَبِعْهُ حَتَّى تَسْتَوْفِيَهُ﴾ ”جب تم غلہ خرید لو تو اسے قبضہ میں لینے سے پہلے فروخت نہ کرو۔“(۱)

(2) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ﴿نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ يُشْتَرَى الطَّعَامُ ثُمَّ يُبَاعَ حَتَّى يُسْتَوْفَى﴾ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غلہ خرید کر مکمل حاصل کر لینے سے پہلے اسے بیچنے سے منع فرمایا ہے۔“(۲)

(3) ایک روایت میں یہ لفظ ہیں ﴿حَتَّى يَكْتَالَهُ﴾ ”حتیٰ کہ اسے ماپ لے (پھر فروخت کرے)۔“(۳)

(4) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگ بازار کے بلند مقام پر غلہ خریدتے اور اسی جگہ فروخت کر دیتے ﴿فَنَهَاهُمْ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ بَيْعِهِ فِي مَكَانِهِ حَتَّى يَنْقُلُوهُ﴾ ”تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں منع فرمادیا کہ غلہ وہیں فروخت نہ کریں بلکہ وہاں سے (کہیں اور) منتقل کرنے کے بعد فروخت کریں۔“(٤)

(5) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ ہر چیز (حکم میں) غلے کی مانند ہی ہے۔(٥)

(6) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى أَنْ تُبَاعَ السِّلَعُ حَيْثُ تُبْتَاعَ حَتَّى يَحُوزَهَا التُّجَّارُ إِلَى رِحَالِهِمْ﴾ ”نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سودے کو اسی جگہ بیچنے سے منع فرمایا ہے جہاں اسے خریدا جاتا ہو حتیٰ کہ اسے اپنے گھروں کی طرف لے جائیں (تو فروخت کر سکتے ہیں)۔“(٦)

(7) حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں ہے کہ ﴿إِذَا اشْتَرَيْتَ شَيْئًا فَلَا تَبِعْهُ حَتَّى تَقْبِضَهُ﴾ ”جب تم کوئی چیز خریدو تو اسے قبضے میں لینے سے پہلے فروخت نہ کرو۔“(۷)

(8) حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿وَلَا رِبْحَ مَا لَمْ يُضْمَنْ﴾ ”قبضہ میں لینے سے پہلے کسی چیز کا نفع حاصل کرنا جائز نہیں۔“(۸) امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی صورت یہ ہے

---

(۱) [مسلم (۱۵۲۸) كتاب البيوع : باب بطلان بيع المبيع قبل القبض ' أحمد (۳۹۲/۳) بيهقى (۳۱۲/۵)]

(۲) [مسلم (۱۵۲۸) أيضا ' أحمد (۳۳۷/۲)] (۳) [مسلم (۱۵۲۸) أيضا]

(٤) [مؤطا (٦٤١/٢) أحمد (٥٦/١) مسلم (١٥٢٧) ابو داود (٣٤٩٤) نسائى (٢٨٧/٧)]

(٥) [بخارى (٢١٣٥) مسلم (١٥٢٥) ابو داود (٣٤٩٧) ترمذى (١٢٩١) ابن ماجة (٢٢٢٧) أحمد (٢٢١/١) بيهقى (٣١٢/٥) حميدى (٢٣٦/١)]

(٦) [**صحيح** : صحيح ابو داود (٢٩٨٨) كتاب البيوع : باب فى بيع الطعام قبل أن يستوفى ' ابو داود (٣٤٩٩) حاكم (٤٠/٢) دارقطنى (١٣/٣)]

(٧) [أحمد (٤٠٣/٣) طبرانى كبير (٣١٠٧) نسائى (٢٨٦/٧)]

(٨) [**صحيح** : الصحيحة (١٢١٢) ' (٢١٢/٣) بيهقى (٣٣٩/٥) طيالسى (ص/٢٩٨) دارمى (٢٥٣/٢)]

کہ ایک شخص کسی چیز کو خریدنے کے بعد قبضے (ضمانت) میں لینے سے پہلے ہی فروخت کر دے (جبکہ ابھی ضمانت بائع پر ہی ہو) تو بیع باطل ہے اور اس سے نفع حاصل کرنا جائز نہیں۔[1] اس کا مفہوم یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ہر چیز میں (انسان کے لیے) نفع حاصل کرنا اسی وقت جائز ہوتا ہے جب اس کا نقصان بھی اسی پر ہو (یعنی وہ اسے اپنے قبضے میں لے چکا ہو) اور اگر نقصان اس پر نہیں بلکہ بائع پر ہو تو مشتری کے لیے اس سے نفع حاصل کرنا جائز نہیں۔[2]

ان تمام دلائل سے معلوم ہوا کہ غلہ ہو یا کوئی اور چیز قبضہ میں لینے سے پہلے اسے آگے فروخت کرنا جائز نہیں۔لیکن آج کل بہت سے کاروبار ایسے ہیں جن میں بلا قبضہ ہی چیز آگے فروخت کر دی جاتی ہے مثلاً منڈیوں میں سودا خریدنے والے اکثر و بیشتر اپنا سودا انہی گوداموں میں رہنے دیتے ہیں جن میں وہ سودا پہلے پڑا تھا اور وہاں سے منتقل نہیں کرتے بلکہ وہیں سے آگے بھی فروخت کر دیتے ہیں تو شرعاً سودے کی یہ صورت ناجائز ہے۔

بن ماپے تولے خریدی ہوئی چیز بھی قبضہ سے پہلے فروخت کرنا درست نہیں

امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ عنوان قائم کیا ہے کہ ((بَابُ مَنْ رَأَى إِذَا اشْتَرَى طَعَامًا جِزَافًا أَنْ لَا يَبِيعَهُ حَتَّى يُؤْوِيَهُ إِلَى رَحْلِهِ وَ الْأَدَبِ فِي ذَالِكَ)) ''جو شخص غلہ کا ڈھیر بن ماپے تولے خریدے وہ جب تک اس کو اپنے ٹھکانے نہ لائے، کسی کے ہاتھ نہ بیچے اور اس کی مخالفت کرنے والے کی سزا کا بیان۔''

اس کے تحت یہ حدیث نقل فرمائی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ﴿ لَقَدْ رَأَيْتُ النَّاسَ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ يَبْتَاعُونَ جِزَافًا - يَعْنِي الطَّعَامَ - يُضْرَبُونَ أَنْ يَبِيعُوهُ فِي مَكَانِهِمْ حَتَّى يُؤْوُهُ إِلَى رِحَالِهِمْ ﴾ ''میں نے رسول اللہ ﷺ کے عہدِ مبارک میں دیکھا کہ لوگوں کو اس پر تنبیہ کی جاتی جب وہ غلہ کا ڈھیر خرید کر کے اپنے ٹھکانے پر لانے سے پہلے ہی اس کو بیچ ڈالتے۔''[3]

(ابن حجر رحمہ اللہ) اس حدیث میں ان حضرات کی تردید ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ بن ماپے تولے خریدی ہوئی چیز قبضہ میں لینے سے پہلے بھی فروخت کی جا سکتی ہے۔اس حدیث میں یہ بھی ثبوت ہے کہ حاکم وقت فاسد بیع کرنے والوں کو تادیباً سزا دے سکتا ہے اور ان کی نگرانی کے لیے اپنا کوئی اہلکار بھی مقرر کر سکتا ہے۔[4]

ایسی چیز کا سودا جو ملکیت میں نہیں

(1) فرمانِ نبوی ہے کہ ﴿ وَلَا بَيْعَ مَا لَيْسَ عِنْدَكَ ﴾ ''اور جو تیرے پاس موجود نہ ہو اس کا فروخت کرنا بھی

---

(١) [نیل الأوطار (٣/٥٥٥)] (٢) [شرح السنة (٤/٣٠٧) تحفة الأحوذی (٤/٤٩٣)]

(٣) [بخاري (٢١٣٧) كتاب البيوع]

(٤) [فتح الباری (٤/٣٥١)]

جائز نہیں۔''(۱)

(2) حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول! میرے پاس ایک شخص آتا ہے وہ مجھ سے کوئی چیز خریدنا چاہتا ہے جو میرے پاس نہیں ہے میں اسے وہ چیز بازار سے خرید کر دیتا ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿ لَا تَبِعْ مَا لَيْسَ عِنْدَكَ ﴾ ''جو چیز تمہارے پاس موجود نہیں اسے فروخت نہ کرو۔''(۲)

(3) ایک روایت میں ہے کہ ﴿ وَلَا بَيْعَ مَا لَا تَمْلِكُ ﴾ ''اور ایسی چیز فروخت کرنا جائز نہیں جو تیری ملکیت میں نہیں۔''(۳)

ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ایسی چیز کی خرید وفروخت جائز نہیں جو فروخت کرتے وقت بائع کی ملکیت میں نہ ہو۔(٤) لہٰذا خریدا ہوا مکان یا زمین جب تک رجسٹری وغیرہ کے ذریعے مکمل طور پر ملکیت میں نہ آجائے اسے محض بیعانے پر آگے بیچنا جائز نہیں۔ اسی طرح جو چیز مارکیٹ میں ہو لیکن دکان پر نہ ہو اس کا آگے سودا کرنا جائز نہیں جب تک اسے مارکیٹ سے خرید کر دکان پر نہ لایا جائے اور اپنی ملکیت میں نہ لے لیا جائے کیونکہ پہلے سودا کر لینے کی صورت میں ممکن ہے وہ چیز بازار سے نہ ملے یا جس قیمت پر سودا طے ہوا ہے اس سے زیادہ قیمت پر ملے۔ لہٰذا یہ صورت بھی شرعاً ناجائز ہے۔ اسی طرح بعض ہاؤسنگ اسکیمیں ۵ ہزار پلاٹس کی فائلیں فروخت کر دیتی ہیں جبکہ ان کی ملکیت میں ابھی صرف ۲ ہزار پلاٹس ہوتے ہیں اور باقی ابھی خریدنے کا ارادہ ہی ہوتا ہے تو ایسی زائد زمین کی فروخت جو اسکیم مالکان کی ملکیت میں نہیں، ناجائز ہے وغیرہ وغیرہ۔

تقسیم سے پہلے مال غنیمت کا سودا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿ نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنْ بَيْعِ الْمَغَانِمِ حَتَّى تُقْسَمَ ﴾ ''تقسیم سے پہلے مال غنیمت فروخت کرنے سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔''(۵) تقسیم سے پہلے مال غنیمت فروخت کرنا اس لیے ممنوع ہے کیونکہ ابھی وہ کسی کی ملکیت نہیں۔(٦)

---

(۱) [**صحيح** : الصحيحة (۱۲۱۲) دارقطني (۵۷/۳) حاكم (۱۷/۲) أحمد (۱۸۷/۲)]

(۲) [**صحيح** : إرواء الغليل (۱۲۹۲) ابو داود (۳۵۰۳) كتاب البيوع : باب في الرجل يبيع ما ليس عنده ' ترمذي (۱۲۳۲) نسائي (۲۸۹/۷) ابن ماجة (۲۱۸۷) أحمد (۴۰۲/۳) بيهقي (۳۱۷/۵)]

(۳) [بيهقي في السنن الكبرى (۳۳۹/۵) كنز العمال (۵۷/٤) تنقيح كتاب التحقيق في احاديث التعليق للامام الذهبي (۱۱۹/۲) موسوعة اطراف الحديث (۵۷٤۸)]

(٤) [سبل السلام (۱۰۷۲/۳) تحفة الأحوذي (٤۹۰/٤)]

(۵) [**صحيح** : صحيح نسائي (٤۳۳۰) ارواء الغليل (۱٤۲/۵) نسائي (٤٦٤۵)]

(٦) [نيل الأوطار (۵۱۹/۳)]

بیعانہ کی ضبطی والا سودا

بیعانہ کی ضبطی والے سودے کے متعلق روایات میں **بیع العربان** کا لفظ استعمال ہوا ہے اور بیع العربان یہ ہے کہ خریدار بائع کو بیع سے پہلے ایک درہم یا اس کی مثل کوئی چیز (جیسے پانچ لاکھ میں سودا ہوا تو پچاس ہزار بطور بیعانہ) اس شرط پر دے کہ اگر اس نے سودا چھوڑ دیا تو وہ درہم بغیر کسی (عوض) کے بائع کا ہو جائے گا۔[1] اس بیع کو کچھ اہل علم جائز اور کچھ ناجائز قرار دیتے ہیں۔ ان دونوں حضرات کے دلائل آئندہ سطور میں ملاحظہ فرمائیے۔

مانعین: ایک روایت میں ہے کہ ﴿ نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنْ بَيْعِ الْعُرْبَانِ ﴾ "نبی ﷺ نے بیعانے کی بیع سے منع فرمایا ہے۔"[2] دوسرے یہ کہ بیعانہ ضبط کرنے والا شخص بغیر کسی عوض کے خریدار کا مال حاصل کر رہا ہے جو کہ باطل طریقے سے مال کھانے میں شامل ہے۔ تیسرے یہ کہ اس سودے میں لگائی جانے والی یہ شرط ہی فاسد ہے کہ اگر سودا مکمل نہ ہوا تو بیعانہ بائع کا ہو جائے گا۔ اور چوتھے یہ کہ اگرچہ اس مسئلے میں جواز و عدم جواز کے مابین اختلاف ہے لیکن یہ اصول ہے کہ جب اباحت اور حرمت میں اختلاف ہو تو ترجیح حرمت کو ہی ہوتی ہے، لہٰذا یہ بیع ناجائز ہے۔ جمہور علماء، امام مالک، امام ابو حنیفہ اور امام شافعی رحمہم اللہ اس بیع کو انہی وجوہات کی بنا پر ناجائز اور باطل قرار دیتے ہیں۔(۳)

مجوزین: حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے بیعانے کی بیع کے متعلق دریافت کیا گیا تو ﴿ فَأَحَلَّهُ ﴾ "آپ نے اسے جائز قرار دیا۔"[4] دوسرے یہ کہ جس روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے بیع عربون سے منع فرمایا ہے، وہ ضعیف ہے۔ تیسرے یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس بیع کو جائز قرار دیا ہے۔[5] اور

---

(۱) [الروضة الندية (۲/۲۰۴) سبل السلام (۳/۱۰۷۳) نيل الأوطار (۳/۵۲۳) موطا (۲/۶۰۹)]

(۲) [**ضعيف** : ضعيف ابن ماجة (۴۷۵) مؤطا (۲/۶۰۹) ابو داود (۳۵۰۲) ابن ماجة (۲۱۹۲) ابن أبي شيبة (۴/۲۰۵)] حافظ ابن حجرؒ نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔[التلخيص الحبير (۳/۴۴)] امام ابن قطانؒ نے اس روایت کو منقطع کہا ہے۔[بيان الوهم والايهام (۵/۴۸۴)] شیخ شعیب ارناؤوط فرماتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے۔ [الموسوعة الحديثية (۶۷۲۳)] البتہ احمد شاکرؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [مسند احمد بتحقيق احمد شاكر (۶۷۲۳)] حافظ زبیر علی زئی اس کی سند کو حسن کہتے ہیں۔[ابن ماجه ۔ ابوداود ، مطبوعه دارالسلام]

(۳) [نيل الأوطار (۳/۵۲۴)]

(۴) [**ضعيف** : ابن ابي شيبة (۲۳۱۹۵) تلخيص الحبير (۳/۳۹)] اس کی سند میں ابراہیم بن ابی یحییٰ راوی ضعیف ہے۔ [تهذيب التهذيب (۱/۱۳۷) المجروحين (۱/۱۰۵) الضعفاء للعقيلي (۱/۶۲) الجرح والتعديل (۲/۱۲۵) التاريخ الكبير (۱/۳۲۳) الكامل لابن عدى (۱/۲۱۹) ميزان الاعتدال (۱/۵۷)] حافظ ابن حجرؒ نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔[التلخيص الحبير (۳/۴۵)]

(۵) [بخاری (قبل الحديث : ۲۴۲۳) كتاب الخصومات : باب الربط والحبس في الحرم] یہ روایت امام===

چوتھے یہ کہ بیع کرتے وقت ایسی شرط لگائی جا سکتی ہے جو شرعاً ممنوع نہ ہو اور فریقین بھی اس پر راضی ہوں جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اونٹ فروخت کرتے وقت یہ شرط لگائی تھی کہ میں اپنے گھر تک اس پر سوار ہو کر جاؤں گا۔(۱) لہٰذا بیعانہ کی ضبطی کی شرط لگانا درست ہے کیونکہ یہ شرط شرعاً ممنوع بھی نہیں کیونکہ ممانعت والی روایت ضعیف ہے اور اسے فریقین کی رضامندی بھی حاصل ہوتی ہے۔ ان وجوہات کی بنا پر امام احمد(۲)، شیخ ابن باز رحمۃ اللہ علیہ(۳)، سعودی مستقل فتویٰ کمیٹی(٤)، شیخ حسام الدین عفانہ(٥) اور شیخ محمد صالح المنجد(٦) نے اس بیع کو جائز قرار دیا ہے۔ مصری وزارۃ الاوقاف کے فتاویٰ میں اختلافی آراء ذکر کرنے کے بعد کہا گیا ہے کہ یہ مسئلہ اختلافی ہے اور دونوں میں سے کسی بھی رائے کو اختیار کیا جا سکتا ہے۔(۷)

ترجیحی رائے: ہمارے علم کے مطابق قابل ترجیح رائے جمہور علما کی ہے کیونکہ اگرچہ بیعانہ کی ضبطی سے ممانعت والی روایت پر کچھ کلام ہے مگر اس کے ساتھ وہ روایت بھی ضعیف ہے جس میں اس کی اجازت ہے۔ دوسرے یہ کہ بیعانہ ضبط کرنے والے کا بلا عوض خریدار کا مال حاصل کرنا اور خریدار کا اس پر دلی طور پر راضی نہ ہونا بھی اس بیع کے ناجائز ہونے کا ثبوت ہے کیونکہ کوئی شخص بھی اپنے بیعانہ کی ضبطی پر دلی طور پر خوش نہیں ہوتا۔ (واللہ اعلم)

شہری کسی دیہاتی کا سامان نہ بیچے

(1) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ﴿نَهَى النَّبِيُّ ﷺ أَنْ يَبِيعَ حَاضِرٌ لِبَادٍ﴾ ”نبی ﷺ نے شہری کو دیہاتی کا سامان فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے۔“(۸)

(2) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿لَا يَبِعْ حَاضِرٌ لِبَادٍ ...﴾ ”شہری دیہاتی کا سامان فروخت نہ کرے لوگوں کو اپنے حال پر رہنے دو اللہ انہیں ایک دوسرے سے رزق عطا فرمائیں گے۔“(۹)

== بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تعلیقاً نقل فرمائی ہے کہ نافع بن عبدالحارث نے مکہ میں صفوان بن امیہ سے ایک مکان جیل خانہ بنانے کے لیے اس شرط پر خریدا کہ اگر عمر رضی اللہ عنہ اس خریداری کو منظور کر لیں تو بیع پوری ہوگی، ورنہ صفوان کو چار سو دینار دیے جائیں گے۔ اس کی تشریح میں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ مکمل سودا چار ہزار دینار پر ہوا تھا۔ مزید فرماتے ہیں کہ نافع نے سودا نہ ہونے پر جو صفوان کو چار سو دینار دینے کا کہا ممکن ہے وہ اس کا عوض ہو جو عمر رضی اللہ عنہ کا جواب آنے تک انہوں نے اس جگہ سے فائدہ اٹھایا۔ [فتح الباری (٥/٧٦)]

(۱) [بخاری (٢٤٠٦) كتاب فى الاستقراض : باب الشفاعة فى وضع الدين ' مسلم (٧١٥)]
(۲) [نيل الأوطار (٣/٥٢٤)] (۳) [فتاوى للتجار ورجال العمال (ص : ٤٩)]
(٤) [فتاوى اللجنة الدائمة (١٣/١٣٣)] (٥) [فتاوى يسألونك (٣/٩٤)]
(٦) [فتاوى شيخ محمد صالح المنجد (رقم : ١٢٥٨٠)] (٧) [فتاوى الازهر (٩/٣٩٨)]
(٨) [بخاری (٢١٥٩) كتاب البيوع : باب من كره أن يبيع حاضر لباد بأجر ' نسائی (٧/٢٥٦)]
(٩) [مسلم (١٥٢٢) كتاب البيوع : باب تحريم بيع الحاضر للبادى ' أحمد (٣/٣٠٧) ابو داود (٣٤٤٢)]

(3) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ﴿ نُهِينَا اَنْ يَّبِيعَ حَاضِرٌ لِبَادٍ ، اِنْ كَانَ اَخَاهُ لِأَبِيهِ وَاُمِّهِ ﴾ ''ہمیں منع کیا گیا کہ کوئی شہری دیہاتی کا سامان فروخت کرے خواہ وہ اس کا سگا بھائی ہی ہو۔''(۱)

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمارے اصحاب کے نزدیک اس سے مراد یہ ہے کہ ایک اجنبی آدمی دیہاتی سے یا دوسرے شہر سے ایسا ساز و سامان جس کی سبھی کو ضرورت ہے' اس روز کی قیمت کے مطابق فروخت کرنے کے لیے لے کر آتا ہے مگر اسے شہری کہتا ہے کہ اس سامان کو میرے پاس چھوڑ دو تا کہ میں اسے زیادہ قیمت پر بیچ دوں۔(۲)

درج بالا احادیث سے استدلال کرتے ہوئے جمہور اہل علم کا کہنا ہے کہ شہری کا کسی دیہاتی کے سامان کو فروخت کرنا حرام ہے اور یہی قابل ترجیح رائے ہے۔(۳) یہاں یہ بھی یاد رہے کہ جس طرح شہری کے لیے کسی دیہاتی کا سامان بیچنا جائز نہیں اسی طرح اس کے لیے خریدنا بھی جائز نہیں کیونکہ لفظِ بیع دونوں معنوں میں مستعمل ہے۔(٤)

قافلوں کو جا کر ملنا

(1) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ﴿ كُنَّا نَتَلَقَّى الرُّكْبَانَ فَنَشْتَرِيْ مِنْهُمُ الطَّعَامَ فَنَهَانَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ نَبِيعَهُ حَتّٰى يَبْلُغَ بِهِ سُوْقَ الطَّعَامِ ﴾ ''ہم قافلوں کو جا کر ملتے اور ان سے (راستے ہی میں) غلہ خرید لیتے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ان سے بیع کرنے سے منع فرمادیا حتی کہ وہ اسے لے کر غلے کے بازار میں پہنچ جائیں۔''(٥)

(2) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿ لَا تَلَقَّوُا الرُّكْبَانَ ﴾ ''سامانِ تجارت لے کر آنے والے قافلوں کو آگے جا کر نہ ملو۔''(٦)

(2) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿ لَا تَلَقَّوُا الْجَلَبَ فَمَنْ تَلَقّٰى فَاشْتَرٰى مِنْهُ فَإِذَا اَتٰى سَيِّدُهُ السُّوْقَ فَهُوَ بِالْخِيَارِ ﴾ ''باہر سے شہر میں غلہ لانے والوں کو آگے جا کر نہ ملو' جس کسی سے راستے ہی میں ملاقات کر کے اس کا سامان خرید لیا گیا تو منڈی میں پہنچنے کے بعد مال کے مالک کو اختیار ہے (چاہے سودا باقی رکھے اور چاہے تو منسوخ کردے)۔''(۷)

---

(۱) [بخاری (۲۱٦۱) مسلم (۱٥۲۳) ابو داود (۳٤٤۰) نسائی (۲٥٦/۷)]

(۲) [شرح مسلم للنووی (٤۲٥/٥)]

(۳) [فتح الباری (۳۷۱/٤) تحفة الأحوذی (٤٦۹/٤) نیل الأوطار (٥۳۷/۳) سبل السلام (۱۰۸۲/۳)]

(٤) [عمدة القاری (۳۸۷/۹) تحفة الأحوذی (٤۷۰/٤) نیل الأوطار (٥۳۸/۳)]

(٥) [بخاری (۲۱٦٦) مسلم (۱٥۱۷) ابو داود (۳٤۳٦) نسائی (٤٤۹۸) ابن ماجة (۲۱۷۹)]

(٦) [بخاری (۲۱٥۸) کتاب البیوع : باب هل یبیع حاضر لباد' مسلم (۱٥۲۱) ابو داود (۳٤۳۹)]

(۷) [مسلم (۱٥۱۹) کتاب البیوع : باب تحریم تلقی الجلب' أحمد (٤۸۷/۲) ابو داود (۳٤۳۷)]

راستے میں ملنے کی صورت یہ ہے کہ شہری آدمی بدوی کو شہر کی منڈی یا مارکیٹ میں پہنچنے سے پہلے پہلے راستے میں ہی جا ملے تاکہ بھاؤ کے متعلق غلط بیانی کر کے اس سے سامان سستے داموں خرید لے اور اس کی اصل قیمت سے کم قیمت پر اس سے حاصل کر لے۔ منع کرنے سے مقصود یہ ہے کہ فروخت کرنے والا دھوکہ دہی اور ضرر رسانی سے بچ جائے۔

بولی لگا کر بھاؤ چڑھانا

(1) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ﴿ نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ النَّجْشِ ﴾ ''رسول اللہ ﷺ نے بیع نجش سے منع فرمایا ہے۔''(۱)

(2) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ﴿ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نهى ... اَنْ يَتَنَاجَشُوْا ﴾ ''نبی ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے کہ لوگ بیع نجش کریں۔''(۲) امام ابن بطال رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ بیع نجش کرنے والا اپنے اس فعل کی وجہ سے گناہ گار ہوگا۔(۳)

نجش کا لغوی مفہوم ہے دوسرے سے بڑھ کر بولی دینا اور شکار بھگانا۔(٤) اصطلاحاً بیع نجش یہ ہے کہ کوئی شخص محض سودے کی قیمت میں اضافہ کرنے کے لیے بولی لگائے تاکہ وہ کسی اور کو اس میں پھنسا دے جبکہ وہ خود اسے خریدنا ہی نہ چاہتا ہو۔ ایسا شخص بعض اوقات بائع کے ساتھ ملا ہوتا ہے، اس صورت میں دونوں گناہگار ہوں گے۔ بعض اوقات بائع کو علم ہونے کے بغیر بھی ایسا ہوتا ہے، اس صورت میں سرف بولی لگانے والا ہی گناہگار ہو گا۔ اور بعض اوقات بائع خود بھی ایسا کرتا ہے کہ لوگوں کو محض غیرت دلانے کے لیے اصل قیمت خرید سے بڑھ کر قیمت خرید بتلاتا ہے، اس صورت میں صرف بائع گناہگار ہوگا۔(٥)

مسلمان کے سودے پر سودا کرنا

(1) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿ لَا يَبِيعُ الرَّجُلُ عَلَى بَيْعِ اَخِيهِ ﴾ ''آدمی اپنے بھائی کے سودے پر سودا نہ کرے۔''(٦)

(2) ایک دوسری روایت میں یہ لفظ ہیں کہ ﴿ اَلْمُؤْمِنُ اَخُو الْمُؤْمِنِ فَلَا يَحِلُّ لِلْمُؤْمِنِ اَنْ يَبْتَاعَ عَلَى

---

(۱) [بخاری (۲۱٤۲) كتاب البيوع : باب النجش ومن قال لا يجوز ذلك البيع، مسلم (۱۵۱٦) مؤطا (۲/٦۸۳) نسائی (۷/۲۵۸) ابن ماجة (۲۱۷۳) أحمد (۲/۱۰۸) شرح السنة (٤/۲۹۰)]

(۲) [بخاری (۲۱٤۰، ۲۱۵۰) مسلم (۱۵۱۵) نسائی (۷/۲۵۸) ترمذی (۱۱۹۰) ابن ماجة (۲۱۷۲) أحمد (۲/۲۷٤)]

(۳) [فتح الباری (٤/۳۵۵)]

(٤) [المنجد (ص/۸۷٤) القاموس المحيط (۵٤۵)] (۵) [فتح الباری (۵/۹۰) تحفة الأحوذی (٤/٦۰٤)]

(٦) [بخاری (۵۱٤۳) مسلم (۱٤۱۳) ابو داود (۲۰۸۰) نسائی (٦/۷۳) ابن ماجة (۱۸٦۷)]

بَیْعِ اَخِیْہِ ﴾ ''مومن دوسرے مومن کا بھائی ہے اور کسی بھی مومن کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے (مومن) بھائی کے سودے پر سودا کرے۔''(۱)

اس بیع کی صورت یہ ہے کہ ایسا سودا ہوا ہو جس میں خریدار کو کچھ دنوں کے لیے چیز چیک کرنے کا اختیار دیا گیا ہو (کہ اگر پسند نہ آئے تو وہ واپس بھی کر سکتا ہے)۔ جتنی مدت اختیار کے لیے دی گئی تھی اس دوران ایک آدمی آ جاتا ہے اور خریدار سے کہتا ہے کہ تو اس سے سودے کو فسخ کر دے اور میں تمہیں اس سے ارزاں قیمت پر عمدہ و بہترین (چیز) فروخت کرتا ہوں۔ یاد رہے کہ جس طرح بیع پر بیع جائز نہیں اسی طرح شراء پر شراء (خریداری) بھی جائز نہیں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص فروخت کرنے والے سے اختیار کی مدت میں یوں کہے کہ تو یہ سودا فسخ کر دے میں تجھ سے یہی چیز اس سے زیادہ قیمت پر خرید لوں گا۔(۲)

(ابن حجر رحمہ اللہ) اس کی حرمت میں کوئی اختلاف نہیں۔(۳)

یہاں یہ بھی واضح رہے کہ حدیث کے ان الفاظ ''اپنے بھائی کے سودے'' سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ممانعت صرف مسلمان بھائی کے لیے ہے کیونکہ کافر مسلمان کا بھائی نہیں۔ لہٰذا کافر کے سودے پر سودا کیا جا سکتا ہے۔ امام اوزاعی، امام خطابی اور امام ابن منذر رحمہم اللہ وغیرہ نے یہی رائے اختیار فرمائی ہے۔(٤)

خونی رشتوں میں بیع کے ذریعے تفریق ڈالنا

(1) حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿ مَنْ فَرَّقَ بَیْنَ وَالِدَۃٍ وَ وَلَدِھَا فَرَّقَ اللّٰہُ بَیْنَہُ وَبَیْنَ اَحِبَّتِہِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ ﴾ ''جس نے ماں اور اس کے بچے کے درمیان جدائی ڈالی اللہ تعالیٰ روز قیامت اس کے اور اس کے اعزاء و اقارب کے درمیان جدائی ڈال دیں گے۔''(۵)

(2) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ میں دو غلام بھائیوں کو فروخت کر دوں، میں نے ان دونوں کو الگ الگ آدمیوں کے ہاتھ فروخت کر دیا اور پھر آپ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا ﴿ اَدْرِکْھُمَا فَارْتَجِعْھُمَا وَلَا تَبِعْھُمَا اِلَّا جَمِیْعًا ﴾ ''ان دونوں کو جا کر واپس لاؤ اور دونوں کو اکٹھا فروخت

(۱) [مسلم (۱٤۱٤) کتاب النکاح : باب تحریم الخطبة علی خطبة اخیة حتی یأذن او یترك]

(۲) [سبل السلام (۱۰۸٤/۳) نیل الأوطار (٥٤۱/۳)]

(۳) [فتح الباری (۸۸/٥)]

(٤) [فتح الباری (۲۰۰/۹) بدایة المجتهد لابن رشد (۱٦٥/۳)]

(٥) [صحیح : صحیح الجامع الصغیر (٦٤۱۲) ترمذی (۱۲۸۳) کتاب البیوع : باب ما جاء فی کراھیة أن یفرق بین الأخوین أو بین الوالدة وولدھا فی البیع، أحمد (٤۱۳/٥) حاکم (٥٥/۲)]

کرو۔“(۱)

(3) حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے ایک لونڈی اور اس کے بچے کے درمیان جدائی ڈال دی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس سے روک دیا اور سودے کو رد کر دیا۔(۲)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ ماں اور اولاد کے درمیان' بہن بھائیوں کے درمیان اور لونڈی اور اس کی اولاد کے درمیان جدائی ڈالنا حرام ہے خواہ تجارت کے ذریعے ہو یا کسی اور طریقے سے۔ باپ کو بھی ماں پر قیاس کیا جائے گا اور والدہ اور بچے پر تمام خونی رشتہ داروں کو قیاس کیا جائے گا۔ اور اگر کوئی ایسا سودا کر دیتا ہے تو وہ مردود ہو گا جیسا کہ علی رضی اللہ عنہ نے سودا کر دیا لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ دونوں بھائیوں کو واپس لاؤ۔(۳)

ایک بیع میں دو شرطیں یا دو سودے

(1) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿لَا يَحِلُّ سَلَفٌ وَبَيْعٌ﴾ ”بیک وقت قرض اور بیع حلال نہیں۔“(۴) امام بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جیسے کوئی کہے میں تمہیں یہ غلام نقداً ایک ہزار کا دوں گا اور اگر تاخیر سے ادائیگی کرو گے تو دو ہزار کا دوں گا۔ یہ ایک ہی بیع ہے جو کہ دو شرطوں پر مشتمل ہے۔(۵)

(2) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ﴿نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ بَيْعَتَيْنِ فِيْ بَيْعَةٍ﴾ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بیع میں دو بیع کرنے سے منع فرمایا ہے۔“ سنن ابوداود کی روایت میں یہ لفظ ہیں ﴿مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ فِيْ بَيْعَةٍ فَلَهُ أَوْكَسُهُمَا أَوِ الرِّبَا﴾ ”جس کسی نے ایک چیز کی دو قیمتیں مقرر کیں وہ یا تو کم قیمت لے یا پھر وہ سود ہو گا۔“(۶) اس کی صورت وہی ہے جو ابھی امام بغوی رحمہ اللہ کے حوالے سے گزری ہے۔(۷)

---

(۱) [حسن لغيره : احمد (۱۲۶/۱) حاكم (۵۴/۲) دارقطنى (۶۵/۳) مجمع الزوائد (۱۰۷/۳)] شیخ محمد صبحی حلاق نے اسے حسن کہا ہے۔[التعليق على سبل السلام (۷۲/۵)] شیخ شعیب ارناؤوط اسے حسن لغیرہ کہتے ہیں۔ [الموسوعة الحديثية (۱۰۴۵)] امام ہیثمیؒ فرماتے ہیں کہ اسے احمد نے روایت کیا ہے اور اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔[مجمع الزوائد (۶۵۱۸)]

(۲) [حسن : صحيح ابو داود (۷۳۴۵) ابو داود (۲۶۹۶) دارقطنى (۶۶/۳) حاكم (۵۵/۲)]

(۳) [مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: تحفة الأحوذى (۵۷۲/۴) سبل السلام (۱۰۸۶/۳) نيل الأوطار (۵۳۴/۳) المبسوط (۱۴۰/۱۳) مرقاة (۵۲۸/۶)]

(۴) [صحيح : الصحيحة (۱۲۱۲) ابو داود (۳۵۰۴) كتاب البيوع : باب فى الرجل يبيع ما ليس عنده ' ترمذى (۱۲۳۴)]

(۵) [شرح السنة (۳۰۶/۴)]

(۶) [حسن : إرواء الغليل (۱۴۹/۵) ترمذى (۱۲۳۱) كتاب البيوع : باب ما جآء فى النهى عن بيعتين فى بيعة ' ابو داود (۳۴۶۱) نسائى (۴۲۳۲) دارمى (۳۱۹/۱) أحمد (۴۳۲/۲)]

(۷) [النهاية لابن الأثير (۴۵۹/۲)]

بعض حضرات نے اس سودے کی دو صورتیں بیان کی ہیں: ① ایک شخص دوسرے سے کہے کہ میں تمہیں فلاں کپڑا نقد ادائیگی کی صورت میں دس روپے کا فروخت کرتا ہوں اور اُدھار کی صورت میں بیس روپے کا۔ یہ بیع اکثر اہل علم کے نزدیک فاسد ہے۔ ② کوئی شخص دوسرے آدمی سے کہے کہ میں تمہیں اپنا غلام بیس دینار پر فروخت کرتا ہوں بشرطیکہ تم اپنی لونڈی مجھے فروخت کرو گے۔ یہ بیع بھی فاسد ہے۔(۱)

⇦ اس مسئلے کی مزید وضاحت کے لیے آئندہ عنوان ''سودی تجارت اور لین دین'' کے تحت مسئلہ ''قسطوں کا کاروبار'' ملاحظہ فرمائیے۔

کسی کو مجبور کر کے چیز بکوانا

بیع کا یہ طریقہ جائز نہیں کیونکہ بیع میں فریقین کی رضامندی اور قلبی خوشی شرط ہے، اور جسے مجبور کیا جا رہا ہے وہ اپنی چیز بیچنے پر دلی طور پر خوش نہیں اس لیے یہ بیع درست نہیں (جیسا کہ سابقہ باب میں بیع کی شروط کے تحت اس کے دلائل گزر چکے ہیں)۔ مزید برآں اہل علم اس بیع کے باطل ہونے کی ایک دلیل یہ بھی دیتے ہیں کہ ﴿ إِنَّ اللّٰهَ وَضَعَ عَنْ أُمَّتِي الْخَطَأَ وَ النِّسْيَانَ وَ مَا اسْتُكْرِهُوا عَلَيْهِ ﴾ ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے میری امت سے خطاء، نسیان اور زبردستی کرائے ہوئے کام کا گناہ معاف کر دیا ہے۔''(۲) اس حدیث میں محل شاہد یہ ہے کہ جس سے زبردستی کوئی چیز بکوائی جا رہی ہے، وہ اس حالت میں مکلف نہیں، لہٰذا اس کا وہ تصرف باطل ہے۔

تاہم بعض صورتیں ایسی ہیں جن میں مالک پر زبردستی کر کے کوئی چیز بکوانا بھی جائز ہو جاتا ہے جیسے ذخیرہ اندوزی کر کے اشیاء کی قیمتیں بڑھانے اور لوگوں کو ضروریاتِ زندگی سے محروم کرنے والے لوگوں کے خلاف حکومتِ وقت ان کی ذخیرہ کردہ اجناس زبردستی بکوانے کا بھی اختیار رکھتی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی مقروض قرضے کی رقم ادا نہ کر رہا ہو اور اس کے پاس نقد رقم موجود نہ ہو اور وہ عدالتی نوٹس کو بھی کسی خاطر میں نہ لا رہا ہو تو حکومتِ وقت مارکیٹ ریٹ کے مطابق زبردستی بھی اس کی جائیداد یا کوئی قابل فروخت چیز بکوا سکتی ہے۔ اسی طرح مسجد، راستے یا قبرستان کی توسیع کے لیے کسی گھر کو بکوانا اور بیوی، معصوم بچوں اور بوڑھے والدین کا خرچہ ادا نہ کرنے والے شخص کو راہِ راست پر لانے کے لیے اس کا کوئی مال بکوانا بھی زبردستی اشیاء بکوانے کی جائز صورتوں میں شامل ہے۔

ضرورت مند آدمی سے کم ریٹ پر سودا کرنا

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں ﴿ نَهَى عَنْ بَيْعِ الْمُضْطَرِّ ﴾ ''آپ ﷺ نے مجبور ولاچار آدمی سے سودا

---

(۱) [سبل السلام (۱۰۷۰/۳) الروضۃ الندیۃ (۲۲۳/۲) تحفۃ الأحوذی (٤٨٧/٤)]

(۲) [**صحیح** : ارواء الغلیل (۸۲) ابن ماجہ (۲۰٤٥) المشكاة (٦٢٨٤) حاکم (۱۸۹/۲)]

کرنے سے منع فرمایا ہے۔'' [1] اگرچہ اس کی سند میں ضعف ہے مگر تجارت کی اولین شرط فریقین کی حقیقی باہمی رضامندی (جس کے دلائل پچھلے باب میں گزر چکے ہیں) اس روایت میں موجود حکم کی تائید کرتی ہے۔لہٰذا اگر کوئی شخص مجبوری میں کوئی چیز فروخت کر رہا ہو تو اس سے مارکیٹ ریٹ سے بہت کم پر سودا کرنا درست نہیں، اگرچہ بظاہر وہ رضامند ہی ہو کیونکہ بیع میں قلبی خوشی مطلوب ہے اور یقیناً کوئی بھی شخص اپنی مہنگی چیز انتہائی ارزاں قیمت پر بیچنے کے لیے دلی طور پر کبھی بھی راضی نہیں ہوتا۔لیکن آج صورتحال اس کے برعکس دکھائی دیتی ہے کہ لوگ ہمیشہ کسی مجبور و بے بس کی تاک میں رہتے ہیں تاکہ اس سے کم سے کم قیمت پر سودا کر سکیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم 'جنہیں ہمارے لیے اسوہ بنایا گیا ہے' کی حالت یہ تھی کہ اگر کسی کو مجبوری میں کوئی چیز فروخت کرتے دیکھتے تو کبھی بھی اس سے کم قیمت پر نہ خریدتے بلکہ اس کی پوری قیمت ادا کرتے۔چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ایک واقعہ نقل فرمایا ہے کہ ایک صحابی کو کوئی ضرورت تھی تو اس نے اپنا گھوڑا ۵۰۰ درہم میں فروخت کرنا چاہا۔جب خریدار نے گھوڑے کو اچھی طرح دیکھا تو کہا یہ تو ۸۰۰ درہم کا ہے۔تم اتنا سستا کیوں بیچ رہے ہو؟ اس نے کہا میں مجبور تھا، مجھے اپنی لڑکی کو رخصت کرنا تھا۔خریدار نے کہا کہ ایک تو لڑکی کی رخصتی میں تنگ ہو کر اخراجات کرنے کا کوئی شرعی جواز نہیں اور دوسرے شریعت نے ہمیں مال خریدنے کی اجازت دی ہے لوگوں کی ضرورتیں نہیں۔پھر اس نے پوری رقم ادا کر کے وہ گھوڑا خرید لیا۔ [1]

معلوم ہوا کہ لوگوں کی مجبوری سے فائدہ اٹھانا اور ان کی ضرورت میں کام آنے کی بجائے ان کی اشیاء مارکیٹ ریٹ سے بھی کم قیمت پر خریدنا ایسی بیع ہے جو شرعاً ناجائز ہے۔

ذخیرہ اندوزی کر کے اشیاء مہنگے داموں فروخت کرنا

اسلام نے اس نیت سے ذخیرہ اندوزی کو حرام قرار دیا ہے کہ جب مارکیٹ میں وہ چیز مہیا نہیں ہو گی اور لوگوں کو اس کی ضرورت ہو گی تب میں (لوگوں کی مجبوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے) وہ چیز اپنی مرضی کی قیمت پر فروخت کروں گا۔تاہم ذاتی ضرورت کے لیے گھر میں کسی چیز کو ذخیرہ کر لینے میں کوئی حرج نہیں۔ذخیرہ اندوزی کی حرمت کے دلائل اور جائز و ناجائز صورتوں کی تفصیل دیکھنے کے لیے سابقہ باب ملاحظہ فرمائیے۔

صدقہ کیا ہوا مال خود ہی خریدنا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک گھوڑا اللہ کے راستے میں صدقہ کر دیا۔وہ جس کے پاس تھا اس نے (اس کی مناسب دیکھ بھال نہ کر کے) اسے ناکارہ بنا دیا۔میں نے جب دیکھا کہ وہ اسے سستے داموں

---

(۱) [ضعیف جدا: ضعیف الجامع (۶۰۶۳) الضعیفة (۲۰۷۶) ابوداود (۳۳۸۲)]

(۲) [فتح الباری، بحوالہ احکام تجارت اور لین دین کے مسائل (ص: ۱۹۵)]

بیچنے والا ہے تو میں نے سوچا کہ یہ گھوڑا اُسی سے خریدلوں۔ چنانچہ میں نے اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا۔تو آپ نے فرمایا﴿ لَاتَشْتَرِ وَ إِنْ أَعْطَاكَهُ بِدِرْهَمٍ وَاحِدٍ فَإِنَّ الْعَائِدَ فِي صَدَقَتِهِ كَالْكَلْبِ يَعُودُ فِي قَيْئِهِ ﴾''اگر وہ تمہیں یہ گھوڑا ایک درہم کے عوض بھی دے،تب بھی مت خریدنا کیونکہ صدقہ کرکے اسے واپس لینے والا اس کتے کی طرح ہے جو قے کرتا ہے اور پھر خود ہی اسے چاٹ لیتا ہے۔''(۱)

زندہ جانور کے عوض گوشت کا سودا

ایک روایت میں ہے کہ﴿ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنْ بَيْعِ اللَّحْمِ بِالْحَيَوَانِ ﴾''نبی کریم ﷺ نے گوشت کی بیع کو زندہ جانور کے بدلے ممنوع قرار دیا ہے۔''(۲)

نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک (مذکورہ) حدیث کا بہترین معنی یہ ہے کہ کوئی شخص قصائی سے کہے اس بکری سے کتنا گوشت نکلے گا جواب میں قصائی کہے کہ ''بیس رطل'' (پوچھنے والا) کہے تو بیس رطل گوشت کے عوض یہ بکری رکھ لو اگر اس سے زیادہ نکل آیا تو وہ تمہارا ہوگا اور اگر کم نکلا تو پھر بھی تم پر ہی ہوگا (یعنی میرے ذمہ کچھ نہیں ہوگا)۔ یہ جوئے کی ایک قسم ہے۔(۳) امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ نے بھی زندہ جانور کے بدلے گوشت کے سودے کو ناجائز قرار دیا ہے۔(٤)

حیوان کے بدلے حیوان کا سودا

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ﴿ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنْ بَيْعِ الْحَيَوَانِ بِالْحَيَوَانِ ﴾''نبی ﷺ نے حیوان کو حیوان کے بدلے (اُدھار) فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے۔''(٥)

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہاں اُدھار سے مراد دونوں طرف سے اُدھار ہے (یعنی بیع الکالی بالکالی)۔ امام خطابی رحمہ اللہ نے اسی کو پسند فرمایا ہے۔(٦) حاشیہ سندھی میں بھی یہی مذکور ہے کہ یہ بیع کالی بالکالی (اُدھار کے

---

(۱) [بخاري (۱٤۹۰) كتاب الزكاة : باب هل يشتري صدقته ، مسلم (۱٦۲۰) ابن ماجه (۲۳۹۰)]

(۲) [حسن : إرواء الغليل (۱۳٥۱) ' (۱۹۸/٥) مؤطا (٦٥٥/۲) ابو داود فی المراسيل (ص/۲۱) دارقطنی (۷۱.۳) حاكم (۳٥/۲) بيهقی (۲۹٦.٥)]

(۳) [الروضة الندية (۲٤۰/۲)]

(٤) [المغنی (۹۰/٦) الإنصاف (۲۳/٥) الأم (۹۸/۳) الحاوی (۱٥۷/٥) المبسوط (۱۸۰/۱۲)]

(٥) [صحيح : صحيح ابن ماجة (۱۸٤۱) المشكاة (۲۸۲۲) ابو داود (۳۳٥٦) ترمذی (۱۲۳۷) ابن ماجة (۲۲۷۰) دارمی (۲٥٤/۲) شرح معانی الآثار (٦۰/٤) بيهقی (۲۸۸/٥)]

(٦) [معالم السنن (۲۹/٥) سبل السلام (۱۱۳۰/۳)] مزید دیکھئے : حلية العلماء (۱٥٤/٤) الحاوی (۱۰۰.٥) المبسوط (۱۲۲.۱۲) الهداية (٦۲/۳) المغنی (٦٤/٦) سبل السلام (٥۱/۳)]

بدلے اُدھار) کی صورت ہونے کی وجہ سے ممنوع ہے۔[1]

اذانِ جمعہ کے بعد خرید وفروخت

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللهِ﴾ [الجمعة: ۹۔۱۰] ''اے ایمان والو! جمعہ کے دن نماز کی اذان دی جائے تو تم اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ پڑو اور خرید وفروخت چھوڑ دو۔ یہ تمہارے حق میں بہت ہی بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔ پھر جب نماز ہو چکے تو زمین میں پھیل جاؤ اور (تجارت وغیرہ کے ذریعے) اللہ کا فضل تلاش کرو۔''

اس آیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اہل علم نے اتفاق ظاہر کیا ہے کہ جمعہ کی اذان کے بعد خرید وفروخت یا کسی بھی قسم کی تجارت اور کاروبار حرام ہے۔ جیسا کہ امام ابن کثیر اور امام ابن رشد رحمہم اللہ وغیرہ[2] نے اس مسئلے پر اہل علم کا اجماع نقل فرمایا ہے۔ اختلاف اس بات میں ہے کہ آیت میں مذکور اذان سے مراد پہلی اذان ہے یا دوسری۔ تو اس کے متعلق قابل ترجیح رائے یہ ہے کہ یہاں دوسری اذان ہی مراد ہے جو امام کے منبر پر بیٹھنے کے بعد دی جاتی ہے۔ کیونکہ (ہر آیت کی طرح یقیناً) یہ آیت عہد رسالت میں نازل ہوئی اور عہد رسالت میں پہلی اذان کا تصور ہی نہیں تھا، بلکہ صحیح بخاری کی روایت کے مطابق ابو بکر وعمر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں بھی جمعہ کے لیے ایک ہی اذان دی جاتی تھی، جبکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جب لوگوں کی تعداد بڑھ گئی تو انہوں نے مسجد سے ہٹ کر ایک بلند مقام (زوراء) پر اذانِ جمعہ سے پہلے ایک اور اذان کہلوانی شروع کر دی تاکہ لوگوں کو جمعہ کے وقت کی اطلاع ہو جائے اور وہ کاروبار وغیرہ چھوڑ کر دوسری اذان (یعنی اذانِ جمعہ) کے وقت بآسانی مسجد میں حاضر ہوسکیں۔[3]

اذانِ جمعہ کے بعد کاروبار اور دیگر مصروفیات سے منع کرنے کا سبب بھی یہی ہے کہ کہیں نماز جمعہ نہ رہ جائے جو کہ واجب ہے۔ چنانچہ ایک روایت میں اذانِ جمعہ سن کر مسجد میں نہ آنے والوں کے لیے ان الفاظ میں وعید بھی سنائی گئی ہے ﴿لَيَنْتَهِيَنَّ أَقْوَامٌ يَسْمَعُونَ النِّدَاءَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ ثُمَّ لَا يَأْتُونَهَا أَوْ لَيَطْبَعَنَّ اللّٰهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ ثُمَّ لَيَكُونُنَّ مِنَ الْغَافِلِينَ﴾ ''وہ لوگ ضرور باز آجائیں جو جمعہ کے دن اذان سنتے ہیں پھر جمعہ کے

(۱) [حاشية السندى على النسائى (۷/۲۹۲)]

(۲) [تفسير ابن كثير (۸/۱۲۲) بداية المجتهد (۴/۱۶۹)]

(۳) [بخارى (۹۱۲) كتاب الجمعة : باب الاذان يوم الجمعة]

لیے نہیں آتے ورنہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر مہر لگا دے گا اور پھر وہ لازماً غافلوں میں سے ہو جائیں گے۔''[1]

مسجد میں خرید و فروخت

(1) ایک روایت میں ہے کہ ﴿ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰى عَنِ الشِّرَاءِ وَ الْبَيْعِ فِى الْمَسْجِدِ ﴾ ''رسول اللہ ﷺ نے مسجد میں خرید و فروخت سے منع فرمایا ہے۔''[2]

(2) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جب تم مسجد میں کسی شخص کو خرید و فروخت کرتے دیکھو تو اسے کہو ﴿ لَا اَرْبَحَ اللّٰهُ تِجَارَتَكَ ﴾ ''اللہ تعالیٰ تمہارے کاروبار میں نفع نہ کرے۔''[3]

معلوم ہوا کہ مسجد میں کسی بھی چیز کی سودے بازی یا خرید و فروخت جائز نہیں۔ اہل علم نے اسے حرام قرار دیا ہے کیونکہ حدیث میں اس سے ممانعت مذکور ہے اور اصول یہ ہے کہ ممانعت حرمت کا تقاضا کرتی ہے سوائے اس کے کہ کوئی قرینہ مل جائے جو حرمت کو کراہت کی طرف پھیر دے اور یہاں ایسا کوئی قرینہ بھی موجود نہیں۔ دوسرے یہ کہ مساجد کے قیام کا مقصد محض دینی اُمور (مثلاً نماز، تلاوتِ قرآن اور ذکر و اذکار وغیرہ) کی انجام دہی ہے نہ کہ دنیوی اُمور جیسے خرید و فروخت وغیرہ۔ مزید برآں خرید و فروخت میں بکثرت جھوٹی قسمیں بھی کھائی جاتی ہیں اس لیے ایسے کاموں کو مساجد اور مقاماتِ عبادت سے دور ہی رکھنا چاہیے۔

---

(۱) [**صحیح لغیرہ** : صحیح الترغیب (۷۳۰) طبرانی کبیر (۱۹۷) ابو نعیم فی الحلیة (۳۰۹/۹) کنز العمال (۲۱۱۴۲)] امام ہیثمیؒ نے فرمایا ہے کہ اس کی سند حسن ہے۔[مجمع الزوائد (۱۹۳/۲)]

(۲) [**حسن** : صحیح ابو داود (۹۹۱) ابو داود (۱۰۷۹) نسائی (۷۱۴) ابن ماجه (۱۱۳۳) مسند احمد (۱۷۹/۲)] شیخ شعیب ارناؤوط بھی اس کی سند کو حسن کہتے ہیں۔[الموسوعة الحديثية (٦٦٧٦)]

(۳) [**صحیح** : صحیح ترمذی (۱۰٦٦) کتاب البیوع : باب النهی عن البیع فی المسجد ' المشكاة (۷۳۳) إرواء الغليل (۱٤۹۵) ترمذی (۱۳۲۱) نسائی (۵۲/٦) ابن خزیمة (۱۳۰۵)]



3 سودی تجارت اور لین دین

سود کا معنی و مفہوم

○ سود کا لغوی مفہوم:

سود فارسی زبان کا لفظ ہے اور اردو میں بھی مستعمل ہے۔ اس کا معنی ہے ''نفع''۔ انگلش میں اس کے لیے Interest اور عربی میں الرِّبوٰا کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ الربوٰا کا لغت میں معنی ہے ''زیادتی، بڑھوتری''۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿أَن تَكُونَ أُمَّةٌ هِيَ أَرْبَىٰ مِنْ أُمَّةٍ﴾ [النحل : ۹۲] ''اس لیے کہ ایک گروہ دوسرے گروہ سے بڑھا چڑھا جائے۔'' ایک دوسری آیت میں ہے ﴿فَإِذَا أَنزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ﴾ [الحج : ۵] ''جب ہم اس پر بارشیں برساتے ہیں تو وہ اُبھرتی ہے اور پھولتی ہے۔''

○ سود کا اصطلاحی مفہوم:

اصطلاحاً سود کی ایک تعریف تو یہ کی گئی ہے کہ ''خرید و فروخت میں ایک جنس کے تبادلہ کے وقت زیادہ مقدار حاصل کرنا۔''(۲) اور ایک دوسری تعریف یہ ہے کہ ''سود ایسا زائد مال ہے جو شرعی معیار کے مطابق کسی عوض سے خالی ہو اور دو بیع کرنے والوں میں سے کسی ایک کے لیے معاوضہ میں مشروط ہو۔''(۳) اسی طرح ایک تعریف یہ بھی کی گئی ہے کہ ''اس مشروط اضافے کا نام سود ہے جو معاہدۂ لین دین میں بغیر کسی عوض و حق کے وصول کیا جائے۔''(۴)

○ سود ایک مشروط اضافہ:

یہاں یہ واضح رہے کہ سود صرف اس اضافے کا نام ہے جس کی وصولی کی قرض دیتے وقت شرط لگائی جائے اور اگر شرط نہ لگائی گئی ہو اور مقروض قرض کی ادائیگی کے وقت خود اپنی مرضی سے کوئی چیز اضافی طور پر دے دے تو یہ سود نہیں بلکہ یہ قرض کی ادائیگی کا اچھا طریقہ ہے جس کی اسلام نے بھی ترغیب دلائی ہے جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے کسی آدمی سے ایک اونٹ بطورِ قرض لیا اور جب اسے لوٹانے کا وقت آیا تو اتنی عمر کا تو نہیں البتہ اس سے بڑی عمر کا (بہتر) اونٹ موجود تھا تو آپ نے وہی دے دیا اور فرمایا کہ ﴿إِنَّ خِيَارَكُمْ أَحْسَنُكُمْ قَضَاءً﴾ ''تم میں بہترین لوگ وہ ہیں جو قرض ادا کرنے میں سب سے اچھے ہیں۔''(۵)

---

(۱) [القاموس المحيط (ص/۱۱۵۸) المنجد (ص/۲۷۶)]

(۲) [فتح الباري (۳۶/۵) سبل السلام (۱۱۱۲/۳)]　　(۳) [القاموس الفقهي (ص/۱۴۳)]

(۴) [المبسوط للسرخسي (۱۹۲/۱۲)]

(۵) [بخاري (۲۳۰۵) كتاب الوكالة : باب وكالة الشاهد والغائب جائزة' مسلم (۱۶۰۱)]

○ سود اور تجارت میں فرق:

آج کل بہت سے سودی معاملات ایسے ہیں جنہیں تجارت اور کاروبار کا نام دے کر جائز بنانے کی کوشش کی جارہی ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ سود اور تجارت میں بہت فرق ہے اور سب سے بڑا فرق یہ ہے کہ سود حرام ہے اور تجارت حلال ہے جیسا کہ ارشاد ہے کہ ﴿قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ [البقرۃ : ۲۷۵] ''سود خوروں نے کہا کہ تجارت بھی سود کی طرح ہی ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے۔'' تجارت اور سود میں فرق سمجھنے کے لیے درج ذیل مزید چند نکات ملاحظہ فرمائیے:

1- سود میں نفع کا حصول یقینی ہوتا ہے جبکہ تجارت میں نفع بھی ہوسکتا ہے اور نقصان بھی۔

2- سود میں صرف رقم کا رقم سے تبادلہ ہوتا ہے اور مخصوص مہلت کے عوض نفع حاصل کیا جاتا ہے جبکہ تجارت میں رقم کے بدلے کوئی جنس خریدی بیچی جاتی ہے جس کے لیے محنت و مشقت کی جاتی ہے اور پھر اسی کوشش و کاوش کے نتیجے میں نفع حاصل کیا جاتا ہے۔

3- سودی معاہدات طویل سے طویل تر ہوتے چلے جاتے ہیں جبکہ تجارتی معاہدات عموماً مختصر مدت میں ہی ختم ہو جاتے ہیں۔

○ سود اور کرائے میں فرق:

کچھ حضرات کا کہنا ہے کہ جیسے مختلف اشیاء کا کرایہ لینا درست ہے اسی طرح سود بھی تو رقم کا کرایہ ہی ہے اور اگر اشیاء کا کرایہ لینا جائز ہے تو رقم کا کیوں نہیں؟ ۔اس سوال کا جواب جاننے کے لیے ضروری ہے کہ سود اور کرائے کا باہمی فرق سمجھ لیا جائے تو آئندہ سطور میں سود اور کرائے کا فرق چند نکات کی صورت میں ملاحظہ فرمائیے:

1- سود محض وقت گزرنے کا منافع ہے جبکہ کرایہ وقت گزرنے کا نہیں بلکہ کسی چیز سے استفادے کا ہوتا ہے۔ کرائے پر وہی چیز لی جاتی ہے جس سے کوئی فائدہ اٹھایا جائے اور جس چیز سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا جا سکتا ہو اسے کوئی بھی کرائے پر نہیں لیتا۔ بالفاظِ دیگر کرایہ قابل استعمال چیز کا ہوتا ہے (جیسے گاڑی، گھر وغیرہ) اور رقم قابل استعمال نہیں ہوتی (کیونکہ نہ اسے پہنا جا سکتا ہے، نہ کھایا جا سکتا ہے وغیرہ) بلکہ رقم محض کچھ خریدنے کا ہی کام دیتی ہے اور بعد ازاں خریدی ہوئی چیز کو استعمال میں لا کر اس سے استفادہ کیا جاتا ہے۔

2- کرایہ پر دی ہوئی چیز استعمال کی وجہ سے ہمیشہ کم ہوتی ہے، یعنی مشینری، گھر، گاڑی وغیرہ استعمال میں لانے سے اس میں نقص واقع ہوتا ہے جبکہ قرض پر دی ہوئی رقم میں کوئی نقص نہیں ہوتا بلکہ اسے منافع (سود) سمیت پورے کا پورا واپس حاصل کر لیا جاتا ہے۔

3- کرایہ کی صورت میں مالکانہ حقوق مالک کے پاس ہی رہتے ہیں جبکہ سود میں قرض دار کو مکمل اختیار ہوتا ہے کہ وہ مال میں جیسے چاہے آزادانہ طور پر تصرف کرے۔

ان نکات کی روشنی میں یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ سود اور کرائے میں نمایاں فرق ہے اور یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کرائے کو کیوں جائز اور سود کو کیوں ناجائز قرار دیا ہے۔

سود کی حرمت و مذمت

(1) ﴿ اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ﴾[البقرة : ٢٧٥] ''سود خور لوگ نہ کھڑے ہوں گے مگر اسی طرح جس طرح وہ کھڑا ہوتا ہے جسے شیطان چھو کر خبطی بنا دے، یہ اس لیے کہ یہ کہا کرتے تھے کہ تجارت بھی تو سود ہی کی طرح ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام۔''

(2) ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿278﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾[البقرة : ٢٧٨ ـ ٢٧٩] ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈر جاؤ اور جو سود باقی رہ گیا ہے وہ چھوڑ دو' اگر تم سچ مچ ایمان والے ہو۔ اور اگر ایسا نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول سے لڑنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔''

یہ ایسی سخت وعید ہے جو اور کسی معصیت کے ارتکاب پر نہیں دی گئی۔ اسی لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ اسلامی مملکت میں جو شخص سود چھوڑنے پر تیار نہ ہو تو خلیفہ وقت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس سے توبہ کرائے اور باز نہ آنے کی صورت میں اس کی گردن اڑا دے۔[1]

(3) حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ﴿ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ آكِلَ الرِّبَا وَ مُوْكِلَهُ وَ كَاتِبَهُ وَ شَاهِدَيْهِ وَقَالَ هُمْ سَوَاءٌ ﴾ ''رسول اللہ ﷺ نے سود لینے والے' دینے والے' اس کے تحریر کرنے والے اور اس کے گواہوں پر لعنت کی ہے نیز فرمایا (گناہ کے ارتکاب میں) یہ سب مساوی و برابر ہیں۔''[2]

(4) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿ الرِّبَا ثَلَاثَةٌ وَسَبْعُوْنَ بَابًا اَيْسَرُهَا مِثْلُ اَنْ يَنْكِحَ الرَّجُلُ اُمَّهُ ﴾ ''سود کے تہتر (73) درجے ہیں سب سے کم تر درجہ اس گناہ کی مثل ہے کہ کوئی آدمی اپنی ماں کے ساتھ نکاح کرے۔''[3]

---

(١) [تفسير احسن البيان (ص : ١٢٣) تفسير ابن كثير (٧١٦/١)]

(٢) [مسلم (١٥٩٨) بخارى (٢٠٨٦) أحمد (٣٠٤/٣) ابو داود (٣٣٣) ترمذى (١٢٠٦)]

(٣) [**صحيح** : صحيح ابن ماجة (١٨٤٥) ابن ماجة (٢٢٧٥) حاكم (٣٧/٢)]

(5) ایک روایت میں یہ لفظ ہیں ﴿ دِرْهَمُ رِبًا يَأْكُلُهُ الرَّجُلُ وَهُوَ يَعْلَمُ اَشَدُّ مِنْ سِتٍّ وَثَلَاثِيْنَ زَنْيَةً ﴾ ''سود کا ایک درہم جسے جانتے ہوئے آدمی کھالے چھتیس (36) مرتبہ بدکاری کرنے سے بھی برا ہے۔''(۱)

(6) فرمانِ نبوی ہے کہ سات ہلاک کر دینے والی اشیا سے بچو (ان میں سے ایک یہ ہے) ﴿ وَ اَكْلُ الرِّبَا ﴾ ''سود کا کھانا۔''(۲)

(7) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿ مَاظَهَرَ فِيْ قَوْمِ الزِّنَا وَالرِّبَا إِلَّا اَحَلُّوْا بِاَنْفُسِهِمْ عِقَابَ اللّٰهِ ﴾ ''جس قوم میں زنا اور سود پھیل جاتا ہے وہ اپنے نفسوں پر اللہ کا عذاب حلال قرار دے دیتے ہیں۔''(۳)

(8) سود کی حرمت پر اُمت کا اجماع ہے۔(٤)

چھ اجناس میں تجارتی سود

(1) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿ اَلذَّهَبُ بِالذَّهَبِ وَ الْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ وَ الْبُرُّ بِالْبُرِّ وَ الشَّعِيْرُ بِالشَّعِيْرِ وَ التَّمْرُ بِالتَّمْرِ وَ الْمِلْحُ بِالْمِلْحِ مِثْلًا بِمِثْلٍ يَدًا بِيَدٍ فَمَنْ زَادَ اَوِ اسْتَزَادَ فَقَدْ اَرْبٰى ، اَلْآخِذُ وَ الْمُعْطِيْ فِيْهِ سَوَاءٌ ﴾ ''سونا سونے کے بدلے' چاندی چاندی کے بدلے' گندم گندم کے بدلے' جو جو کے بدلے' کھجور کھجور کے بدلے اور نمک نمک کے بدلے (یہ تمام اشیاء) برابر برابر نقد بنقد (فروخت کی جائیں) پھر جو زیادہ لے یا زیادہ دے تو اس نے سودی کاروبار کیا۔ سود لینے والا اور دینے والا (دونوں گناہ میں) برابر ہیں۔''(٥)

(3) حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿ لَا تَبِيْعُوا الذَّهَبَ بِالذَّهَبِ إِلَّا وَزْنًا بِوَزْنٍ ﴾ ''سونے کو سونے کے بدلے صرف برابر برابر (وزن کے ساتھ) ہی فروخت کرو۔''(٦)

جمہور فقہاء کے نزدیک تجارت میں سود کی دو قسمیں ہیں: ① **ربا الفضل**: ایک جنس کی دو اشیاء کو کمی بیشی کے ساتھ فروخت کرنا۔ ② **ربا النسیئہ**: اُس میں کمی بیشی تو نہ ہو لیکن ایک طرف سے نقد اور دوسری

---

(۱) [**صحيح** : غاية المرام (۱۷۲) المشكاة (۲۸۲٥) صحيح الجامع الصغير (۳۳۷٥) السلسلة الصحيحة (۱۰۳۳) احمد (۲۲٥/٥) مسند بزار (۲٦۳/۸) دارقطني (٤۸) شعب الايمان للبيهقي (٥٥۱۷)]

(۲) [بخاری (٦۸٥۷) كتاب الحدود : باب رمي المحصنات]

(۳) [**حسن لغيره** : صحيح الترغيب (۱۸٦۰) كتاب البيوع : باب الترهيب من الربا' مسند أبي يعلى (٤۹۸۱)]

(٤) [موسوعة الإجماع (٤۲۹/۱)]

(٥) [مسلم (۱٥۸٤) كتاب المساقاة : باب الرباء' أحمد (٤۹/۳)]

(٦) [مسلم (۱٥۹۱) ابو داود (۳۳٥۱) ترمذي (۱۲٥٥) نسائي (۲۷۹/۷) شرح معاني الآثار (۷۳/٤)]

طرف سے اُدھار کا معاملہ ہو۔ (۱)

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سونے اور چاندی میں تمام قسم کا سونا و چاندی شامل ہے خواہ عمدہ ہو یا ردی' صحیح ہو یا ٹوٹا ہوا' زیور ہو یا ڈلی اور خالص ہو یا ملاوٹ شدہ اور اس پر اجماع ہے۔ (۲)

⇦ یہاں یہ یاد رہے کہ سود صرف انہی چھ اجناس میں کمی بیشی یا نقد و اُدھار کی صورت میں ہے جن کا ذکر درج بالا حدیث میں ہے۔ ان کے علاوہ دیگر اجناس جیسے دالیں اور چاول وغیرہ کو ان چھ کے ساتھ نہیں ملایا جائے گا کیونکہ اگر دوسری اشیاء بھی ان میں شامل ہوتیں تو حدیث کے لفظ عام ہوتے یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کی وضاحت فرما دیتے۔ امام ابن حزم، امام شوکانی اور نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ علیہ نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے۔ (۳) اور امام بغوی رحمہ اللہ نے تو اس پر علما کا اتفاق بھی نقل کیا ہے۔ (٤)

اگر اجناس مختلف ہوں تو کمی بیشی جائز ہے جبکہ بیع نقد ہو

(1) حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' سونا سونے کے عوض' گندم گندم کے عوض' جو جو کے عوض' کھجور کھجور کے عوض اور نمک نمک کے عوض ایک دوسرے کی طرح برابر برابر اور نقد بنقد (فروخت کیے جائیں) ﴿ فَإِذَا اخْتَلَفَ هٰذِهِ الْأَصْنَافُ فَبِيْعُوْا كَيْفَ شِئْتُمْ إِذَا كَانَ يَدًا بِيَدٍ ﴾ ''اگر یہ اجناس مختلف ہوں تو پھر جس طرح چاہو فروخت کر لو مگر قیمت کی ادائیگی نقد ہو۔'' ایک روایت میں یہ لفظ ہیں ﴿ اَمَرَنَا اَنْ نَبِيْعَ الْبُرَّ بِالشَّعِيْرِ وَالشَّعِيْرَ بِالْبُرِّ يَدًا بِيَدٍ كَيْفَ شِئْنَا ﴾ ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم گندم کو جو کے عوض اور جو کو گندم کے عوض جیسے چاہیں فروخت کریں جبکہ وہ نقد بنقد ہوں۔'' (٥)

(3) صحیح بخاری کی ایک روایت میں یہ لفظ ہیں ﴿ وَاَمَرَنَا اَنْ نَشْتَرِيَ الْفِضَّةَ بِالذَّهَبِ كَيْفَ شِئْنَا ﴾ ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ سونے کے عوض چاندی جیسے چاہیں خریدیں۔'' (٦)

ملی جلی جنس اگر جدا ہو سکتی ہو تو اسے جدا کر کے بیچنا چاہیے

حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے خیبر کے روز ایک ہار بارہ دینار کا خریدا اس میں سونا

---

(۱) [المغني (١/٤) أعلام المؤقعين (١٣٥/٢) بداية المجتهد (١٢٩/٢) بدائع الصنائع (٨٣/٥)]

(۲) [شرح مسلم للنووی (١٤/٦)]

(۳) [سبل السلام (١١١٩/٣) السيل الجرار (٦٤/٣-٦٥) الروضة الندية (٢٣٥/٢)]

(٤) [شرح السنة (٥٧/٨)]

(٥) [مسلم (١٥٨٧) كتاب المساقاة : باب الصرف وبيع الذهب بالورق نقدا' ترمذی (١٢٤٠) ابو داود (٣٣٤٩) ابن ماجة (٢٢٥٤) دارمی (٢٥٨/٢) أحمد (٣١٤/٥)]

(٦) [بخاری (٢١٧٥' ٢١٨٢) مسلم (١٥٩٠) نسائی (٢٨٠/٧) أحمد (٣٨/٥) ابن حبان (٥٠١٤)]

اور پتھر کے نگینے تھے۔ میں نے ان کو الگ کر دیا تو میں نے اس میں بارہ دینار سے زیادہ پایا۔ میں نے اس کا ذکر نبی کریم ﷺ سے کیا تو آپ نے فرمایا﴿ لَا تُبَاعُ حَتَّى تُفَصَّلَ ﴾ ”جب تک ان کو الگ الگ نہ کر لیا جائے فروخت نہ کیا جائے۔“(۱)

یہ حدیث اس بات کا ثبوت ہے کہ سونا جو کسی چیز کے ساتھ ملا ہوا ہو، اس کی بیع سونے کے ساتھ اس وقت تک جائز نہیں جب تک اسے اس چیز سے الگ نہ کر لیا جائے، پھر سونے کو اس کے برابر سونے کے عوض جبکہ اس چیز کو الگ فروخت کرنا چاہیے۔ امام شافعی، امام احمد اور دیگر ائمہ سلف رحمہم اللہ کی اکثریت حدیث کے اسی ظاہری مفہوم پر عمل کی ہی قائل ہے جیسا کہ امام صنعانی رحمہ اللہ نے نقل فرمایا ہے۔ (۲)

بیع عینہ

(1) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا﴿ إِذَا تَبَايَعْتُمْ بِالْعِينَةِ وَأَخَذْتُمْ أَذْنَابَ الْبَقَرِ وَرَضِيتُمْ بِالزَّرْعِ وَتَرَكْتُمُ الْجِهَادَ سَلَّطَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ ذُلًّا لَا يَنْزِعُهُ حَتَّى تَرْجِعُوْا إِلَى دِيْنِكُمْ ﴾ ”جب تم بیع عینہ کرنے لگو گے، بیلوں کی دُمیں پکڑ لو گے، کھیتی باڑی میں ہی راضی ہو جاؤ گے اور جہاد ترک کر دو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر ذلت مسلط کر دیں گے اور اس ذلت کو تم سے اس وقت تک دور نہیں کریں گے جب تک تم اپنے دین کی طرف پلٹ نہ آؤ۔“(۳) **بیع عینہ** یہ ہے کہ آدمی کوئی چیز مقررہ قیمت پر معین وقت تک کے لیے فروخت کرے جب یہ معین میعاد پوری ہو جائے تو خریدار سے وہی چیز کم قیمت پر خرید لے کہ زائد رقم اس کے ذمہ باقی رہ جائے۔ اس کا نام عینہ اس لیے رکھا گیا ہے کہ فروخت کردہ چیز (بعینہٖ) وہی ہے اور اسی حالت میں حاصل ہو جاتی ہے اور اصل مال خریدار سے لوٹ کر فروخت کنندہ کے پاس پھر پہنچ جاتا ہے۔(۴)

(2) ایک عورت نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا کہ میں نے آٹھ سو درہم اُدھار کے عوض زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے ایک غلام کی بیع کی اور پھر میں نے اسی غلام کو چھ سو درہم نقد کے بدلے ان سے خرید لیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا ”تم نے بہت بری خرید و فروخت کی ہے۔“(۵)

---

(۱) [مسلم (۱۵۹۱) كتاب المساقاة : باب بيع القلادة فيها خرز وذهب، ابو داود (۳۳۵۲) ترمذی (۱۲۵۵) نسائی (۲۷۹/۷) أحمد (۲۱/۶) شرح معانی الآثار (۷۳/۴) مشكل الآثار (۲۴۳/۴) دارقطنی (۳/۳)]

(۲) [سبل السلام (۴۰/۳)]

(۳) [**صحيح** : الصحيحة (۱۱) ابو داود (۳۴۶۲) أحمد (۲۷/۷) تلخيص الحبير (۱۹/۳)]

(۴) [سبل السلام (۱۱۳۲/۳)]

(۵) [أحمد كما في نصب الراية (۱۶/۴) عبدالرزاق (۱۸۴/۸) دارقطنی (۵۲/۳) بيهقی (۳۳۰/۵)]

معلوم ہوا کہ بیع عینہ جائز نہیں کیونکہ اس میں سود کو جائز کرنے کا حیلہ کیا جاتا ہے۔امام احمد، امام مالک اور امام ابوحنیفہ ؒ نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے۔(۱) امام ابن قیم ؒ نے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ یہ بیع ناجائز اور حرام ہے۔(۲)

کیا توبہ کے بعد سود کی بقیہ رقم وصول کی جا سکتی ہے؟

سود سے توبہ کر لینے کے بعد اگر کسی نے لوگوں سے سودی رقم وصول کرنی ہے تو نہ لے بلکہ اپنی اصل رقم ہی وصول کرے۔چنانچہ قرآن میں ہے کہ ﴿وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ﴾ [البقرة : ۲۷۹] ''اگر توبہ کرلو تو تمہارا اصلی مال تمہارا ہے نہ تم ظلم کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے۔'' اور ایک فرمانِ نبوی یوں ہے کہ ﴿ألا إن كل ربا الجاهلية موضوع إن تبتم فلكم رءوس أموالكم لا تظلمون ولا تظلمون﴾ ''خبردار! جاہلیت کا ہر سود ختم کر دیا گیا ہے اگر تم توبہ کرلو تو تمہارے لیے تمہارا اصل مال ہے نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے۔''(۳) تفسیر خازن میں ہے کہ حضرت عباس اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہما زمانہ جاہلیت میں سودی کاروبار کیا کرتے تھے۔جب یہ آیت ﴿وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا﴾ نازل ہوئی تو ان کی بہت بڑی سودی رقم واجب الوصول تھی، جو انہوں نے چھوڑ دی۔(۴)

بینکوں میں اکاؤنٹ کھلوانا

بینکوں میں اکاؤنٹ کھلوانا ناجائز ہے کیونکہ اگر سیونگ اکاؤنٹ ہوگا تو وہ سود لینے دینے کی وجہ سے حرام ہے اور اگر کرنٹ اکاؤنٹ ہوگا تو وہ سودی کاروبار میں تعاون کی وجہ سے ناجائز ہے۔چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ [المائدة : ۲] ''اور گناہ اور سرکشی کے کاموں میں ایک دوسرے کا تعاون مت کرو۔'' البتہ اگر کوئی مجبوری ہو جیسے بینک کے بغیر پیسے کی حفاظت ہی ممکن نہ ہو تو پھر کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ پیسے کے بغیر نہ تو کوئی دنیوی کام کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی دینی۔یہی باعث ہے کہ اسلام میں پیسے کی حفاظت کی ترغیب دی گئی ہے جیسا کہ قرآن میں ہے کہ ﴿وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا﴾ [النساء : ۵] ''اور بے وقوفوں (نابالغ اور بے سمجھ بچوں یا کم بصیرت عورتوں وغیرہ) کو اپنا مال مت دو جسے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے گزران کا سبب بنایا ہے۔'' یہاں بے وقوفوں کو مال نہ دینے کا حکم اسی لیے ہے کیونکہ پیسے کو

---

(۱) [روضة الطالبين (۸۱/۳) الأم (۴۸/۳) المغنى (۲۶۰/۶) كشاف القناع (۱۸۵/۳) الهداية (۴۷/۳)]

(۲) [كما فى نيل الأوطار (۵۸۸/۳)]

(۳) [**صحيح** : صحيح ابو داود (۲۸۵۲) كتاب البيوع : باب فى وضع الربا ' ابو داود (۳۳۳۴)]

(۴) [لباب التاويل فى معانى التنزيل ، المعروف بالتفسير الخازن (۳۱۵/۱)]

ضائع ہونے سے بچانا اور پیسے کی حفاظت مقصود ہے۔ اسی طرح ایک روایت میں پیسے کی حفاظت میں قتل ہونے والے کو شہید کہا گیا ہے چنانچہ فرمانِ نبوی ہے کہ ﴿ مَنْ قُتِلَ دُوْنَ مَالِهِ فَهُوَ شَهِيْدٌ ﴾ ''جو اپنے مال کی حفاظت میں قتل کر دیا گیا وہ شہید ہے۔'' (۱)

معلوم ہوا کہ اسلام چاہتا ہے کہ پیسہ محفوظ رہے۔ لہٰذا اگر پیسے کی حفاظت بینکوں کے ذریعے ہی ممکن ہو تو بینکوں میں کرنٹ اکاؤنٹ کھلوایا جا سکتا ہے۔ البتہ اگر مزید احتیاط کے پیش نظر کرنٹ اکاؤنٹ کے لیے بھی کسی اسلامی بینک کا انتخاب کیا جائے تو بہتر ہے۔

قسطوں کا کاروبار

قسطوں کے کاروبار کے متعلق اہل علم کی دو آراء ہیں:

① ایک رائے تو یہ ہے کہ اس کی صورت اگر ایسی ہو کہ خریدی بیچی جانے والی چیز کی قیمت بذریعہ اقساط ادائیگی کی صورت میں بھی وہی ہو جو نقد ادائیگی کی صورت میں ہے تو جائز ہے اور اگر نقد کم اور قسطوں پر قیمت زیادہ ہو تو یہ ناجائز ہے جیسا کہ

1- ایک روایت میں ہے کہ ﴿ نَهَى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ بَيْعَتَيْنِ فِيْ بَيْعَةٍ ﴾ ''رسول اللہ ﷺ نے ایک بیع میں دو بیع کرنے سے منع فرمایا ہے۔'' سنن ابوداود کی روایت میں یہ لفظ ہیں ﴿ مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ فِيْ بَيْعَةٍ فَلَهُ أَوْكَسُهُمَا أَوِ الرِّبَا ﴾ ''جس کسی نے ایک چیز کی دو قیمتیں مقرر کیں وہ یا تو کم قیمت لے یا پھر وہ سود ہوگا۔'' (۲)

2- مزید برآں ان حضرات کا کہنا ہے کہ اُدھار کی صورت میں جو قیمت میں اضافہ کیا گیا ہے وہی سود ہے کیونکہ قسطوں پر مہنگی چیز لینے کی مثال ایسے ہی ہے جیسے آپ نے کسی کو قرض دے دیا، اب جتنا قرض دیا ہے یقیناً اتنی ہی رقم واپس لینی چاہیے اور اگر کوئی اس پر کچھ منافع لے گا تو بلاشبہ یہ سود ہوگا۔ اسی طرح گاڑی اُدھار دینے والے کے لیے بھی اتنی ہی رقم وصول کرنا جائز ہے جتنے کی گاڑی ہے، اگر وہ زیادہ وصول کرتا ہے تو یہ سود ہے۔

② تاہم اس بارے میں دوسری رائے یہ ہے کہ نقد اور اُدھار کی الگ الگ قیمت مقرر کرنے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ اُدھار والے کے ساتھ جو قیمت مقرر کی جائے مدت میں کمی بیشی کی صورت میں قیمت میں کمی بیشی نہ ہو۔ مثلاً اگر کسی نے قسطوں پر گاڑی خریدی اور رقم کی ادائیگی کے لیے ایک سال کی مدت طے ہوئی، پھر اگر خریدار کے پاس چھ ماہ میں ہی مکمل رقم کا بندوبست ہو جائے تو قیمت پھر بھی وہی رہے اور اگر کسی وجہ سے خریدار سال بھر میں بھی

---

(۱) [صحیح : صحیح الجامع الصغیر (٦٤٤٥) ابوداود (٤٧٧٢) ابن ماجه (٢٥٨٠) ترمذی (١٤١٨) نسائی (٤٠٨٧) المشكاة (٣٥١٢)]

(۲) [حسن : إرواء الغليل (١٤٩/٥) ترمذی (١٢٣١) ابو داود (٣٤٦١) نسائی (٤٢٣٢)]

مکمل ادائیگی نہ کر سکے اور ایک دو ماہ کا مزید طلبگار ہو تو قیمت پھر بھی وہی رہے اور اگر اس مدت کی کمی بیشی کی وجہ سے قیمت میں کمی بیشی کی جائے (جیسا کہ آج کل یہی ہو رہا ہے) تب یہ بیع ناجائز ہے۔ ان حضرات کے چند دلائل حسب ذیل ہیں:

1- معاملات میں اصل جواز ہے الا کہ کسی چیز کی ممانعت شریعت میں مذکور ہو۔ اور شریعت نے ایسا کوئی ضابطہ مقرر نہیں کیا جس سے معلوم ہوتا ہو کہ اشیاء کی قیمتیں کتنی ہونی چاہییں۔ اس لیے مالک حسبِ منشا قیمتوں میں کمی بیشی کا اختیار رکھتا ہے۔

2- ایک بیع میں دو بیع یا دو شرطوں سے ممانعت والی روایات کے متعلق ان کا کہنا ہے کہ ان روایات میں ممانعت اس بات سے ہے کہ نقد یا اُدھار میں سے کسی ایک ریٹ کے تعین کے بغیر سودا کر لیا جائے۔ اس صورت میں چونکہ اصل قیمت مجہول رہ جاتی ہے اس لیے یہ بیع ناجائز ہے۔ لیکن اگر نقد یا اُدھار میں سے کسی ایک طریقے، قیمت اور مدتِ ادائیگی کا تعین کر لیا جائے تو پھر کوئی حرج نہیں۔ جیسا کہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے ''ایک بیع میں دو بیع والی روایت'' نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ کچھ اہل علم نے اس کی تشریح یوں کی ہے کہ بائع مشتری سے کہے کہ میں تمہیں یہ کپڑا نقد دس روپے کا اور اُدھار بیس روپے کا فروخت کرتا ہوں اور پھر کسی ایک ریٹ پر اتفاق کیے بغیر ہی جدائی ہو جائے (تو یہ ممنوع ہے) لیکن اگر کسی ایک ریٹ پر اتفاق ہونے کے بعد جدائی ہو تو کوئی حرج نہیں کیونکہ ایک معاملہ طے ہو گیا ہے۔[1] معلوم ہوا کہ ''ایک بیع میں دو بیع'' سے ممانعت کا سبب بیع کے وقت قیمت کا عدمِ تعین ہے جس بنا پر قیمت مجہول رہ جاتی ہے اور اگر کسی ایک قیمت کا تعین کر کے یہ جہالت ختم کر دی جائے تو پھر یہ بیع جائز ہے۔

3- اُدھار کی صورت میں قیمت میں جو اضافہ کیا گیا ہے وہ سود بھی نہیں اور نہ ہی وہ قرض میں اضافے کی مانند ہے کیونکہ قرض میں سود وصول کرنے والا قرض دی ہوئی رقم پر اضافی رقم وصول کرتا ہے جبکہ اُدھار کی صورت میں قیمت میں اضافہ کرنے والا اتنی ہی رقم وصول کرتا ہے جو مقرر کی گئی ہے (یہ الگ بات ہے کہ بائع کو قیمت میں کمی بیشی کا اختیار ہے اس لیے وہ اُدھار کی صورت میں چیز کا ریٹ ہی زیادہ رکھ لیتا ہے)۔

4- ائمہ اربعہ اور جمہور فقہا و محدثین کی بھی یہی رائے ہے کہ نقد کے مقابلے میں اُدھار کی صورت میں قیمت زیادہ کرنا جائز ہے بشرطیکہ بائع اور مشتری کسی ایک قیمت پر اتفاق کر لیں۔[2]

5- علاوہ ازیں شیخ شنقیطی[3]، شیخ ابن باز رحمہ اللہ[4]، سعودی مستقل فتویٰ کمیٹی (عبد العزیز آل شیخ، صالح

---

(۱) [ترمذی (بعد الحديث: ۱۲۳۱) كتاب البيوع]

(۲) [نيل الأوطار (۱۷۲/۵)]

(۳) [شرح زاد المستقنع (۱۵۱/۱۲)] (٤) [فتاوى اسلامية (۷۳۵/۲)]

فوزان، عبداللہ بن غدیان، عبدالرزاق عفیفی، شیخ ابن باز)[1]، شیخ حسام الدین عفانہ[2]، شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ[3] اور مولانا تقی عثمانی حفظہ اللہ[4] وغیرہ اہل علم نے بھی متعدد دلائل کے پیش نظر یہی رائے اختیار کی ہے کہ قسطوں کی صورت میں قیمت زیادہ لینا جائز ہے، نہ تو یہ سود ہے اور نہ ہی بیع کی کوئی ناجائز صورت۔

ترجیحی رائے : دوسری رائے کے حاملین کے دلائل زیادہ قوی معلوم ہوتے ہیں۔(واللہ اعلم)

کار لیزنگ (Car Leasing)

کار لیزنگ یہ ہے کہ بینک کار کے خواہشمند کو بذریعہ اقساط قیمت کی ادائیگی کی سہولت دے کر (نقد قیمت کے مقابلے میں گراں قیمت پر) کار مہیا کر دیتا ہے۔ پھر مکمل قیمت کی ادائیگی تک اس سے ہر ماہ مقررہ قسط وصول کرتا رہتا ہے۔ اگر شرعی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو مروجہ کار لیزنگ میں مختلف قباحتیں پائی جاتی ہیں جیسے کہ

1- اگر کوئی شخص مقررہ مدت میں ادائیگی نہ کر سکے تو اس پر بطورِ جرمانہ مزید رقم ڈال دی جاتی ہے جو علماء کی اکثریت کے نزدیک سود ہونے کی وجہ سے حرام ہے۔

2- لیز پر مہیا کی جانے والی ہر گاڑی کی انشورنس (یا تکافل) کروائی جاتی ہے اور انشورنس (یا تکافل) سود اور جوئے کا مرکب ہونے کی وجہ سے حرام ہے جیسا کہ اس کی مزید وضاحت آئندہ سطور میں آ رہی ہے۔

لہٰذا اگر کار کی قیمت نقد ادا کرنے کی طاقت نہ ہو تو بینک یا دیگر کمپنیوں سے لیز پر کار وغیرہ خریدنے سے اجتناب ہی کرنا چاہیے۔ یقیناً دنیا میں کچھ مشکل برداشت کر لینا آخرت کی مشکلات سے کہیں آسان ہے۔

انشورنس (Insurance)

بیمہ اصل میں انگریزی زبان کے لفظ (Insure) سے ماخوذ ہے۔ لغوی اعتبار سے اس کا معنی ''یقین دہانی'' ہے۔ چونکہ بیمہ کرانے والے کو مستقبل میں نقصانات کی تلافی اور خطرات سے حفاظت کی یقین دہانی کرائی جاتی ہے اس لیے اسے انشورنس (Insurance) کا نام دیا گیا ہے۔ اور بیمہ کمپنی کو بھی اسی لیے انشورنس کمپنی کہتے ہیں کیونکہ وہ بیمہ کرانے والے کو یہ یقین دہانی کراتی ہے۔ یہ ایک ایسا معاملہ ہوتا ہے جو بیمہ کرانے والے اور بیمہ کمپنی کے درمیان طے ہوتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ بیمہ کمپنی' جس میں بہت سے سرمایہ دار شریک ہوتے ہیں اسی طرح جس طرح تجارتی کمپنیاں ہوتی ہیں' بیمہ کرانے والے سے ایک بیمہ رقم بالاقساط وصول کرتی رہتی ہے اور ایک معینہ مدت کے بعد وہ رقم اسے یا اس کے پسماندگان کو حسب شرائط واپس کر دیتی ہے۔ اس کے ساتھ ایک

---

(۱) [فتاوی اللجنة الدائمة (۱۳/۱۶۱)] (۲) [فتاوی یسئلونك (۲/۷٤)]

(۳) [فتاوی نور علی الدرب (۱۷/۲٤۳)] (٤) [قضایا فقهیة معاصرة (ص: ۱۱)]

مقررہ شرح فیصد کے حساب سے اصل رقم کے ساتھ کچھ مزید رقم بطور سود دیتی ہے گو اس رقم کا نام ان کی اصطلاح میں ربا یا سود نہیں بلکہ بونس یعنی منافع ہے۔

کمپنی کا مقصد اس رقم کے جمع کرنے سے یہ ہوتا ہے کہ اسے دوسرے لوگوں کو بطور قرض دے کر ان سے اعلیٰ شرح پر سود حاصل کرے یا کسی تجارت میں لگا کر یا کوئی جائیداد خرید کر اس سے منافع حاصل کرے، اس کے شرکاء اپنی ذاتی رقم خرچ کئے بغیر کثیر رقم بصورت سود یا منافع حاصل کرتے ہیں۔ اور اسی سود یا منافع میں سے بیمہ کرانے والے کو حصہ دیتے ہیں۔

ہوسکتا ہے کہ کسی درجے میں ان لوگوں کا مقصد مصیبت زدہ یا پریشان حال افراد کی امداد بھی ہوتا ہو۔ لیکن اصل مقصد وہی ہوتا ہے جو اوپر بیان کر دیا گیا ہے۔ بیمہ کرانے والے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس کا سرمایہ محفوظ رہے اور اس میں اضافہ بھی ہو۔ اس کے علاوہ اس کے پسماندگان کو امداد حاصل ہو یا ناگہانی حادثات کی صورت میں اس کے نقصانات کی تلافی ہو جائے۔

بیمہ کی بڑی بڑی تین قسمیں ہیں:

(1) **زندگی کا بیمہ:** زندگی کا بیمہ تو مکمل جسم کا بیمہ ہوتا ہے لیکن آج کل انفرادی اعضاء مثلاً ہاتھ، سر اور ٹانگوں وغیرہ کے بیمہ کا رواج بھی بکثرت ہوتا جا رہا ہے۔

(2) **املاک کا بیمہ:** اس بیمہ میں عمارت، کارخانہ، موٹر اور جہاز وغیرہ جیسی دیگر اشیاء کا بیمہ شامل ہے۔

(3) **ذمہ داریوں کا بیمہ:** اس میں بچوں کی تعلیم اور شادی وغیرہ کا بیمہ شامل ہے۔ بیمہ کمپنی ان کاموں کو سرانجام دینے کی ذمہ دار ہوتی ہے۔

خلاصہ: یہ ہے کہ بیمہ کی کوئی بھی صورت ہو اور کوئی بھی قسم ہو ہر صورت اور ہر قسم ناجائز ہے۔ کیونکہ یہ سود لینے، سودی کاروبار میں تعاون کرنے اور جوئے پر مشتمل ہے۔ سود لینا اس طرح کہ بیمہ کرانے والا جتنی رقم ادا کرتا ہے اسے اس سے زیادہ رقم بغیر کسی محنت کے منافع کی صورت میں ادا کی جاتی ہے جو کہ فی الحقیقت سود ہوتا ہے۔ سودی کاروبار میں تعاون اس لیے کیونکہ بیمہ کمپنی میں شریک سرمایہ دار اس رقم سے سودی کاروبار کرتے ہیں۔ اور جوا اس لیے کیونکہ بیمہ کرانے والے اور بیمہ کمپنی دونوں کو اس چیز کا علم نہیں ہوتا کہ ان میں سے کسے نقصان اٹھانا پڑے گا۔ قارئین کے مزید استفادے کے لیے آئندہ سطور میں انشورنس کے متعلق مولانا عبیداللہ رحمانی مبارکپوری رحمہ اللہ کا تفصیلی فتویٰ درج کیا جا رہا ہے، ملاحظہ فرمائیے۔

⇦ مولانا فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک ان لوگوں کا قول صحیح ہے جو زندگی کا بیمہ کرانے کو ناجائز کہتے ہیں اور وہ لوگ غلطی پر ہیں جنہوں نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔

انسان یا جانور کی زندگی یا جائداد کا بیمہ کرنے کی حقیقت پر غور کیا جائے تو سوال کا جواب اس کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا کہ (انشورنس) بیمہ کرانے کو جائز بتانا سود کو یا قمار کو حلال کرنا ہے۔ بیمہ کمپنیوں کا اصول ہے کہ زندگی کا بیمہ کرانے والا یا بیمہ کرایا ہوا جانور بیمہ کی معینہ مدت سے قبل مر جائے یا بیمہ کرائی ہوئی جائیداد کسی ناگہانی آفت سے مقررہ مدت کے اندر ضائع ہو جائے تو بیمہ کی پوری مقررہ رقم اس کے ورثاء کو یا جائیداد اور جانور کے مالک کو مل جاتی ہے اور اگر بیمہ کرانے والا یا جانور یا جائیداد' مقررہ مدت تک زندہ اور محفوظ رہے تو کل جمع کردہ رقم بمعہ سود بیمہ کرانے والے کو یا جائیداد کے مالک کو ملتی ہے اور اگر کچھ رقم جمع کرنے کے بعد بیمہ کرانے والا مسلسل دو سال تک مقررہ اقساط ادا کرنے سے قصداً انکار کر دے یا مجبوراً ادا نہ کر سکے تو یہ بیمہ کمپنی ادا شدہ قسطوں کو ضبط کر لیتی ہے۔

سوال یہ ہے کہ مقررہ مدت کے اندر مر جانے یا بیمہ کردہ چیز کے تلف ہو جانے کی صورت میں اور اسی طرح مقررہ مدت تک زندہ اور محفوظ رہنے کی صورت میں بیمہ کمپنیاں بیمہ کرانے والوں کو یا ان کے ورثاء کو ان کی جمع کردہ رقم سے زائد جو کچھ دیتی ہیں اس کی کیا حیثیت ونوعیت ہے؟ اور وہ کہاں سے آتا ہے اور کیونکر آتا ہے؟

ظاہر ہے وہ صدقہ وخیرات یا تحفہ وہدیہ تو ہے نہیں اور نہ ہی قرض ہے۔ پھر دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں ایک یہ کہ بیمہ کمپنی جمع شدہ روپیہ دوسروں کو سود دیتی ہو اور اس میں سے ایک معین حصہ بیمہ کرانے والوں میں بانٹ دیتی ہو جیسا کہ عام بنکوں کا طریقہ ہے یا یہ کہ بیمہ کمپنی خود ہی اس روپیہ سے تجارت کرے اور اس کے منافع سے ایک معین اور طے شدہ حصہ بیمہ کرانے والوں کے حساب میں جمع کرتی رہے اور یہ بلاشبہ سود ہے کیونکہ اصل رقم کے علاوہ طے شدہ منافع کے ادا کرنے کا ہی نام سود ہے۔

اور یہ خیال وتوجیہ کہ بیمہ کرانے والے اس تجارت میں شریک یا رب المال اور مضارب کی حیثیت رکھتے ہیں اور بیمہ کمپنی عامل ومضارَب (بفتح را) کی حیثیت رکھتی ہے' پس زائد رقم اس حیثیت سے بیمہ کرنے والوں کے لیے حلال وطیب ہوگی، غلط اور باطل ہے اس لیے کہ اگر یہ صورت حلال ہو تو ان شرکاء یا ارباب اموال (بیمہ کرنے والوں) کو ایک طے شدہ معینہ رقم نہیں ملنی چاہیے بلکہ کمی اور بیشی کے ساتھ نفع اور نقصان دونوں میں شریک رہنا چاہیے اور یہاں ایک طے شدہ معین نفع (زائد رقم) ہی ملتا ہے اور بیمہ کمپنیاں عام طور پر اصل رقم سے زائد جو کچھ دیتی ہیں اس کی شرح اور مقدار پہلے ہی سے معین کر دیتی ہیں اور اگر کوئی کمپنی اس کو اصولاً معین نہ کرتی ہو بلکہ زائد رقم کو سالانہ نفع اور نقصان کا لحاظ کر کے فی صد پر رکھتی ہو تب بھی یہ طریقہ وجہ جواز نہیں ہو سکتا اس لیے کہ اس کاروبار میں نقصان کا سوال ہی نہیں آنے دیا جاتا نیز بیمہ کمپنیوں کے متفقہ اصولوں میں سے بعض ایسے بھی ہیں جن کی وجہ سے یہ سارا کاروبار اور ڈھانچہ ہی شرعاً ناجائز ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ پہلے بیمہ کرانے والوں کو بعد کے بیمہ کرانے والوں کا روپیہ دیا جاتا ہو۔ لیکن اس

طرح ایک کی رقم دوسرے کو دے دینے کا حق تو شرعاً کسی کو بھی نہیں ہے ایسی صورت میں جواز کا فتویٰ دینا سود یا قمار کا فتویٰ دینا نہیں تو اور کیا ہے؟ اور کچھ رقم جمع کرنے کے بعد بقیہ اقساط کے قصداً یا مجبوراً ادا نہ کرنے کی صورت میں ادا شدہ قسطوں کا ضبط کر لینا کس شرعی ضابطہ کی رو سے جائز ہے؟ یہ باطل طریقے سے مال کھانا نہیں تو اور کیا ہے؟ نیز بیمہ کرانے والوں کے لیے ایسے کاروبار کرنے والوں کو روپیہ دینا جو بغیر کسی شرعی سبب کے ان کی رقم ایک غلط اصول کی رو سے ہضم کر لیں کہاں سے شرعاً جائز ہے؟

بہر حال انشورنس کا کاروبار شرعاً ناجائز ہے، یہ یورپ کے نظام سرمایہ داری کا ایک طبعی تقاضا ہے اور اس کا تصور بھی اسلامیت سے سخت بعید ہے لہٰذا زندگی وغیرہ کا بیمہ کرانا ہرگز جائز نہیں۔ (واللہ اعلم)(۱)

انعامی بانڈز

حکومت کی طرف سے جاری کیے جانے والے انعامی بانڈز کی خرید وفروخت ایک ناجائز عمل ہے کیونکہ یہ بھی سود اور جوئے کا ہی مرکب ہے۔ سود اس لیے کہ جس شخص کا نمبر نکل آتا ہے اسے تمام لوگوں کی جمع شدہ رقم کا سود بطور انعام دے دیا جاتا ہے اور جوا اس لیے کہ اس رقم کا ملنا کسی اُصول وضابطے کے تحت نہیں بلکہ محض اتفاق اور قسمت کی بات ہے اور یہی جوا ہے۔ مزید برآں یہ عمل اس لیے بھی جائز نہیں کہ اس میں رقم جمع کرانے والے تمام افراد کا حق صرف ایک شخص کو دے دیا جاتا ہے۔

جی پی (جنرل پرائیویڈنٹ) فنڈ

جی پی فنڈ سے مراد وہ رقم ہے جو ہر ماہ سرکاری ملازمین کی تنخواہوں سے حکومت کاٹتی ہے اور پھر ان کی ریٹائرمنٹ پر کاٹی ہوئی رقم بمعہ اضافہ انہیں دیتی ہے۔ ملازمین کو چاہیے کہ ریٹائرمنٹ پر صرف اپنی اصل رقم ہی وصول کریں اور اضافی رقم سے بچیں کیونکہ وہ سود ہے اور یہ بات غلط ہے کہ سودی رقم ملازمین کو جبراً دی جاتی ہے بلکہ جی پی فنڈ کی کٹوتی شروع ہی اس وقت ہوتی ہے جب ملازم اس کا فارم پر کر کے جمع کرواتا ہے اور اس فارم کے خانہ نمبر ۱۴ میں واضح طور پر لکھا ہوتا ہے کہ ''کیا ملازم اپنی جمع شدہ رقم پر سود کا خواہش مند ہے یا نہیں؟'' اگر وہاں ملازم سود کی وصولی سے انکار تحریر کر دے تو اس کی کاٹی ہوئی رقم میں سود کی آمیزش نہیں کی جاتی۔ اس لیے ہر سرکاری ملازم کو چاہیے کہ اس زائد سودی رقم کی وصولی سے اجتناب کرے جس کے سود ہونے میں کوئی شبہ ہی نہیں بطورِ خاص اس لیے کہ خود حکومت نے فارم پر اسے سود ہی قرار دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَوا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿278﴾ فَإِنْ لَمْ

---

(۱) [مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: رسالہ ''بیمہ کی حیثیت اسلام کی نظر میں'' (ص ۵۱-۷)]

تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ۖ وَإِن تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ ﴾ [البقرة : ٢٧٨۔ ٢٧٩] ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈر جاؤ اور جو سود باقی رہ گیا ہے وہ چھوڑ دو' اگر تم سچ مچ ایمان والے ہو۔ اور اگر ایسا نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول سے لڑنے کے لیے تیار ہو جاؤ اور اگر توبہ کر لو تو تمہارا اصلی مال تمہارا ہے (یعنی اپنا اصلی مال ہی وصول کرو سود مت لو)۔''

کرنسی نوٹوں کا کمی بیشی کے ساتھ باہم تبادلہ

مثلاً ۱۲ سو روپے پرانے دے کر ایک ہزار روپے نئے لینا۔ یہ عمل سود کی وجہ سے ناجائز ہے۔ کیونکہ آج کل نوٹوں کی حیثیت وہی ہے جو عہد رسالت میں سونے چاندی کی تھی اور سونے کی سونے کے بدلے یا چاندی کی چاندی کے بدلے کمی بیشی کے ساتھ تجارت سود ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں یہ صراحت موجود ہے۔ (۱)

کرنسی نوٹ کی مختصر تاریخ یوں ہے کہ ابتداءً سامان کا سامان سے تبادلہ کیا جاتا تھا، پھر سکے ڈھالنے کا رواج آیا، پھر لوگ سونے چاندی کے سکے صرافوں کے پاس بطورِ امانت رکھوا کر ان سے وثیقے کے طور پر رسید وصول کر لیتے، پھر لوگوں نے انہی رسیدوں پر کاروبار شروع کر دیا، بعد ازاں یہی رسیدیں نوٹوں کی شکل اختیار کر گئیں، پہلے نوٹ جاری کرنے کا اختیار عام تجارتی بینکوں کو ہوتا تھا، پھر یہ اختیار مرکزی بینک تک محدود کر دیا گیا۔ نوٹ کے متعلق یہ درہے کہ اسے جب قانونی طور پر کرنسی کی حیثیت دی گئی تو ابتدائی طور پر نوٹ کے پیچھے سو فیصد سونا ہوتا تھا، پھر سونے کی شرح کم ہوتی گئی حتیٰ کہ کم ہوتے ہوتے یہ شرح صفر رہ گئی، پھر بیشتر ممالک نے اپنے نوٹوں کو امریکی ڈالر کے ساتھ وابستہ کر لیا کیونکہ ڈالر کے پیچھے سونا ہوتا تھا۔ مگر 1971ء میں امریکہ نے بھی ڈالر کی سونے سے وابستگی ختم کر دی، لہٰذا اب نوٹوں کے پیچھے کوئی سونا نہیں ہوتا اور نوٹ سونے چاندی کی رسید کے بجائے اب اپنی مستقل حیثیت رکھتے ہیں اور خود مال اور ثمن ہیں جو خرید و فروخت میں سونے چاندی کی طرح ہی ہیں۔ لہٰذا تجارتی لین دین یا ادائیگی زکوٰۃ وغیرہ میں ان کا حکم وہی ہوگا جو سونے یا چاندی کا ہے۔

منی چینجر (Money Changer) کا کاروبار

منی چینجر کے کاروبار سے مراد ہے مختلف ممالک کی کرنسی کے باہم تبادلہ کا کام۔ مثلاً روپے کے بدلے سعودی ریال یا امریکی ڈالر کے بدلے روپے کا تبادلہ وغیرہ۔ اگرچہ اس کاروبار میں بھی کرنسی نوٹوں کا ہی تبادلہ کیا جاتا ہے لیکن چونکہ ان کی جنس اور قدر مختلف ہے لہٰذا ان میں کمی بیشی کے ساتھ تبادلہ جائز ہے یعنی ایک امریکی ڈالر کے بدلے ۸۰ روپے پاکستانی وصول کرنا درست ہے بشرطیکہ یہ تبادلہ نقد بنقد ہو اُدھار نہ ہو۔ کیونکہ فرمانِ نبوی ہے کہ

---

(۱) [مسلم (۱۵۸٤) کتاب المساقاة : باب الرباء' أحمد (۳/٤۹)]

﴿فَإِذَا اخْتَلَفَ هٰذِهِ الْأَصْنَافُ فَبِيعُوا كَيْفَ شِئْتُمْ إِذَا كَانَ يَدًا بِيَدٍ﴾ ''اگر یہ اجناس مختلف ہوں تو پھر جس طرح چاہو فروخت کرو مگر قیمت کی ادائیگی نقد ہو۔''(۱)

کریڈٹ کارڈ (Credit Card) کا استعمال

عہد رسالت میں کرنسی درہم و دینار کی صورت میں تھی، بعد ازاں نوٹوں کا رواج آیا اور آج کل پلاسٹک منی (Plastic Money) کا رواج روز بروز بڑھتا جا رہا ہے۔ پلاسٹک منی سے مراد وہ مختلف قسم کے کارڈ ہیں جو مالیاتی لین دین یا نقد رقم کے حصول کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔ اس وقت دنیا میں دو طرح کے کارڈ زیادہ مشہور ہیں۔ ایک ڈیبٹ کارڈ (Debit Card) اور دوسرا کریڈٹ کارڈ (Credit Card)۔ ڈیبٹ کارڈ اپنے بینک اکاؤنٹ سے رقم نکالنے کے لیے خود کار مشینوں (ATM) پر استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کے ذریعے براہ راست رقم اکاؤنٹ سے منہا ہو جاتی ہے۔ یہ یا اس طرح کے دیگر کارڈ (جیسے چارج کارڈ، کارپوریٹ کارڈ، فلیٹ کارڈ یا کسی بھی کمپنی کا شاپنگ کارڈ وغیرہ) جن میں محض مقررہ مدت میں واجب الادا رقم ہی ادا کرنا ہوتی ہے اور کوئی سود ادا نہیں کرنا پڑتا، کا استعمال جائز ہے۔

رہی بات کریڈٹ کارڈ کی تو پہلے اس کی تعریف کر دینا مناسب ہے۔ ماہرین اقتصادیات کے نزدیک کریڈٹ کارڈ سے مراد وہ قرض ہے جو (بینک کی طرف سے جاری کیا جاتا ہے اور جسے) حامل کارڈ اپنی ضروریات خریدنے یا رقم حاصل کرنے کے لیے استعمال کرتا ہے، پھر بعد میں وہ رقم (بینک کو) ادا کر دیتا ہے۔ اگر سارا قرض معینہ مدت میں ادا نہ کرنا چاہے تو اسے قسطوں میں بمعہ سود ادا کرتا ہے۔(۲) اس تعریف سے پتہ چلا کہ کریڈٹ سے مراد قرض مع سود ہے، جبکہ ادائیگی میں تاخیر ہو۔(۳)

اہل علم کا کہنا ہے کہ اس کارڈ کا استعمال جائز نہیں کیونکہ جب بھی کوئی بینک یہ کارڈ جاری کرتا ہے تو اپنے کسٹمر سے یہ عہد لیتا ہے کہ مقررہ وقت پر ادائیگی نہ کرنے کی صورت میں وہ سود کی اضافی رقم ادا کرنے کا پابند ہوگا، اس سودی معاہدے کی وجہ سے کریڈٹ کارڈ کا استعمال جائز نہیں۔ البتہ اگر کوئی مجبوری ہو (جیسے بکثرت بیرونِ ملک سفر کرنے والوں کے لیے اس طرح کے انتظامات رکھنا یا کسی ایسی چیز کی اشد ضرورت جسے کریڈٹ کارڈ کے بغیر خریدنا ممکن ہی نہ ہو وغیرہ) تو پھر یہ کارڈ استعمال کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ مقررہ مدت کے اندر اندر بل ادا کر دیا جائے تاکہ براہ راست سودی لین دین سے بچا جا سکے۔

مجمع الفقہ الاسلامی (جدہ) وہ ادارہ ہے جس میں دنیا بھر کے جید علمائے کرام اور فنی ماہرین اپنی آراء کا اظہار

---

(۱) [مسلم (۱۵۸۷) كتاب المساقاة، ترمذی (۱۲۴۰) ابو داود (۳۳۴۹) ابن ماجة (۲۲۵۴)]

(۲) [بیرونی بینکاری کے معاملات (ص: ۳۰)] (۳) [اجتماعی اجتهاد (ص: ۶۳۳)]

کرتے ہیں۔ مذکورہ ادارے نے کریڈٹ کارڈ کے متعلق بھی علما سے آراء طلب کیں اور پھر جو قراردادیں پاس کیں ان میں ابتدائی قرارداد یہ ہے کہ سودی شرط کے ساتھ کریڈٹ کارڈ کا اجراء اور استعمال درست نہیں۔ (۱)

سودی بینک میں ملازمت

سودی بینک میں ملازمت اختیار کرنا حرام ہے کیونکہ جہاں سود کھانا، کھلانا حرام ہے وہاں اسے تحریر کرنا اور اس کا گواہ بننا بھی حرام ہے۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ نے سود لینے والے' دینے والے' اس کے تحریر کرنے والے اور اس کے گواہوں پر لعنت کی ہے نیز فرمایا ﴿ هُمْ سَوَاءٌ ﴾ '' (گناہ کے ارتکاب میں) یہ سب برابر ہیں۔'' (۲) اس لیے کسی بھی سودی بینک میں ملازمت سے بہر صورت بچنا چاہیے۔ تاہم یہ یاد رہے کہ جو لوگ براہ راست سود تحریر کرنے یا اس کے گواہ بننے کے کاموں میں شریک نہیں ہوتے جیسے بینک کا چوکیدار یا خادم وغیرہ' اگرچہ وہ گناہ میں اس طرح سے شریک تو نہیں جیسے سود تحریر کرنے والے ہیں مگر انہیں بھی ایسی ملازمت سے اجتناب ہی کرنا چاہیے۔

اسلامک بینکنگ

اسلامک بینکنگ کے متعلق تفصیل کے لیے آئندہ باب ''چند جدید مسائل کا بیان'' ملاحظہ فرمایئے۔



(۱) [مجمع الفقه الاسلامی کی قرارداد نمبر ۱۰۸ ، الرياض (اجلاس ، ۲۳-۲۸ ستمبر ۲۰۰۰ء)]

(۲) [مسلم (۱۵۹۸) بخاری (۲۰۸٦) أحمد (۳۰٤/۳) ابو داود (۳۳۳) ترمذی (۱۲۰٦)]



4 چند دیگر حرام ذرائع آمدن

شیو کی کمائی

شیو کی کمائی حرام ہے کیونکہ اللہ اور اس کے رسول نے جن اعمال کو حرام قرار دیا ہے ان کی اجرت کو بھی حرام کیا ہے۔جیسا کہ جب یہ آیت ﴿إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ﴾ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نکلے اور آپ نے خمر (شراب) کی تجارت کو بھی حرام قرار دے دیا۔(۱)

اور چونکہ داڑھی مونڈنا حرام ہے جیسا کہ نبی ﷺ نے داڑھی کو معاف کرنے کا حکم دیا ہے۔(۲) شیخ صالح الفوزان فرماتے ہیں کہ ((وَ اَمَّا حَلْقُ اللِّحْيَةِ فَهُوَ حَرَامٌ))"داڑھی منڈانا تو حرام ہے۔"(۳) سعودی مستقل فتویٰ کمیٹی کا فتویٰ یہ ہے کہ ((حَلْقُ اللِّحْيَةِ حَرَامٌ وَ فَاعِلُهُ فَاسِقٌ لِمُخَالَفَتِهِ))"داڑھی منڈانا حرام ہے اور ایسا کرنے والا نبی ﷺ (کے حکم) کی مخالفت کی وجہ سے فاسق ہے۔"(٤) اس کمیٹی کے ایک دوسرے فتوے میں ہے کہ"داڑھی منڈانا حرام ہے اور اسے پیشہ بنانا بھی حرام ہے۔"(٥) شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ نے بھی داڑھی منڈانے کو حرام قرار دیا ہے۔(٦) شیخ ابن باز رحمہ اللہ نے بھی تفصیلی دلائل نقل فرما کر یہ ثابت کیا ہے کہ داڑھی منڈانا حرام ہے۔(۷) نیز ابن باز رحمہ اللہ نے یہ بھی وضاحت فرمائی ہے کہ داڑھی منڈانے کی حرمت پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے۔(۸)

اس لیے شیو کی کمائی حرام ہے۔اسی طرح شیو کرنے والے کو دکان کرایہ پر دینا وغیرہ حرام کام میں تعاون کی وجہ سے ناجائز ہے۔چنانچہ قرآن کریم میں ہے کہ ﴿وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾[المائدة : ۲]"اور گناہ اور سرکشی کے کاموں میں ایک دوسرے کا تعاون مت کرو۔"

فوٹو گرافی

فوٹو گرافی کا پیشہ اختیار کرنا تصویر کی حرمت کی وجہ سے ناجائز ہے۔

(1) حدیث نبوی ہے کہ"لوگوں میں سب سے سخت عذاب روز قیامت تصویر بنانے والوں کو ہوگا۔"(۹)

---

(۱) [صحیح : صحیح ابن ماجة (۲۷۲۷) کتاب الأشربة : باب التجارة فی الخمر' ابن ماجة (۳۳۸۲)]
(۲) [مسلم (۲۵۹) ترمذی (۲۷٦٤) نسائی (٥٠٤٦) ابوداود (٤١٩٩) صحیح الجامع الصغیر (۲۰۷)]
(۳) [المنتقی من فتاوی الفوزان (٦١/١٦)] (٤) [فتاوی اسلامیة (۲۱٤/۱)]
(٥) [فتاوی اسلامیة (٤٠٥/٤)] (٦) [مجموع فتاوی ورسائل ابن عثیمین (۸۱/۱۱)]
(۷) [مجموع فتاوی ابن باز (۳٥١/۲٥)] (۸) [ایضا]
(۹) [بخاری (٥٩٥٤) کتاب اللباس : باب ما وطئ من التصاویر]

(2) ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا﴿ مَنْ صَوَّرَ صُورَةً فَإِنَّ اللّٰهَ مُعَذِّبُهُ حَتَّى يَنْفُخَ فِيهَا الرُّوحَ وَلَيْسَ بِنَافِخٍ فِيهَا أَبَدًا ﴾ ''جس نے بھی کوئی تصویر بنائی تو اللہ تعالیٰ اسے اس وقت تک عذاب دیتا رہے گا جب تک وہ شخص اپنی تصویر میں جان نہ ڈال دے اور وہ کبھی اس میں جان نہیں ڈال سکتا۔'' (۱)

یاد رہے کہ یہ وعید ذی روح کی تصویر بنانے والے کے لیے ہے اگر کوئی غیر ذی روح چیز کی تصویر بناتا ہے تو اس کی اجازت ہے جیسا کہ گذشتہ حدیث کے آخر میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ''اگر تم تصویریں بنانا ہی چاہتے ہو تو ان درختوں کی اور ہر اس چیز کی جس میں روح نہیں ہے' تصویریں بنا سکتے ہو۔''

جوا

چونکہ جوا حرام ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے کہ ﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِنَّمَا ٱلْخَمْرُ وَٱلْمَيْسِرُ وَٱلْأَنصَابُ وَٱلْأَزْلَٰمُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ ٱلشَّيْطَٰنِ فَٱجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴾ [المائدۃ : ۹۰] ''اے ایمان والو! بلاشبہ شراب، جوا، بت اور فال نکالنے کے تیر ناپاک ہیں، شیطان کے عمل سے ہیں، لہٰذا تم ان سے بچو تا کہ فلاح پاؤ۔'' اور ایک فرمانِ نبوی یوں ہے کہ ﴿ إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى أُمَّتِي الْخَمْرَ وَ الْمَيْسِرَ ﴾ ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے میری امت پر شراب اور جوا حرام قرار دیا ہے۔'' (۲)

اس لیے کاروبار کی ہر وہ قسم حرام ہے جو جوئے پر مشتمل ہو۔ لہٰذا ملٹی لیول مارکیٹنگ، لاٹری، معمہ بازی، ریفل ٹکٹ، ریس کورس وغیرہ سب حرام اُمور ہیں اور ان کی کمائی بھی حرام ہے۔

فال گیری، کہانت اور دیگر علم غیب سے متعلقہ اُمور

درج بالا آیت کریمہ کے مطابق اللہ تعالیٰ نے قسمت کا حال معلوم کرنے کے لیے ﴿ الْأَزْلَامُ ﴾ ''فال گیری'' کو بھی حرام قرار دیا ہے۔ مستقبل میں پیش آنے والے غیب کے حالات کے متعلق خبر دینا کہانت کہلاتا ہے اور ایسا عمل کرنے والوں کو کاہن کہا جاتا ہے۔ یہ عمل بھی حرام ہے۔ اسی لیے نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ ''جو بھی کسی کاہن کے پاس آیا اور اس کی تصدیق کی تو اس نے ان تمام تعلیمات کے ساتھ کفر کر دیا جو محمد ﷺ پر نازل کی گئی ہیں۔'' (۳) ایک دوسری روایت میں ہے کہ ﴿ لَا يَحِلُّ ... حُلْوَانُ الْكَاهِنِ ﴾ ''کاہن کی شرینی حلال نہیں۔'' (٤) کاہن کی شرینی سے مراد وہ تحائف و ہدایا اور عطیات ہیں جو کاہن کو کہانت کے عوض حاصل ہوتے ہیں۔

---

(۱) [بخاری (۲۲۲۵) کتاب البیوع : باب بیع التصاویر التی لیس فیها روح]

(۲) [**صحیح** : صحیح الجامع الصغیر (۱۷٤۷) السلسلة الصحیحة (۱۷۰۸) مسند احمد (۱٦٥/۲)]

(۳) [**صحیح** : ارواء الغلیل (۲۰۰٦) غایة المرام (۲۸٥) ابو داود (۳۹۰٤) کتاب الطب : باب فی الکاهن]

(٤) [**صحیح** : صحیح ابو داود، ابو داود (۳٤۸٤) نسائی (٤۲۹۳) صحیح الجامع الصغیر (۷٦٤۰)]

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ایک غلام تھا جوان کو کما کر دیا کرتا تھا چنانچہ ابوبکر رضی اللہ عنہ اس کی کمائی کھایا کرتے تھے۔ ایک دن وہ کوئی چیز لایا، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسے تناول کیا۔ تب غلام نے ان سے کہا، آپ کو معلوم ہے یہ کیا تھا؟ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا، یہ کیا تھا؟ اس نے بتایا، میں نے جاہلیت میں کسی انسان کے لیے کہانت کی تھی اور میں کہانت میں ماہر نہ تھا بس میں نے اس سے دھوکہ کیا تھا، وہ شخص مجھ سے ملا، اس نے مجھے یہ مال دیا۔ چنانچہ اس مال سے آپ نے تناول کیا ہے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ﴿ فَاَدْخَلَ اَبُوْ بَكْرٍ يَدَهُ فَقَاءَ كُلَّ شَيْءٍ فِيْ بَطْنِهِ ﴾ ''ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنا ہاتھ (منہ میں) داخل کیا اور پیٹ میں موجود ہر شے کی قے کر دی (کیونکہ کہانت حرام ہے اور اس سے حاصل ہونے والا مال بھی حرام ہے)۔''(۱)

لہٰذا کسی بھی طریقے سے غیب کی خبریں بتانے والے، فال گیری کرنے والے، نجومی اور گمشدہ اشیاء کا پتہ بتانے والے وغیرہ سب حرام کے مرتکب ہیں اور ان کی کمائی حرام ہے۔

بھیک مانگنا

بھیک مانگنے کو پیشہ بنا لینا جائز نہیں کیونکہ نبی ﷺ نے اس کی شدید مذمت بیان فرمائی ہے۔ چنانچہ اس بارے میں چند احادیث حسب ذیل ہیں، ملاحظہ فرمائیے۔

(1) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿ مَا زَالَ الرَّجُلُ يَسْاَلُ النَّاسَ حَتّٰى يَاْتِيَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَيْسَ فِيْ وَجْهِهِ مُزْعَةُ لَحْمٍ ﴾ ''آدمی لوگوں سے ہمیشہ سوال کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ قیامت والے دن اس حالت میں آئے گا کہ اس کے چہرے پر گوشت کا ایک ٹکڑا بھی نہ ہوگا۔''(۲)

(2) حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿ اِنَّمَا الْمَسَائِلُ كُدُوْحٌ يَكْدَحُ بِهَا الرَّجُلُ وَجْهَهُ فَمَنْ شَاءَ اَبْقٰى عَلٰى وَجْهِهِ وَمَنْ شَاءَ تَرَكَ اِلَّا اَنْ يَسْاَلَ ذَا سُلْطَانٍ اَوْ فِيْ اَمْرٍ لَا يَجِدُ مِنْهُ بُدًّا ﴾ ''بے شک سوال خراشیں ہیں جس کے ذریعے انسان اپنے چہرے کو زخمی کرتا ہے پس جو چاہے اسے اپنے چہرے پر باقی رکھے اور جو چاہے اسے چھوڑ دے الا کہ انسان حاکم سے سوال کرے یا کسی ایسے معاملے میں سوال کرے جس میں سوال کرنے کے بغیر کوئی چارہ نہ ہو۔''(۳)

---

(۱) [بخاری (۳۸٤۲) کتاب مناقب الانصار : باب ایام الجاهلیة]

(۲) [بخاری (۱٤۸٤) کتاب الزکاة : باب من سأل الناس تکثرا' مسلم (۱۰٤۰) کتاب الزکاة : باب کراهة المسئلة للناس' نسائی (۲۵۸٤) کتاب الزکاة : باب المسئلة]

(۳) [**صحیح** : صحیح الترغیب (۷۹۲) کتاب الصدقات : باب الترهیب من المسألة' ابو داود (۱٦۳۹) نسائی (۱۰۰/۵) ترمذی (٦۸۱) ابن حبان فی صحیحه (۳۳۸۸)]

(3) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا﴿ لَوْ يَعْلَمُ صَاحِبُ الْمَسْأَلَةِ مَا لَهُ فِيهَا لَمْ يَسْأَلْ ﴾ ''اگر سوال کرنے والے کو علم ہو جائے کہ اس میں اس کے لیے کیا (ذلت و رسوائی اور گناہ ہے) تو وہ کبھی سوال نہ کرے۔''(۱)

(4) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا﴿ مَنْ سَأَلَ وَهُوَ غَنِيٌّ عَنِ الْمَسْأَلَةِ يُحْشَرُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَهِيَ خُمُوشٌ فِي وَجْهِهِ ﴾ ''جس نے سوال کیا اور وہ سوال سے غنی تھا تو اسے قیامت کے روز اس حال میں اٹھایا جائے گا کہ اس کے چہرے پر خراشیں ہوں گی۔''(۲)

(5) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جس شخص نے سوال کیا اور اس کے پاس اتنا مال ہو جو اسے کفایت کرتا ہے تو قیامت کے دن وہ سوال اس کے چہرے پر چھلا ہوا نشان بن کر آئے گا۔ سوال کیا گیا اے اللہ کے رسول! آدمی کو کتنا مال کفایت کرتا ہے؟ آپ نے فرمایا، پچاس درہم یا اتنی قیمت کا سونا۔''(۳)

(6) حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو شخص میری ایک بات قبول کر لے میں اس کے لیے جنت کا ذمہ لیتا ہوں۔ میں نے کہا میں قبول کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا﴿ لَا تَسْأَلِ النَّاسَ شَيْئًا ﴾ ''لوگوں سے کسی چیز کا بھی سوال نہ کرنا۔'' پھر ثوبان رضی اللہ عنہ کی حالت یہ تھی کہ وہ سوار ہوتے اور ان کا کوڑا بھی گر جاتا تو وہ کسی سے یہ نہ کہتے کہ میرا کوڑا مجھے پکڑا دو بلکہ خود اتر کر اٹھاتے۔''(٤)

زنا کاری

اسلام میں زنا کاری کی کمائی کو بھی حرام قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ ﴿ نَهَى عَنْ مَهْرِ الْبَغِيِّ ﴾ ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدکاری کی اُجرت سے منع فرمایا ہے۔''(٥) لہٰذا قحبہ گری، عصمت فروشی اور فحاشی وعریانی کے تمام کاروبار حرام ہیں۔

---

(١) [حسن لغيره : صحيح الترغيب (٧٩٧) كتاب الصدقات : باب الترهيب من المسألة ' رواه الطبراني في الكبير]

(٢) [صحيح لغيره : صحيح الترغيب (٨٠٠) كتاب الصدقات : باب الترهيب من المسألة ' رواه الطبراني في الأوسط بإسناد لا بأس به]

(٣) [صحيح : الصحيحة (٤٩٩) ابن ماجه (١٥٠٢) كتاب الزكاة : باب من سأل عن ظهر غنى ' نسائي (٢٥٩١) ابو داود (١٦٢٦) ترمذى (٦٥٠ ' ٦٥١)]

(٤) [صحيح : صحيح ابن ماجة (١٤٨٧) كتاب الزكاة : باب كراهية المسئلة ' ابن ماجة (١٨٣٧) ابو داود (١٦٤٣) نسائى (٢٥٨٩) حاكم (٤١٢/١)]

(٥) [بخارى (٢٢٨٢) كتاب الإجارة : باب كسب البغى ' مسلم (٢٩٣٠) ترمذى (١٠٥٢)]

رشوت خوری

رشوت خوری حرام ہے اور اس کے چند دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) اللہ تعالیٰ نے باطل طریقے سے لوگوں کا مال کھانے سے منع فرمایا ہے[1] اور باطل طریقے میں رشوت خوری بھی شامل ہے۔

(2) فرمانِ نبوی ہے کہ ﴿ لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الرَّاشِي وَ الْمُرْتَشِي ﴾ ''رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے پر اللہ کی لعنت ہے۔''[2]

(3) ایک دوسری روایت میں ہے کہ ﴿ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الرَّاشِيَ وَ الْمُرْتَشِيَ ﴾ ''رسول اللہ ﷺ نے رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے پر لعنت فرمائی ہے۔''[3]

لہٰذا کسی بھی طریقے سے لوگوں سے رشوت لینا حرام ہے خواہ وہ مال کی صورت میں ہو یا کسی اور نفع مند چیز کی صورت میں۔ علاوہ ازیں جس طرح رشوت لینا حرام ہے اسی طرح رشوت دینا بھی حرام ہے۔

⇦ یہاں یہ واضح رہے کہ حرام رشوت کے متعلق اہل علم کا کہنا ہے کہ اس سے مراد صرف وہ رشوت ہے جو حاکم یا کسی بھی عہدے دار کو حق سے منحرف کرنے یا اپنی خواہش کے مطابق ناحق فیصلہ کرانے کے لیے دی جائے (جیسا کہ شیخ ابن باز رحمہ اللہ نے یہ وضاحت فرمائی ہے[4])۔ جبکہ اپنا دین، جان اور مال بچانے کے لیے اگر کسی کو رشوت دی جائے تو یہ حرام نہیں (جیسا کہ وہب بن منبہ اور فقیہ ابولیث رحمہما اللہ نے فرمایا ہے[5])۔



---

(۱) [النساء: ۲۹]، [البقرة: ۱۸۸]

(۲) [صحیح: صحیح الترغیب (۲۲۱۱) غایة المرام (۴۵۷) ابن ماجه (۲۳۱۳) مسند احمد (۲۱۲۰۲)]

(۳) [صحیح: صحیح ابن ماجه (۲۳۱۳) ابوداود (۳۵۸۰) ترمذی (۱۳۳۶)]

(۴) [مجموع فتاوی ابن باز (۲۳/۲۳۲)] (۵) [تفسیر قرطبی (۶/۱۸۴)]

باب البیوع المباحة حلال تجارت اور جائز کاروبار کا بیان

ایک روایت میں نبی ﷺ نے ہر بَيْـعٍ مَبْـرُوْرٍ کو پاکیزہ (جائز و حلال) کمائی قرار دیا ہے۔(۱) اور بیع مبرور سے مراد ہر ایسی تجارت اور خرید و فروخت ہے جو خلافِ شرع نہ ہو یعنی اس میں کسی قسم کا جھوٹ' فریب' دھوکہ' جہالت اور ضرر وغیرہ نہ ہو۔ بیع مبرور کی مزید توضیح کے لیے اہل علم کے چند اقوال حسب ذیل ہیں:

1- (حافظ زین الدین مناوی رحمہ اللہ) بیع مبرور وہ ہے جس میں کسی قسم کا دھوکہ اور خیانت نہ ہو یا ایسی تجارت جو شرعاً درست ہو فاسد نہ ہو یا وہ تجارت جو اللہ کے ہاں مقبول ہو اور اس کا ثواب دیا جائے۔(۲)

2- (ابو عبید قاسم بن سلام رحمہ اللہ) بیع مبرور وہ ہے جس میں جھوٹ اور کسی بھی گناہ کی آمیزش نہ ہو۔(۳)

3- (ملا علی قاری رحمہ اللہ) بیع مبرور وہ ہے جو دھوکے سے سالم ہو اور شریعت میں درست ہو۔(٤)

4- (علامہ امیر صنعانی رحمہ اللہ) بیع مبرور وہ ہے جس میں سودا بیچتے وقت جھوٹی قسم نہ کھائی گئی ہو اور نہ ہی کسی قسم کا دھوکہ دیا گیا ہو۔(٥)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ دلائل شرعیہ کی روشنی میں جائز و حلال تجارت سمجھنے کے لیے ہم درج ذیل دو بنیادی اصول پیش نظر رکھ سکتے ہیں:

1- ہر وہ تجارت جائز ہے جس کی شریعت نے خود اجازت دی ہے (جیسے مضاربت وغیرہ)۔

2- ہر وہ تجارت جائز ہے جو حرام تجارت کے اصولوں پر پوری نہیں اترتی (جیسے جہالت، نقصان، دھوکہ دہی اور سود وغیرہ سے پاک تجارت۔ حرام تجارت کے ان اصولوں کا ذکر سابقہ باب میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے)۔

آئندہ سطور میں تجارت اور کاروبار کی چند جائز و حلال صورتوں کا ذکر کیا جا رہا ہے، ملاحظہ فرمائیے۔



بیع سلم

بیع سلم کا مفہوم

بیع سلم یا سلف ایک ہی چیز ہے اور یہ تجارت کی وہ قسم ہے جس میں ''قیمت پہلے ادا کی جاتی ہے اور سودا تاخیر سے مقررہ مدت پر وصول کیا جاتا ہے'' یعنی سونا چاندی یا مروجہ کرنسی کے عوض پیشگی قیمت ادا کر کے ایک معلوم مدت

---

(۱) [صحيح : السلسلة الصحيحة (٦٠٧) هداية الرواة (٢٧١٥) مسند احمد (١٤١/٤)]

(۲) [فيض القدير شرح الجامع الصغير (٦١/٢)] (۳) [غريب الحديث لابن سلام (٤٦٩/٤)]

(٤) [مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح (٢٧١/٩)] (٥) [سبل السلام شرح بلوغ المرام (٤/٣)]

تک چیز لینے کا سودا کرنا بیع سلم ہے۔ جیسے کوئی شخص کسی سے یوں سودا کرے کہ تین ماہ میں تم مجھے ۱۰ من گندم دو گے اور اس کی قیمت ۲۰ ہزار روپے میں تمہیں ابھی ادا کر دیتا ہوں وغیرہ۔ جو قیمت پہلے ادا کی جاتی ہے وہ "رأس المال" جو چیز تاخیر سے فروخت کی جاتی ہے اسے "مسلم فیه" قیمت ادا کرنے والے کو "رب السلم" اور جسے وہ چیز فروخت کی جارہی ہے اسے "مسلم إلیه" کہتے ہیں۔(۱)

بیع سلم کا جواز

بیع سلم جائز ہے اور اس کا ثبوت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی یہ روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے اور اہل مدینہ پھلوں میں ایک سال اور دو سال کی قیمت پیشگی ادا کرتے تھے آپ نے فرمایا ﴿ مَنْ اَسْلَفَ فِیْ ثَمَرٍ فَلْیُسْلِفْ فِیْ کَیْلٍ مَعْلُوْمٍ وَوَزْنٍ مَعْلُوْمٍ اِلَی اَجَلٍ مَعْلُوْمٍ ﴾ "جو شخص پھلوں کی پیشگی (قیمت) دے تو اسے چاہیے کہ ماپ' تول کر مقررہ مدت کے لیے دے۔"(۲)

اس بیع کے جواز پر علما کا اجماع بھی ہے۔ فی الحقیقت یہ بیع معدوم ہونے کی وجہ سے ناجائز تھی لیکن اقتصادی مصالح کے پیش نظر لوگوں کے لیے نرمی اور ان پر آسانی کرتے ہوئے اسے مستثنیٰ کیا گیا ہے۔(۳)

بیع سلم کی شرائط

بیع سلم کی شرائط یہ ہیں کہ
1- جس چیز کا سودا کیا جارہا ہے اس کی جنس معلوم ہو۔
2- مقدار اور وزن معلوم ہو۔
3- جنس کی ادائیگی کی مدت طے ہو (جیسا کہ درج بالا حدیث میں ہے)۔

یہاں یہ واضح رہے کہ بیع کے وقت جنس کی موجودگی شرط نہیں جیسا کہ عبدالرحمن بن ابزی رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ لوگوں نے دریافت کیا ﴿ اَکَانَ لَهُمْ زَرْعٌ؟ قَالَا مَا کُنَّا نَسْاَلُهُمْ عَنْ ذٰلِكَ ﴾ "کیا (بیع سلم کے وقت) ان کے پاس کھیتی موجود ہوتی تھی؟ تو ان دونوں نے کہا ہم ان سے اس کے متعلق نہیں پوچھتے تھے۔"(۴) جمہور اہل علم کی بھی یہی رائے ہے کہ بیع سلم کے وقت جنس نہ بھی ہو تب بھی بیع درست ہوگی تاہم اتنا ضروری ہے کہ اختتام مدت پر اس چیز کا دستیاب ہونا ممکن ہو۔(۵)

بیع سلم ہر چیز میں جائز ہے

---

(۱) [أنیس الفقهاء (ص/۲۱۹۔۲۲۰) مصباح المنیر (۴۷۳/۱) فتح الباری (۱۸۲/۵) نیل الأوطار (۶۱۰/۳)]

(۲) [بخاری (۲۲۴۰' ۲۲۴۱) کتاب السلم : باب السلم فی وزن معلوم' مسلم (۱۶۰۴) ابو داود (۳۴۶۳)]

(۳) [المغنی (۲۷۵/۴) بدایة المجتهد (۱۹۹/۲) مغنی المحتاج (۱۰۲/۲) فتح القدیر (۳۲۳/۵)]

(۴) [بخاری (۲۲۵۵) کتاب السلم : باب السلم إلی أجل معلوم]

(۵) [الأم (۱۲۴/۳) الحاوی (۳۹۱/۵) المبسوط (۱۲۵/۱۲) الهدایة (۷۲/۳) المغنی (۴۰۶/۶)]

بیع سلم' پھلوں' باغات اور گندم کے علاوہ ہر چیز میں جائز ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا﴿ مَنْ اَسْلَفَ فِيْ شَيْئٍ فَفِيْ كَيْلٍ وَوَزْنٍ مَعْلُوْمٍ اِلَى اَجَلٍ مَعْلُوْمٍ ﴾ ''جو شخص کسی بھی چیز میں بیع سلم کرنا چاہے وہ مقررہ وزن اور مقررہ مدت کے لیے ٹھہرا کر کرے۔''(۱)

⇦ یاد رہے کہ بیع سلم کے دوران مقررہ جنس جب تک اپنے قبضے میں نہ لے لی جائے اس میں کسی قسم کا تصرف کرنا جائز نہیں۔ اگرچہ اس معنی کی روایت تو ضعیف ہے(۲) لیکن وہ تمام صحیح روایات اس مسئلے کا ثبوت ہیں جن میں قبضہ سے پہلے سودا فروخت کرنے سے منع کیا گیا ہے۔(۳)



شراکت

شراکت کا مفہوم

شراکت یہ ہے کہ دو یا زیادہ افراد مل کر کاروبار کریں۔ سب سرمایہ بھی لگائیں اور محنت بھی کریں۔ یا کوئی سرمایہ زیادہ لگائے اور کوئی محنت زیادہ کرے اور منافع سب اپنے اپنے سرمائے اور محنت کے مطابق تقسیم کر لیں۔

شراکت کا جواز

شریعت کی نظر میں مشترکہ کاروبار جائز ہے، اس میں کوئی حرج نہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت سائب بن ابی سائب رضی اللہ عنہ قبل از بعثت' رسول اللہ ﷺ کے شریک تھے۔ فتح مکہ کے دن جب تشریف لائے تو آپ سے کہا جاہلیت میں آپ میرے بہترین شریک تھے نہ مجھے فریب دیتے اور نہ مجھ سے جھگڑا کرتے۔(٤) ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ چاندی خریدنے میں ایک دوسرے کے شریک بنے۔(٥)

شراکت کی شرائط

کاروبار کی ہر مشترکہ صورت خواہ قدیم ہو یا جدید اگر درج ذیل شرائط پر پوری اترتی ہو گی تو جائز ہو گی:

1- اس میں نفع اور نقصان دونوں کا احتمال ہو۔

---

(۱) [بخاری (۲۲٤٠) کتاب السلم : باب السلم فی کیل معلوم]

(۲) [**ضعیف** : ضعیف ابن ماجة (٤٩٩) إرواء الغليل (١٣٧٥) ابن ماجة (٢٢٨٣) ابو داود (٣٤٦٨)]

(۳) [دلائل وحوالہ جات کے لیے سابقہ باب میں ''تجارت کی چند ناجائز صورتیں اور طریقے'' ملاحظہ فرمائیے۔]

(٤) [**صحیح** : صحیح ابن ماجة (١٨٥٣) ابو داود (٤٨٣٦) کتاب الأدب ، ابن ماجة (٢٢٨٧)]

(٥) [بخاری (٢٤٩٧، ٢٤٩٨) کتاب الشرکة : باب الاشتراك فی الذهب والفضة وما یکون فیه الصرف]

2- تمام کاروباری شرائط باہمی رضامندی سے طے کی جائیں۔

3- کوئی بھی ایسی شرط طے نہ کی جائے جو خلافِ شرع ہو۔

شرکاء کو باہم خیانت سے بچنا چاہیے

کیونکہ خیانت برکت کو مٹا دیتی ہے۔ جب تک شرکاء نیت درست رکھیں، دیانتداری سے کام لیں تو اللہ تعالیٰ ان کے کاروبار میں بھی برکت ڈالتے ہیں اور جب نیت میں فتور آ جائے اور خیانت شروع ہو جائے تو برکت اٹھ جاتی ہے اور نقصان کے امکانات شروع ہو جاتے ہیں۔ اسی وجہ سے نبی ﷺ خیانت سے پناہ مانگا کرتے تھے۔[(۱)] اور ایک روایت میں آپ ﷺ نے چند ایسے گناہوں کا تذکرہ فرمایا جو آخرت کے ساتھ ساتھ دنیا میں بھی سزا کے لائق ہیں، ان میں آپ نے خیانت کا بھی ذکر فرمایا۔[(۲)] مزید برآں اسلام نے نہ صرف خیانت سے بچنے کی تلقین کی ہے بلکہ خیانت کرنے والے سے بھی خیانت نہ کرنے کی ہی ہدایت کی ہے جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ ﴿ اَدِّ الْاَمَانَةَ اِلَى مَنِ ائْتَمَنَكَ وَ لَا تَخُنْ مَنْ خَانَكَ ﴾ ”جس نے تیرے پاس امانت رکھی ہے اس کی امانت ادا کر اور جو تجھ سے خیانت کرے اس سے خیانت نہ کر۔“ (۳) لہٰذا اگر کاروبار میں کوئی ایک فریق خیانت کا مرتکب ہو تو اس سے درگزر کا ہی رویہ اپنانا چاہیے نہ کہ خیانت کا۔

حق شفعہ

شفعہ لغت میں شفع سے ماخوذ ہے جس کا معنی جوڑا اور ملانا وغیرہ ہے۔ اصطلاحاً شفعہ اس حق کا نام ہے جو مشترکہ جائیداد وغیرہ بکنے کے وقت شریک کو حاصل ہوتا ہے مثلاً ایک دکان دو آدمیوں کی ملکیت ہے اور ایک نے اس میں سے اپنا حصہ کسی دوسرے شخص کو بیچ دیا تو دوسرے شریک کو یہ حق حاصل ہے کہ اگر وہ چاہے تو خریدار کو اتنی قیمت دے کر جتنی اس نے ادا کی ہے زبردستی وہ حصہ لے لے۔

شفعہ کا حق ہر ایسی چیز میں ہے جو دو یا زیادہ آدمیوں کی مشترکہ ملکیت ہو (خواہ منقولہ ہو یا غیر منقولہ) اور ابھی تقسیم نہ ہوئی ہو جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ ﴿ قَضَى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِالشُّفْعَةِ فِي كُلِّ مَا لَمْ يُقْسَمْ ﴾ ”رسول اللہ ﷺ نے ہر اُس چیز میں شفعہ کا فیصلہ دیا ہے جو تقسیم نہ ہوئی ہو۔“[(۴)] اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ ﴿ قَضَى النَّبِيُّ ﷺ بِالشُّفْعَةِ فِي كُلِّ شَيْءٍ ﴾ ”نبی کریم ﷺ نے ہر چیز میں شفعہ کا فیصلہ

---

(۱) [حسن: صحیح الجامع الصغیر (۱۲۸۳) صحیح الترغیب (۳۰۰۲) ابو داود (۱۵۴۷)]

(۲) [صحیح: صحیح الجامع الصغیر (۵۷۰۵)]

(۳) [صحیح: الصحیحة (۴۲۳) المشکاة (۲۹۳۴) ابو داود (۳۵۳۴) ترمذی (۱۲۶۴)]

(۴) [بخاری (۲۲۵۷) کتاب الشفعة: باب الشفعة فیما لم یقسم...... ' مسلم (۱۶۰۸) أحمد (۲۹۶/۳)]

فرمایا ہے۔''[۱] اور جب تقسیم ہو جائے، راستے الگ ہو جائیں تو پھر حق شفعہ باقی نہیں رہتا جیسا کہ فرمانِ نبوی ہے کہ ﴿ فَإِذَا وَقَعَتِ الْحُدُوْدُ وَصُرِّفَتِ الطُّرُقُ فَلَا شُفْعَةَ ﴾ ''جب حد بندی ہو جائے اور راستے الگ ہو جائیں تو پھر حق شفعہ نہیں ہے۔''[۲]

حق شفعہ کا معاملہ تو بعد کا ہے کوشش یہ کرنی چاہیے کہ ہر مشترکہ چیز اپنے شریک کے مشورے اور اجازت سے ہی فروخت کی جائے تاکہ کسی قسم کے نزاع و اختلاف کی نوبت ہی نہ آئے۔ اہل اسلام کو یہی ہدایت کی گئی ہے چنانچہ فرمان نبوی ہے کہ ﴿ لَا يَحِلُّ لَهُ أَنْ يَبِيعَ حَتَّى يُؤْذِنَ شَرِيكَهُ فَإِنْ شَاءَ أَخَذَ وَإِنْ شَاءَ تَرَكَ فَإِذَا بَاعَ وَلَمْ يُؤْذِنْهُ فَهُوَ أَحَقُّ بِهِ ﴾ ''اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ (کوئی مشترکہ چیز) فروخت کرے حتی کہ اپنے شریک کو اطلاع دے، پھر اگر وہ چاہے تو اسے رکھ لے اور اگر چاہے تو چھوڑ دے۔ لیکن اگر اس نے اطلاع دیئے بغیر کچھ فروخت کر دیا تو اس کا شریک ہی اس چیز کا زیادہ حق دار ہے۔''[۳]



مضاربت کا مفہوم

مضاربت یہ ہے کہ سرمایہ ایک شخص کا ہو اور محنت دوسرے شخص کی اس شرط پر کہ منافع دونوں میں طے شدہ شرائط کے مطابق تقسیم کیا جائے گا اور تجارت کے خسارے میں مالی نقصان صرف مال کے مالک کا ہوگا اور عامل کو اپنی محنت و جدوجہد کا ہی نقصان ہوگا۔[٤] مضاربت بھی دراصل شراکت کی ہی ایک قسم ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ شراکت میں تمام شرکاء سرمایہ بھی لگاتے ہیں اور محنت بھی کرتے ہیں جبکہ مضاربت میں سرمایہ ایک کا ہوتا ہے اور محنت دوسرے کی۔

مضاربت کا جواز

متعدد دلائل سے مضاربت کا جواز ثابت ہوتا ہے، چند حسب ذیل ہیں، ملاحظہ فرمائیے:

(1) حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ جب کسی کو مضاربت پر اپنا سرمایہ دیتے تو شرط لگاتے کہ میرے مال سے حیوان کی تجارت نہیں کرو گے (میرا مال) سمندر میں لے کر نہیں جاؤ گے اور اسی طرح سیلابی جگہوں پر لے کر نہیں جاؤ گے۔

---

(۱) [صحیح: صحیح ابو داود (۳۰۰۰) صحیح ابن ماجة (۲٤۹۹) صحیح نسائی (٤٦٤٦)]

(۲) [بخاری (۲۲۵۷) کتاب الشفعة: باب الشفعة فيما لم يقسم...... ' مسلم (۱٦۰۸) ابو داود (۳۵۱٤)]

(۳) [مسلم (۱٦۰۸) کتاب المساقاة: باب الشفعة ' ابو داود (۳۵۱۳) نسائی (۳۲۰/۷) أحمد (۳۱٦/۳)]

(٤) [الفقه الإسلامي وأدلته (۳۹۲٤/۵) تبيين الحقائق (۵۲/۵) تكملة فتح القدير (۵۷/۷)]

تعالیٰ نے عقود و بیوع کو انسانی فوائد و مصالح اور حاجاتِ لازمہ کو پورا کرنے کے لیے ہی مشروع قرار دیا ہے۔[1]

⇦ واضح رہے کہ اگرچہ مضاربت میں یہ اصول ہے کہ نقصان کی صورت میں سرمایہ دار کے مال کا نقصان ہوتا ہے اور عامل کی محنت کا لیکن اگر مال کے مالک نے عامل کو ہدایت کی ہو کہ فلاں فلاں چیز سے بچنا، ایسے اور ایسے مت کرنا، ورنہ نقصان کا ذمہ دار میں نہیں ہوں گا۔ تو یہ درست ہے جیسا کہ سابقہ حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ وہ اپنا سرمایہ دیتے وقت اس طرح کی شروط و قیود لگایا کرتے تھے۔

اجارہ (اُجرت یا ٹھیکے پر مزدوری)

اجارہ کا مفہوم

اجارہ کسی چیز کو اجرت یا ٹھیکے پر دینے کو کہتے ہیں۔ اس کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ گھر یا دکان وغیرہ کرایہ پر دینا، مقرر اجرت پر کسی کو مزدور رکھنا، گاڑیوں کا کرایہ اور ملازمت و نوکری سب اجارہ میں شامل ہے۔

اجارہ کا جواز

اسلام نے اشیاء کو ٹھیکے اور کرائے پر دینا جائز قرار دیا ہے۔ جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ ﴿ أَمَرَ بِالْمُؤَاجَرَةِ ﴾ ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اشیاء کو) ٹھیکے پر دینے کی اجازت دی ہے۔''[2] اسی طرح کسی کے ہاں مزدوری (نوکری، ملازمت) کرنا بھی جائز ہے جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿ كُنْتُ أَرْعَاهَا عَلَى قَرَارِيطَ لِأَهْلِ مَكَّةَ ﴾ ''میں بھی اہل مکہ کی بکریاں چند قیراط کے عوض چرایا کرتا تھا۔''[3] نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہجرت کے راستے میں ایک شخص کو بطور رہنما ''اجیر'' مقرر کرنا بھی اجارہ کی مشروعیت پر دلالت کرتا ہے۔[4] علاوہ ازیں ہر ایسے کام کی اُجرت لی جا سکتی ہے جو خلافِ شرع نہ ہو۔[5] لہٰذا بڑھئی کا کام، لوہار کا کام، دھوبی کا کام، سلائی کڑھائی وغیرہ کا کام درست ہے اور ان کاموں کی اُجرت بھی جائز ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی بیاضہ کے ایک آدمی سے پچھنے لگوائے اور ﴿ فَأَعْطَاهُ أَجْرَهُ ﴾ ''اور اسے اس کی اُجرت دی۔''[6]

---

(۱) [بدائع الصنائع (۷۹/۶) المبسوط (۸۱/۲۲) المهذب (۳۸٤/۱)]

(۲) [مسلم (۱۵٤۹) كتاب البيوع : باب فى المزارعة والمؤاجرة]

(۳) [بخارى (۲۲٦۲) كتاب الإجارة : باب رعى الغنم على قراريط ، ابن ماجة (۲۱٤۰)]

(٤) [بخارى (۲۲٦۳) كتاب الإجارة : باب استيجار المشركين عند الضرورة]

(۵) [الدرر البهية للشوكانى : كتاب البيوع : باب الاجارة]

(٦) [بخارى (۲۱۰۲) ، (۲۲۱۰) ، (۲۲۷۷) ، (۲۲۷۹)]

تعالیٰ نے عقود وبیوع کو انسانی فوائد ومصالح اور حاجاتِ لازمہ کو پورا کرنے کے لیے ہی مشروع قرار دیا ہے۔(۱)

⇦ واضح رہے کہ اگرچہ مضاربت میں یہ اصول ہے کہ نقصان کی صورت میں سرمایہ دار کے مال کا نقصان ہوتا ہے اور عامل کی محنت کا لیکن اگر مال کے مالک نے عامل کو ہدایت کی ہو کہ فلاں فلاں چیز سے بچنا، ایسے اور ایسے مت کرنا، ورنہ نقصان کا ذمہ دار میں نہیں ہوں گا۔ تو یہ درست ہے جیسا کہ سابقہ حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ وہ اپنا سرمایہ دیتے وقت اس طرح کی شروط وقیود لگایا کرتے تھے۔

اجارہ (اُجرت یا ٹھیکے پر مزدوری)

اجارہ کا مفہوم

اجارہ کسی چیز کو اجرت یا ٹھیکے پر دینے کو کہتے ہیں۔ اس کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ گھر یا دکان وغیرہ کرایہ پر دینا ،مقرر اجرت پر کسی کو مزدور رکھنا، گاڑیوں کا کرایہ اور ملازمت ونوکری سب اجارہ میں شامل ہے۔

اجارہ کا جواز

اسلام نے اشیاء کو ٹھیکے اور کرائے پر دینا جائز قرار دیا ہے۔ جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ ﴿ أَمَـرَ بِـالْـمُـؤَاجَرَةِ ﴾ ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اشیاء کو) ٹھیکے پر دینے کی اجازت دی ہے۔''(۲) اسی طرح کسی کے ہاں مزدوری (نوکری، ملازمت) کرنا بھی جائز ہے جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا﴿ كُـنْـتُ أَرْعَـاهَا عَلَى قَرَارِيطَ لِأَهْلِ مَكَّةَ ﴾ ''میں بھی اہل مکہ کی بکریاں چند قیراط کے عوض چرایا کرتا تھا۔''(۳) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہجرت کے راستے میں ایک شخص کو بطور رہنما ''اجیر'' مقرر کرنا بھی اجارہ کی مشروعیت پر دلالت کرتا ہے۔(٤) علاوہ ازیں ہر ایسے کام کی اُجرت لی جا سکتی ہے جو خلافِ شرع نہ ہو۔(٥) لہٰذا بڑھئی کا کام، لوہار کا کام، دھوبی کا کام، سلائی کڑھائی وغیرہ کا کام درست ہے اور ان کاموں کی اُجرت بھی جائز ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی بیاضہ کے ایک آدمی سے پچھنے لگوائے اور ﴿ فَـأَعْـطَـاهُ أَجْرَهُ ﴾ ''اور اسے اس کی اُجرت دی۔''(٦)

---

(۱) [بدائع الصنائع (٧٩/٦) المبسوط (٨١/٢٢) المهذب (٣٨٤/١)]

(۲) [مسلم (١٥٤٩) كتاب البيوع : باب في المزارعة والمؤاجرة]

(۳) [بخاری (٢٢٦٢) كتاب الإجارة : باب رعي الغنم على قراريط ' ابن ماجة (٢١٤٠)]

(٤) [بخاری (٢٢٦٣) كتاب الإجارة : باب استيجار المشركين عند الضرورة]

(٥) [الدرر البهية للشوكاني : كتاب البيوع : باب الاجارة]

(٦) [بخاری (٢١٠٢)، (٢٢١٠)، (٢٢٧٧)، (٢٢٧٩)]

کام کرانے سے پہلے مزدور سے اُجرت طے کرنی چاہیے

مصنف عبدالرزاق میں یہ روایت ہے کہ ﴿مَنِ اسْتَأْجَرَ اَجِيْرًا فَلْيُسَمِّ لَهُ اُجْرَتَهُ﴾ ''جو بھی کسی کو مزدور بنائے اس سے اُجرت طے کر لے۔''(۱) مسند احمد میں ہے کہ ﴿نَهٰى عَنِ اسْتِئْجَارِ الْاَجِيْرِ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُ اَجْرَهُ﴾ ''آپ ﷺ نے اجرت بیان کرنے کے بغیر کسی کو مزدور بنانے سے منع فرمایا ہے۔''(۲) سنن نسائی کی ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ ﴿اِذَا اسْتَأْجَرْتَ اَجِيْرًا فَاَعْلِمْهُ اَجْرَهُ﴾ ''جب تم کسی کو مزدور بناؤ تو اسے اس کی اُجرت بتا دو۔''(۳)

اگر چہ ان روایات میں کچھ ضعف ہے لیکن وہ روایت صحیح ہے جس میں ہے کہ نبی ﷺ نے دھوکے اور غرر کی بیع سے منع فرمایا ہے۔(۴) اور چونکہ اُجرت طے نہ کرنے اور مزدوری مجہول رکھنے کا نتیجہ غرر و دھوکہ ہی ہے اس لیے جمہور علماء و فقہا نے کسی کو مزدور بنانے سے پہلے اجرت طے کر لینا ضروری قرار دیا ہے۔(۵)

مزدور کو پوری اُجرت دینی چاہیے

فرمانِ نبوی ہے کہ روزِ قیامت تین آدمیوں کا میں مدمقابل و مخالف ہوں گا (ان میں سے ایک یہ ہے) ﴿رَجُلٌ اسْتَأْجَرَ اَجِيْرًا فَاسْتَوْفٰى مِنْهُ وَلَمْ يُوْفِهِ اَجْرَهُ﴾ ''ایسا آدمی جس نے کسی کو مزدور بنا کر اس سے پورا کام لیا لیکن اس کو اُجرت پوری نہ دی۔''(۶)

کام کے فوراً بعد مزدور کو اُجرت دے دینی چاہیے

فرمانِ نبوی ہے کہ ﴿اَعْطُوا الْاَجِيْرَ اَجْرَهُ قَبْلَ اَنْ يَجِفَّ عَرَقُهُ﴾ ''مزدور کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے اسے اس کی اجرت دو۔''(۷)

دَم کی اُجرت لینا جائز ہے

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایک گروہ دورانِ سفر عرب قبائل کے کسی قبیلہ میں ٹھہرا۔ ضیافت طلب کرنے پر اہل قبیلہ

---

(۱) [مصنف عبد الرزاق (۲۳۵/۸)، (۱۵۰۲۳) نصب الراية (۱۳۱/٤)]
(۲) [ضعيف : مسند احمد (۵۹/۳)] شیخ شعیب ارناؤوط فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں انقطاع ہے۔ [الموسوعة الحديثية (۱۱۵۸۲)]
(۳) [ضعيف : ضعيف نسائی ، نسائی (۳۸۵۷)]
(٤) [مسلم (۱۵۱۳) كتاب البيوع : باب بطلان بيع الحصاة ' ابو داود (۳۳۷٦) ترمذی (۱۲۳۰)]
(۵) [نيل الاوطار (۲۳/٦)]
(٦) [بخاری (۲۲۲۷-۲۲۷۰) كتاب البيوع : باب إثم من باع حرا ' ابن ماجه (۲٤٤۲) احمد (۳۵۸/۲)]
(۷) [صحيح : صحيح ابن ماجه ' ابن ماجه (۲٤٤۳) كتاب الرهون : باب أجر الأجراء]

نے انکار کر دیا چنانچہ جب ان کا سردار ڈسا گیا اور بار بار علاج کے باوجود صحت یاب نہ ہوا تو وہ صحابہ کے پاس دم کرانے کی غرض سے حاضر ہوئے۔ ضیافت سے انکار کی وجہ سے صحابہ نے بغیر معاوضے کے دم کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر بکری کے عوض ایک صحابی نے سورۂ فاتحہ پڑھ کر دم کیا تو سردار اچھا ہو گیا۔ معاوضہ ملنے پر جب بعض افراد نے تقسیم کا مشورہ دیا تو دم کرنے والے صحابی نے اس سے پہلے نبی ﷺ سے پوچھ لینا ناگزیر سمجھا۔ چنانچہ واپسی پر جب۔ صحابہ نے آپ ﷺ کو قصہ سنایا تو آپ نے فرمایا تمہیں کس نے بتایا کہ یہ (فاتحہ) دم ہے پھر فرمایا ﴿اقْتَسِمُوْا وَاضْرِبُوْا لِیْ مَعَکُمْ سَهْمًا﴾ ''اسے تقسیم کر کے میرا حصہ بھی نکالو۔'' ایک روایت میں ہے کہ ''جب معاوضہ پر دم کرنا صحابہ نے ناپسند کیا اور واپسی پر رسول اللہ ﷺ سے کتاب اللہ پر اُجرت لینے کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا ''اُجرت کی مستحق اشیا میں سب سے زیادہ حقدار اللہ کی کتاب ہے۔'' (۱)

معلوم ہوا کہ قرآنی آیات اور مسنون اذکار و وظائف کے ذریعے دم کرنے کی اُجرت لی جا سکتی ہے۔

قرآن کی تعلیم پر اجرت لینا درست ہے

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿إِنَّ أَحَقَّ مَا أَخَذْتُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا كِتَابُ اللَّهِ﴾ ''بلاشبہ سب سے زیادہ مستحق جس پر تم اجرت لو اللہ کی کتاب ہے۔'' (۲)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کی تعلیم پر اجرت لینا جائز ہے۔ جمہور علماء اسی کے قائل ہیں البتہ کچھ اہل علم اسے ناجائز قرار دیتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ احکامِ شرعیہ کی تبلیغ نماز، روزہ اور زکوٰۃ کی طرح واجب ہے اور واجب عمل کا اجر اللہ تعالیٰ سے طلب کیا جاتا ہے انسانوں سے نہیں تاہم دم پر اُجرت کا جواز واضح نص کی وجہ سے بہرحال موجود ہے۔ (۳) امام ابن حزم رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ تعلیم القرآن پر اُجرت لینے کے ناجائز ہونے کی تمام احادیث صحیح نہیں۔ (۴) امام ابن منذر (۵) اور امام صنعانی رحمہما اللہ (٦) نے بھی قرآن کی تعلیم پر اجرت کو جائز قرار دیا ہے۔ ہمارے علم کے مطابق بھی یہی مؤقف راجح ہے۔ اس مسئلے کی بادلائل مفصل وضاحت کے لیے راقم الحروف کی کتاب'' فقه الحديث : كتاب البيوع : باب الاجاره'' ملاحظہ فرمائیے۔

مزدور کو دیانتدار، امین اور مالک کا خیر خواہ ہونا چاہیے

قرآن کریم میں ہے کہ ﴿إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْأَمِينُ﴾ [القصص : ٢٦] ''بہترین

---

(۱) [بخاری (۵۷۳۷، ۲۲۷۶) کتاب الطب : باب الشرط فی الرقیة بقطیع من الغنم، مسلم (۲۲۰۱)]

(۲) [بخاری (۵۷۳۷) کتاب الطب : باب الشرط فی الرقیة بقطیع من الغنم، ابن حبان (۵۱٤٦)]

(۳) [نیل الأوطار (۳۲٤/۵) الروضة الندیة (۲۷۹/۲)]

(٤) [المحلی (۹/۱۰۵)] (۵) [تفسیر قرطبی (۳۳۵/۱)] (٦) [سبل السلام (۱۲۳٤/۳)]

مزدور جسے تو اُجرت پر رکھے وہ ہے جو طاقتور بھی ہو اور امانتدار بھی۔'' اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اچھا مزدور (ملازم) وہ ہے جس میں دو صفات ہوں۔ ایک یہ کہ اسے جس کام کے لیے رکھا جا رہا ہے اس میں اس کے کرنے کی قدرت و طاقت اور اہلیت موجود ہو اور دوسرے یہ کہ وہ دیانت دار اور امین بھی ہو۔

دیانتداری کا مفہوم یہ ہے کہ وہ مالک کے مفادات کا تحفظ کرے، کام چوری نہ کرے، پورا وقت دے، جتنا کام طے ہے اتنا کام کرے، کسی بھی طرح مالک کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہ کرے، مالک کی غیر حاضری میں اس کے مال کی حفاظت کرے، اس میں خورد برد نہ کرے، الغرض ہر قسم کی خیانت سے بچے۔ اور اگر کوئی مزدور یا ملازم دیانتداری سے کام نہیں لیتا اور اپنے مالک کی خیر خواہی نہیں چاہتا تو یاد رکھے کہ شریعت کی نظر میں ایسا ملازم خائن اور مجرم ہے اور اس سے روزِ قیامت سخت باز پرس ہوگی جیسا کہ درج ذیل روایت میں ہے:

﴿ كُلُّكُمْ رَاعٍ وَ كُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ ... ﴾ ''تم میں سے ہر ایک نگران ہے اور اس کے ماتحتوں کے متعلق اس سے سوال ہوگا۔ امام نگران ہے اور اس سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال ہوگا۔ مرد اپنے گھر کا نگران ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا۔ عورت اپنے شوہر کے گھر کی نگران ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا۔ خادم اپنے آقا کے مال کا نگران ہے اس سے بھی باز پرس ہوگی۔''(۱)

لہٰذا مزدور کو ہمیشہ اپنے مالک کا خیر خواہ رہنا چاہیے اور اس کے احسانات اور اچھی تربیت کو کبھی فراموش نہیں کرنا چاہیے کیونکہ دیانت کا یہی تقاضا ہے کہ مزدور مالک کے احسانات کا اعتراف کرتے ہوئے اس کا شکریہ بھی ادا کرے کیونکہ فرمانِ نبوی کے مطابق جو شخص لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا بھی شکر نہیں کر سکتا۔(۲) اسی طرح مزدور کو چاہیے کہ اپنے مالک کی عزت و توقیر کا بھی خیال رکھے کیونکہ شریعت کا ایک عمومی اصول ہے کہ ''جو ہمارے چھوٹوں پر شفقت نہ کرے اور بڑوں کا حق (اس کی عزت و توقیر کی صورت میں) نہ پہچانے تو اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں۔''(۳) چونکہ مالک درجے اور مرتبے میں مزدور سے بڑا ہے اس لیے مزدور اور ملازم کو چاہیے کہ اپنے مالک کی توہین سے بچے اور ہمیشہ اس کا احترام کرتا رہے۔

مُساقات، مُزارعت، مُؤاجرت

مساقات

مساقات یہ ہے کہ کسی کو آبپاشی اور نگرانی کے لیے اپنے درخت اس شرط پر دینا کہ پیداوار کا ایک حصہ اسے

---

(۱) [بخاری (۸۹۳)، (۲۴۰۹)، (۲۵۵۴)، (۵۱۸۸) كتاب الجمعة : باب الجمعة في القرى والمدن]

(۲) [صحیح : السلسلة الصحيحة (۴۱۶) مسند احمد (۲۱۱،۵) ترمذی (۱۹۵۴)]

(۳) [صحیح : السلسلة الصحيحة (۲۱۹۶) ترمذی (۱۹۱۹) ابو داود (۴۹۴۳)]



بھی ملے گا۔ یہ جائز ہے اور اس کی دلیل آئندہ عنوان کے تحت ذکر کردہ حدیث ہے۔

مزارعت

مزارعت یہ ہے کہ کسی کو کھیتی باڑی کے لیے اپنی زمین اس شرط پر دینا کہ پیداوار کا ایک حصہ اسے بھی ملے گا۔ مزارعت کا دوسرا نام مخابرہ بھی ہے۔ مساقات اور مزارعت میں صرف اتنا فرق ہے کہ مساقات میں درخت دیئے جاتے ہیں اور مزارعت میں زمین۔ ان دونوں کے جواز کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں مذکور ہے کہ نبی ﷺ نے یہودیوں کو پیداوار کے مقررہ حصے کے عوض خیبر کے درخت بھی دیئے (جو مساقات ہے) اور زمین بھی (جو مزارعت ہے)۔[۱] جمہور علماء و محدثین بھی ان دونوں کے جواز کے ہی قائل ہیں۔[۲]

تاہم جن روایات میں مخابرہ یا مزارعت سے منع کیا گیا ہے جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ ﴿ نَهَى ﷺ عَنِ الْمُزَارَعَةِ ﴾[۳] تو اس کے متعلق یہ یاد رہے کہ مزارعت مطلقاً ممنوع نہیں بلکہ اس کی صرف ایک خاص صورت ممنوع ہے اور وہ یہ ہے کہ مالک مکمل پیداوار کا تیسرا یا چوتھا حصہ مقرر کرنے کی بجائے مزارع کے لیے زمین کے ایک خاص حصے کی پیداوار بطورِ معاوضہ مقرر کر لے' اس کا نقصان یہ ہوگا کہ بعض اوقات مزارع کی زمین میں پیداوار زیادہ ہو جائے گی اور بعض اوقات مالک کی زمین میں' اس طرح دونوں میں جھگڑے کی نوبت آ جائے گی' اسی لیے اس بیع سے منع کر دیا گیا ہے۔ یہ وضاحت ایک صحیح حدیث سے ثابت ہے۔[۴]

مؤاجرت

مؤاجرت یہ ہے کہ سونے چاندی یا مروجہ کرنسی کے عوض زمین ٹھیکے پر دینا۔ مزارعت اور مؤاجرت میں صرف یہ فرق ہے کہ مؤاجرت میں مروجہ کرنسی کے عوض زمین ٹھیکے پر دی جاتی ہے جبکہ مزارعت میں پیداوار کے ایک مخصوص حصے کے عوض دی جاتی ہے۔ مؤاجرت جائز ہے جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے سونے اور چاندی کے عوض زمین ٹھیکے پر دینے کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے جواب میں فرمایا ﴿ لَا بَأْسَ بِهِ ﴾ ''اس میں کوئی حرج نہیں۔''[۵]

---

(۱) [بخاری (۲۳۲۹-۲۳۳۸) کتاب المزارعة : باب إذا لم يشترط السنين في المزارعة' مسلم (۱۵۵۱) ابو داود (۳۴۰۸-۳۴۰۹) ترمذی (۱۳۸۳) نسائی (۵۳/۷) ابن ماجه (۲٤٦۷) احمد (۱۷/۲)]

(۲) [سبل السلام شرح بلوغ المرام (۷۸/۳)]

(۳) [مسلم (۱۵٤۹) كتاب البيوع : باب في المزارعة والمؤاجرة]

(٤) [مسلم (۱۵٤۷) كتاب البيوع : باب كراء الأرض' ابو داود (۳۳۹۲) نسائی (٤۳/۷)]

(۵) [مسلم (۱۵٤۷) كتاب البيوع : باب كراء الأرض]

اگر فصل یا پھلوں پر کوئی آفت آن پڑے تو ان کی قیمت نہیں لینی چاہیے

(1) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ﴿ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ وَضَعَ الْجَوَائِحَ ﴾ ''نبی کریم ﷺ نے آفت زدہ کے نقصان کو معاف کر دیا ہے۔''(۱) جوائح جمع ہے جائحة کی یعنی ایسی آفت و مصیبت جو پھلوں اور اموال کو ہلاک کر دیتی ہے۔

(2) ایک روایت میں یہ لفظ ہیں ﴿ أَمَرَ بِوَضْعِ الْجَوَائِحِ ﴾ ''آپ ﷺ نے مصیبت زدہ کے نقصان کو چھوڑ دینے کا حکم دیا ہے۔''(۲)

(3) فرمانِ نبوی ہے کہ ﴿ لَوْ بِعْتَ مِنْ أَخِيكَ ثَمَرًا فَأَصَابَتْهُ جَائِحَةٌ فَلَا يَحِلُّ لَكَ أَنْ تَأْخُذَ مِنْهُ شَيْئًا ' بِمَ تَأْخُذُ مَالَ أَخِيكَ بِغَيْرِ حَقٍّ ؟ ﴾ ''اگر تم اپنے بھائی کو پھل فروخت کرو اور اسے کوئی آفت (سیلاب یا طوفان وغیرہ) آن پہنچے تو تمہارے لیے اس سے کچھ بھی (قیمت) لینا جائز نہیں۔ (بالآخر) کس وجہ سے تم ناحق اپنے بھائی کا مال لے سکتے ہو؟''(۳)

معلوم ہوا کہ اگر سودا یا ٹھیکہ ہونے کے بعد پھلوں اور کھیتوں پر کوئی آفت آن پہنچے (مثلاً بارش، سیلاب اور آندھی وغیرہ) تو بائع اور مالک کو چاہیے کہ خریدار سے ہلاک ہونے والے مال کی قیمت نہ لے خواہ وہ مال کم ہو یا زیادہ خواہ اس نے کچھ قیمت ادا کر دی ہو یا نہ۔

حلال تجارت کی چند دیگر صورتیں

دو خون اور دو مردار اشیاء کی خرید و فروخت جائز ہے

کیونکہ دو خون اور دو مردار اشیاء ایسی ہیں جنہیں نبی کریم ﷺ نے حلال قرار دیا ہے۔ چنانچہ فرمانِ نبوی ہے کہ ﴿ أُحِلَّتْ لَكُمْ مَيْتَتَانِ وَ دَمَانِ فَأَمَّا الْمَيْتَتَانِ فَالْحُوتُ وَ الْجَرَادُ وَ أَمَّا الدَّمَانِ فَالْكَبِدُ وَ الطِّحَالُ ﴾ ''تمہارے لیے دو مردار اور دو خون حلال کیے گئے ہیں۔ دو مردار تو ہیں مچھلی اور ٹڈی اور دو خون ہیں جگر اور تلی۔''(۴)

رنگنے کے بعد مردار کے چمڑے کی خرید و فروخت جائز ہے

کیونکہ رنگنے کے بعد مردار کا چمڑہ پاک ہو جاتا ہے اور پاک چیز کی خرید و فروخت جائز ہے۔ چنانچہ فرمانِ

---

(۱) [صحیح: صحیح ابو داود (۲۸۸۵) کتاب البیوع: باب فی بیع السنین' ابو داود (۳۳۷۴)]

(۲) [مسلم (۱۵۵٤)]　(۳) [مسلم (۱۵۵٤) کتاب المساقاة، ابو داود (۳٤۷۰)]

(٤) [صحیح: السلسلة الصحیحة (۱۱۱۸) ابن ماجه (۳۳۱٤)]

نبوی ہے کہ ﴿ إِذَا دُبِغَ الْإِهَابُ فَقَدْ طَهُرَ ﴾ ''جب چمڑے کو رنگ دیا جاتا ہے تو وہ پاک ہو جاتا ہے۔''(۱)

جو اشیاء جزوی طور پر حرام ہیں ان کی خرید و فروخت جائز ہے

جیسے سونا پہننا مردوں کے لیے حرام جبکہ عورتوں کے لیے حلال ہے اسی طرح ریشم کا حکم ہے۔ تو ایسی اشیاء کی خرید و فروخت ہو سکتی ہے جو کلی طور پر حرام نہ ہوں۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ریشمی جبہ دیا۔ پھر آپ نے ایک دن دیکھا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے اسے پہنا ہوا ہے تو فرمایا کہ ﴿ اِنِّی لَمْ اُرْسِلْ بِهَا اِلَيْكَ لِتَلْبَسَهَا اِنَّمَا يَلْبَسُهَا مَنْ لَا خَلَاقَ لَهُ ، اِنَّمَا بَعَثْتُ اِلَيْكَ لِتَسْتَمْتِعَ بِهَا يَعْنِی تَبِيْعَهَا ﴾ ''میں نے اسے تمہارے پاس اس لیے نہیں بھیجا تھا کہ تم اسے پہن لو، اسے تو وہی لوگ پہنتے ہیں جن کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں، میں نے تو اس لیے بھیجا تھا کہ تم اسے (بیچ کر) فائدہ اٹھاؤ۔''(۲) ایک دوسری روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات سننے کے بعد عمر رضی اللہ عنہ نے وہ ریشمی جبہ دو ہزار درہم میں فروخت کر دیا۔(۳)

جانداروں کے مجسموں پر مشتمل بچوں کے کھلونوں کی خرید و فروخت

اہل علم کا کہنا ہے کہ بچوں کے کھلونوں کی خرید و فروخت جائز ہے خواہ وہ جانداروں کے مجسموں پر ہی مشتمل ہوں کیونکہ ایسے کھلونے گھروں میں رکھنا جائز ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گڑیاں تھیں اور وہ ان کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں کھیلا کرتی تھیں۔(٤) اس قسم کی روایات کی تشریح میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے بچیوں کی تصاویر اور کھلونے بنانے کا جواز ملتا ہے تاکہ اس سے بچے کھیل سکیں اور تصاویر کی ممانعت کے عموم سے یہ صورت خاص ہے۔(٥) اور ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے کھلونوں میں ایک دو پروں والا گھوڑا بھی تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس کا علم تھا۔(٦) جب ایسے کھلونے گھر میں رکھے جا سکتے ہیں تو ان کی خرید و فروخت بھی درست ہے۔ کویتی فتویٰ کمیٹی نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے۔(۷)

سودے کی نیلامی کی جا سکتی ہے

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک انصاری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور دستِ سوال دراز کیا۔ آپ نے پوچھا' کیا تیرے گھر میں کچھ بھی نہیں ہے؟ اس نے جواب دیا کیوں نہیں، ایک ٹاٹ ہے، آدھ نیچے بچھا لیتے

---

(۱) [مسلم (۳٦٦) ابن ماجة (۳٦۰۹) دارمی (۱۹۸٦) دار قطنی (٤٦/۱) أبو يعلی (۲۳۸٥)]

(۲) [بخاری (۲۱۰٤) كتاب البيوع : باب التجارة فيما يكره لبسه للرجال و النساء]

(۳) [مسلم (۲۰۷۰) كتاب اللباس و الزينة : باب تحريم استعمال اناء الذهب و الفضة على الرجال و النساء]

(٤) [بخاری (٦۱۳۰) مسلم (٦۲۸۷)] (٥) [فتح الباری (تحت الحديث / ٦۱۳۰)]

(٦) [صحيح : هداية الرواة (۳۲۰۱) ابو داود (٤۹۳۲)] (۷) [فتاوی قطاع الافتاء بالكويت (٩٦/٤)]

ہیں اور آدھا اوپر اوڑھ لیتے ہیں اور ایک پیالہ ہے جس سے ہم پانی پیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا' جاؤ اور یہ دونوں چیزیں میرے پاس لے آؤ، وہ گیا اور دونوں چیزیں لے آیا۔ آپ ﷺ نے ان دونوں کو ہاتھ میں پکڑا اور فرمایا ﴿مَنْ يَشْتَرِي هَذَيْنِ؟﴾ ''کون ہے جو یہ دونوں چیزیں خرید لے؟'' ایک شخص نے کہا' (اے اللہ کے رسول!) میں ایک درہم میں خریدتا ہوں۔ آپ نے فرمایا ﴿مَنْ يَزِيْدُ عَلَى دِرْهَمٍ﴾ ''کوئی ہے جو ایک درہم سے زیادہ دے۔'' آپ نے دو یا تین مرتبہ یہی فرمایا۔ تب ایک شخص نے کہا (یا رسول اللہ!) میں دو درہم میں خریدتا ہوں۔ آپ نے دو درہم لئے اور اس انصاری کو دے دیئے۔ (۱)

اس مسئلے میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اگر نیلامی میں بولی لگا کر محض بھاؤ چڑھانا یا کسی آدمی کو دھوکہ دہی کے ذریعے پھنسانا مقصود ہو تو پھر یہ ناجائز ہے اور اسی کا نام بیع نجش ہے جس کا بیان پچھلے باب میں گزر چکا ہے۔

اپنا چوری شدہ مال خریدا جا سکتا ہے

(1) فرمانِ نبوی ہے کہ ﴿مَنْ سُرِقَ فَوَجَدَ سَرِقَتَهُ عِنْدَ رَجُلٍ غَيْرِ مُتَّهَمٍ فَإِنْ شَاءَ اَخَذَهَا بِالْقِيْمَةِ وَإِنْ شَاءَ اتَّبَعَ صَاحِبَهُ﴾ ''جس کی کوئی چیز چوری ہو جائے پھر وہ اپنی چوری شدہ چیز کسی ایسے آدمی کے پاس پائے جس پر چوری کا الزام نہ ہو تو اگر چاہے تو قیمت دے کر (جتنے کی اس نے چور سے خریدی ہے) اس سے لے لے اور اگر چاہے تو چور کا پیچھا کرے۔'' (۲)

(2) حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ (امیر معاویہ کے عہد میں) یمامہ کے گورنر تھے اور مروان نے انہیں لکھا کہ معاویہ نے مجھے لکھا ہے کہ جس شخص کا مال چوری ہو جائے، وہ جہاں بھی اسے پا لے، وہ اس کا زیادہ حقدار ہے۔ (اسید کہتے ہیں کہ) جب مروان نے یہ بات مجھے لکھ بھیجی تو میں نے جواب میں مروان کو لکھا کہ اس بارے میں نبی ﷺ نے یوں فیصلہ کیا ہے کہ ﴿إِذَا كَانَ الَّذِي إِبْتَاعَهَا مِنَ الَّذِي سَرَقَهَا غَيْرَ مُتَّهَمٍ يُخَيَّرُ سَيِّدُهَا فَإِنْ شَاءَ أَخَذَ الَّذِيْ سُرِقَ مِنْهُ بِثَمَنِهَا وَإِنْ شَاءَ اتَّبَعَ سَارِقَهُ﴾ ''وہ شخص جس نے اس چیز کو چور سے خریدا ہے، اگر اس پر چوری کا الزام نہ ہو (یعنی وہ معتبر ہو) تو اس چیز کے مالک کو اختیار ہے کہ وہ اس کی قیمت (جتنی قیمت میں

---

(۱) [صحیح لغیرہ : صحيح الترغيب (۸۳٤) كتاب الصدقات ، ابو داود (۱٦٤۱) ابن ماجه (۲۱۹۸) ترمذی (٦٥۳) مسند احمد (۱۱٤/۳) المسند الجامع (٦۳۲) البدر المنير لابن الملقن (٥۱٤/٦)] حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا ہے کہ امام ترمذیؒ نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔[فتح الباری (۳٥٤/٤)] امام ہیثمیؒ نے نقل فرمایا ہے کہ اس کی سند کو امام ترمذیؒ نے حسن کہا ہے۔[مجمع الزوائد (٦۳۸۰)] شیخ حسام الدین عفانہ فرماتے ہیں کہ شیخ البانیؒ نے شواہد کی بنا پر اس روایت کو صحیح کہا ہے۔[فتاوی یسئلونك (٥٤/۳)]

(۲) [صحیح : صحيح الجامع الصغير (٦۲۹٥)]

اس نے چور سے خریدی ہے) دے کر، وہ چیز لے لے اور چاہے تو چور کا پیچھا کرے۔'' اسی کے مطابق، حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم نے فیصلہ کیا۔ میرا یہ جواب جب مروان نے معاویہ کو لکھ بھیجا تو جواب میں معاویہ نے مروان کو لکھا' اسید اور تم میرے خلاف فیصلہ نہیں کر سکتے، اس امر کے بارے میں جس میں مجھے والی بنایا گیا ہے۔ لیکن میں تم پر فیصلہ کر سکتا ہوں، لہٰذا میں نے جو تجھے حکم دیا ہے اس کو نافذ کرو۔ مروان نے معاویہ کا یہ خط مجھے بھیج دیا۔ میں نے کہا' میں جب تک گورنر ہوں کبھی معاویہ کے حکم کے مطابق فیصلہ نہیں کروں گا۔ [(۱)]

(شیخ البانی رحمہ اللہ) اس حدیث میں دو فائدے ہیں۔ ایک یہ کہ جو شخص اپنی چوری شدہ چیز کسی ایسے شخص کے پاس پالے جس پر کوئی الزام نہ ہو بلکہ اس نے وہ چیز خود غاصب یا چور سے خریدی ہو تو اس (پہلے مالک) کا اس چیز پر کوئی حق نہیں الا کہ وہ اسے قیمت دے کر اس سے خرید لے۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ قاضی (جج) کے لیے خلیفہ (حکمران) کی رائے کے مطابق فیصلہ دینا واجب نہیں جبکہ یہ ظاہر ہو جائے کہ اس کی رائے خلافِ سنت ہے۔ [(۲)]

مدبر غلام اور اُم ولد لونڈی بوقتِ ضرورت فروخت کی جا سکتی ہے

مدبر غلام کو بوقتِ ضرورت فروخت کیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم میں سے ایک آدمی نے اپنا ایک غلام مدبر کر دیا' اس کے پاس اس کے علاوہ کوئی اور مال بھی نہیں تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غلام کو بلوایا اور اسے فروخت کر دیا۔ [(۳)]

اُم ولد لونڈی کو فروخت کرنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی موقوف حدیث میں ممنوع ہے۔ [(٤)] لیکن حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ بوقتِ ضرورت اُم ولد کی بیع کا جواز بہر حال موجود ہے۔ جیسا کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم اپنی اُم ولد لونڈیوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں فروخت کیا کرتے تھے اور آپ اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔ [(۵)]

ایک غلام دو غلاموں کے عوض فروخت کیا جا سکتا ہے

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک غلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ کے ہاتھ پر ہجرت کی بیعت

---

(۱) [**صحیح**: السلسلة الصحيحة (۶۰۹) صحیح نسائی، نسائی (٤٦٨٠) مسند احمد (٤/٢٢٦)] شیخ شعیب ارناؤوط نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔ [الموسوعة الحديثية (١٧٩٨٦)]

(۲) [السلسلة الصحيحة (تحت الحديث / ۶۰۹)، (۲/۱۰۸)]

(۳) [بخاری (۲۱٤۱) کتاب البیوع: باب بیع المزایدة' مسلم (۹۷۹) ابو داود (۳۹۵۵) ترمذی (۱۲۱۹)]

(٤) [مؤطا (۲/۷۷٦) بیهقی (۱۰/۳٤۲) دارقطنی (٤/۱۳٤)]

(۵) [**صحیح**: صحیح ابن ماجه' ابن ماجه (۲۵۱۷) کتاب العتق: باب أمهات الأولاد]

کی۔ آپ کو اس کے غلام ہونے کا علم نہیں تھا۔ پس اس کا مالک آیا اور اسے واپس لے جانا چاہا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ﴿بِعْنِيهِ فَاشْتَرَاهُ بِعَبْدَيْنِ أَسْوَدَيْنِ﴾ ''اس کو مجھے بیچ دو، چنانچہ آپ نے وہ غلام دو سیاہ غلاموں کے عوض خرید لیا۔'' اس کے بعد آپ بیعت لینے سے قبل یہ پوچھ لیا کرتے تھے کہ آیا وہ غلام تو نہیں ہے؟۔[(۱)]

مالک کا وکیل (نمائندہ، نائب) اس کے مال میں تصرف کر سکتا ہے

یعنی اگر کوئی شخص اپنا مال دے کر کسی کو کچھ خریدنے یا بیچنے کے لیے بھیجتا ہے تو اس نمائندے کی بیع درست ہو گی۔ جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کو ایک دینار دیا تا کہ وہ اس کے عوض آپ کے لیے ایک بکری خرید لائیں۔ انہوں نے اس دینار کے عوض دو بکریاں خرید لیں پھر ان میں سے ایک بکری کو ایک دینار کے بدلے فروخت کر دیا اور آپ ﷺ کے پاس بکری اور دینار (دونوں) لے کر حاضر ہو گئے۔ (یہ دیکھ کر) آپ ﷺ نے ان کے لیے تجارت میں برکت کی دعا کی اور پھر (اس دعا کی برکت سے) وہ مٹی بھی خریدتے تو نفع اٹھاتے۔[(۲)] اس روایت سے جہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ مالک کا نمائندہ اس کے مال سے خرید و فروخت کر سکتا ہے وہاں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اگر مالک کے مال کے ذریعے نمائندے کو کوئی فائدہ پہنچے تو وہ بھی مالک کا ہی ہو گا۔

دور دراز علاقوں میں تجارت کے لیے سمندری سفر بھی کیا جا سکتا ہے

(1) ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿وَتَرَى الْفُلْكَ فِيهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ﴾ [الفاطر: ۱۲] ''آپ دیکھتے ہیں کہ بڑی بڑی کشتیاں پانی کو چیرنے پھاڑنے والی ان دریاؤں میں ہیں تا کہ تم اس کا فضل تلاش کرو۔'' اس آیت کی تفسیر میں ابو بکر الجزائری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس میں ''تم اس کا فضل تلاش کرو'' کا مطلب یہ ہے کہ تم تجارت کے ذریعے رزق تلاش کرو۔[(۳)] اور امام شوکانی رحمہ اللہ نے نقل فرمایا ہے کہ مجاہد رحمہ اللہ نے فرمایا' فضل کی تلاش سے مراد دور دراز علاقوں کی طرف سمندری سفر کر کے تجارت کرنا ہے۔[(۴)]

(2) نبی کریم ﷺ نے بنی اسرائیل کے ایک آدمی کا تذکرہ فرمایا جو سمندر میں نکل گیا اور اس نے (تجارت کے ذریعے) اپنی حاجت پوری کی۔''[(۵)]

---

(۱) [مسلم (۴۰۸۹) ترمذي (۱۲۳۹) ابن ماجه (۲۸۶۹) نسائی (۴۱۸۴) مسند احمد (۳۴۹/۳)]

(۲) [بخاری (۳۶۴۲) كتاب المناقب : باب سؤال المشركين أن يريهم النبي آية ، ابو داود (۳۳۸۴)]

(۳) [ايسر التفاسير (۳۳۷/۳)] (۴) [تفسير فتح القدير (۱۳۰/٦)]

(۵) [بخاری (۲۰۶۳) كتاب البيوع : باب التجارة فی البحر]

باب اکل المال بغیر عوض — بلا معاوضہ مال کھانے کا بیان

تجارت اور بیع کسی چیز کے عوض کوئی چیز دوسرے کو دینے کا نام ہے (جس کی حلال وحرام صورتوں کا ذکر سابقہ ابواب میں کیا گیا ہے) جبکہ مال کھانے اور لین دین کے کچھ طریقے ایسے بھی ہیں جن میں کوئی معاوضہ نہیں دینا پڑتا۔ ان میں بھی کچھ حرام اور کچھ حلال ہیں۔ آئندہ سطور میں انہی بلا معاوضہ مال کھانے کے حلال وحرام طریقوں کا بالا ختصار ذکر کیا جا رہا ہے، ملاحظہ فرمائیے۔

بلامعاوضہ مال کھانے کے چند حرام ذرائع

بلا اجازت کسی کی چیز اٹھا لینا

کسی کی اجازت کے بغیر اس کی چیز استعمال کرنا یا بتائے بغیر کوئی چیز اٹھا لینا جائز نہیں، ایسے طریقے سے حاصل ہونے والا مال ناجائز ہے۔ چنانچہ فرمانِ نبوی ہے کہ ﴿ لَا يَحِلُّ مَالُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ اِلَّا بِطِيْبَةٍ مِّنْ نَفْسِهِ ﴾ ''کسی مسلمان آدمی کا مال اس کی دلی خوشی کے بغیر حلال نہیں ہوتا۔''(۱) ایک روایت میں تو یہاں تک ہے کہ ﴿ وَ مَنْ اَخَذَ عَصَا اَخِيْهِ فَلْيَرُدَّهَا ﴾ ''جو کوئی (بلا اجازت) اپنے بھائی کی چھڑی بھی اٹھا لے اسے واپس کرے۔''(۲)

غصب

غصب یہ ہے کہ زبردستی کسی کی زمین، جائیداد یا دوسرے اموال پر قبضہ کر لینا۔ یہ حرام ہے اور اس ذریعے سے حاصل ہونے والی ہر چیز حرام کے زمرے میں ہی آتی ہے۔ فرمانِ نبوی ہے کہ ﴿ اِنَّمَا اَمْوَالُكُمْ وَدِمَائُكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ ﴾ ''تمہارا مال اور تمہارا خون (آپس میں) تم پر حرام ہے۔''(۳) ایک اور فرمانِ نبوی یوں ہے کہ ﴿ مَنِ اقْتَطَعَ شِبْرًا مِّنَ الْاَرْضِ ظُلْمًا طَوَّقَهُ اللّٰهُ اِيَّاهُ مِنْ سَبْعِ اَرْضِيْنَ ﴾ ''جس نے ایک بالشت زمین بھی زیادتی کرتے ہوئے کسی سے چھین لی' اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اتنا حصہ زمین ساتوں زمینوں سے اس کے گلے میں طوق بنا کر ڈال دیں گے۔''(۴)

---

(۱) [حسن : إرواء الغليل (۲۸۱/۵) بيهقي (۹۷/۶)]

(۲) [حسن : صحیح ابو داود (۴۱۸۳) كتاب الأدب : باب من يأخذ الشيئ من مزاح' ابو داود (۵۰۰۳)]

(۳) [بخاری (۶۷) كتاب العلم : باب قول النبي رب مبلغ أوعى من سامع' مسلم (۱۶۷۹) ابو داود (۱۹۴۸)]

(۴) [بخاری (۲۴۵۲' ۲۴۵۴) كتاب المظالم والغصب : باب إثم من ظلم شيئا من الأرض' مسلم (۱۶۱۲' ۱۶۱۱)]

غصب کی ہی ایک صورت یہ بھی ہے کہ کسی کی زمین میں کھیتی بو دینا، کوئی فصل یا درخت اُگا دینا۔ چنانچہ فرمانِ نبوی ہے کہ ﴿ مَنْ زَرَعَ فِي أَرْضِ قَوْمٍ بِغَيْرِ إِذْنِهِمْ فَلَيْسَ لَهُ مِنَ الزَّرْعِ شَيْئٌ وَلَهُ نَفَقَةٌ ﴾ ''جس نے کسی قوم کی زمین میں ان کی اجازت کے بغیر فصل کاشت کی اسے پیداوار سے کچھ نہیں ملے گا البتہ اخراجات مل جائیں گے۔''(۱) یعنی فصل کی کاشت میں جتنی لاگت آئی ہے وہ اسے دے دی جائے گی جبکہ اسے منافع نہیں دیا جائے گا۔(۲) اور یہی حکم اس شخص کا ہوگا جو کسی کی زمین پر کوئی عمارت وغیرہ تعمیر کرلے کہ اسے اس کی لاگت دے دی جائے گی اور اگر مالک اپنی زمین ہی اسے فروخت کرنے پر راضی ہو جائے تو اس پر لازم ہوگا کہ زمین کی پوری قیمت ادا کردے۔ یاد رہے کہ غاصب شخص اس وقت تک مسلسل گناہ میں مبتلا رہتا ہے جب تک مالک اسے معاف نہ کردے۔

چوری

چوری کے ذریعے حاصل ہونے والا مال بھی حرام ہے کیونکہ چوری حرام اور کبیرہ گناہ ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوٓا أَيْدِيَهُمَا﴾ [المائدة : ۳۸] ''چور مرد اور چور عورت کے ہاتھ کاٹ دو۔'' چوری کی حد مقرر ہونا ہی اس بات کا ثبوت ہے کہ چوری معمولی گناہ نہیں بلکہ بہت بڑا گناہ ہے۔ البتہ یہ یاد رہے کہ ہاتھ کاٹنے کی سزا تب نافذ ہوتی ہے جب چوری شدہ مال کی قیمت ایک چوتھائی دینار یا تین درہم یا ان دونوں میں سے کسی ایک کے برابر ہو۔(۳)

امانت میں خیانت

امانت میں خیانت بھی بہت بڑا جرم ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص امانت میں خیانت کرکے کوئی مال حاصل کرتا ہے تو وہ مال حرام ہوگا۔ خیانت کی مذمت میں اللہ تعالیٰ کا فرمان یوں ہے کہ ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِينَ﴾ [الانفال : ۵۸] ''یقیناً اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔'' اور فرمانِ نبوی ہے کہ ﴿ أَدِّ الْأَمَانَةَ إِلَى مَنِ ائْتَمَنَكَ وَلَا تَخُنْ مَنْ خَانَكَ ﴾ ''جس نے تیرے پاس امانت رکھی ہے اس کی امانت ادا کر اور جو تجھ سے خیانت کرے اس سے خیانت نہ کر۔''(۴) آپ ﷺ نے منافق کی ایک علامت یہ بیان فرمائی ہے کہ

(۱) [**صحیح** : إرواء الغلیل (۳۵۰/۵)، (۱۵۱۹) ابو داود (۳۴۰۳) کتاب البیوع : باب فی زرع الأرض بغیر إذن صاحبها، ابن ماجة (۲۴۶۶) ترمذی (۱۳۶۶) بیهقی (۱۳۶/۶) ابن أبی شیبة (۸۹/۷)]

(۲) [قفو الأثر (۱۱۰۲/۳) تلخیص الحبیر (۵۴/۳) عون المعبود (۲۶۶/۹)]

(۳) [مسلم (۱۶۸۴)، (۱۶۸۶) بخاری (۶۷۹۵) ابن ماجه (۲۵۸۵)]

(۴) [**صحیح** : الصحیحة (۴۲۳) المشکاة (۲۹۳۴) ابو داود (۳۵۳۴) ترمذی (۱۲۶۴)]

﴿إِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ﴾ ''اسے جب بھی امانت دی جاتی ہے اس میں خیانت کرتا ہے۔''(۱)

ناحق یتیم کا مال کھانا

اگر کسی کی زیر کفالت کوئی یتیم بچہ ہے تو اسے چاہیے کہ اس کے مال کو کسی بھی ناحق طریقے سے مت کھائے کیونکہ یہ حرام اور کبیرہ گناہ ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ۖ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا﴾ [النساء : ۱۰] ''جو لوگ یتیموں کا مال ظلم سے کھاتے ہیں بلاشبہ وہ اپنے پیٹوں میں آگ ہی بھر رہے ہیں اور عنقریب وہ دوزخ میں جائیں گے۔'' اور نبی ﷺ نے فرمایا، سات ہلاک کرنے والے گناہوں سے بچو (ان میں سے ایک گناہ آپ نے یہ شمار کیا کہ) ﴿وَ أَكْلُ مَالِ الْيَتِيمِ﴾ ''اور ناحق یتیم کا مال کھانا۔''(۲)

بلامعاوضہ مال کھانے کے چند حلال ذرائع

احیاء الموات (بنجر زمینوں کی آبادکاری)

بنجر زمینوں کے متعلق شریعت کا قاعدہ یہ ہے کہ شہر سے ہٹ کر ایسی زمینیں جو کسی کی ملکیت نہ ہوں جو بھی انہیں کاشت وغیرہ کے ذریعے پہلے آباد کر لے وہ اسی کی ملکیت بن جائیں گے۔ چنانچہ فرمانِ نبوی ہے کہ ﴿مَنْ أَحْيَا أَرْضًا مَيْتَةً فَهِيَ لَهُ﴾ ''جس نے کسی بنجر و بے کار زمین کو آباد کیا وہ اسی کی ملکیت ہے۔''(۳) اور ایک دوسرا فرمان یوں ہے کہ ﴿مَنْ عَمَّرَ أَرْضًا لَيْسَتْ لِأَحَدٍ فَهُوَ أَحَقُّ بِهَا﴾ ''جس نے ایسی زمین کو آباد کیا جو کسی کی ملکیت میں نہیں تھی تو وہی اس کا زیادہ حقدار ہے۔''(۴) علاوہ ازیں اگر حاکم وقت چاہے تو خود بھی آبادکاری کی غرض سے لوگوں کو زمینیں عنایت کر سکتا ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے بھی مختلف صحابہ کو زمینیں عنایت کر رکھی تھیں۔(۵)

ہبہ، ہدیہ، عطیہ

اپنی خوشی سے بلاعوض کسی کو کوئی مال یا حق دے دینا ہبہ، ہدیہ یا عطیہ کہلاتا ہے۔ یہ صرف جائز ہی نہیں بلکہ اسلام نے اس کی ترغیب بھی دلائی ہے جیسا کہ فرمانِ نبوی ہے کہ ﴿تَهَادُوْا تَحَابُّوْا﴾ ''ایک دوسرے کو تحفے دیا

(۱) [بخاری (۳٤) کتاب الایمان ، مسلم (۷۸)]
(۲) [بخاری (۲۷٦٦) ، (۵۷٦٤) ، (٦۸۵۷) مسلم (۸۹)]
(۳) [**صحیح** : إرواء الغلیل (۱۵۵۰) أحمد (۳/ ۳۰٤) ترمذی (۱۳۷۹) ابن حبان (۱۱۳۹ ۔ الموارد)]
(٤) [بخاری (۲۳۳۵) کتاب الحرث و المزارعة : باب من أحیا أرضا مواتا]
(۵) [بخاری (۵۲۲٤) ، (۲۳۷٦) مسلم (۲۱۸۲) ابو داود (۳۰۵۸) ترمذی (۱۳۸۱)]

کرو(تا کہ) باہمی محبت قائم ہو سکے۔‘‘(۱) اور فرمایا ﴿ لَا تَحْقِرَنَّ جَارَةٌ أَنْ تُهْدِيَ لِجَارَتِهَا وَلَوْ فِرْسِنَ شَاةٍ ﴾ ’’ہرگز کوئی پڑوسن اپنی دوسری پڑوسن کے لیے (معمولی ہدیہ کو بھی) حقیر نہ سمجھے خواہ بکری کے کھر کا ہی کیوں نہ ہو۔‘‘ (۲) ہبہ وعطیہ کے متعلق مزید چند مسائل حسب ذیل ہیں ملاحظہ فرمایئے:

1- تحفہ وعطیہ قبول کرنا چاہیے جیسا کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ’’اگر مجھے کسی جانور کے کھر یا بازو کی طرف دعوت دی جائے تو میں اسے قبول کروں گا اور اگر مجھے کوئی بازو یا کھر ہدیہ میں دیا جائے تو میں اسے بھی قبول کروں گا۔‘‘(۳)

2- نبی کریم ﷺ تو کفار کا دیا ہوا تحفہ بھی نہیں لوٹاتے تھے جیسا کہ آپ نے قیصر وکسریٰ کا تحفہ قبول فرمایا۔(٤)

3- تحفہ قبول کر کے اس کا بدلہ بھی دینا چاہیے جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ نبی ﷺ جہاں تحفہ قبول فرمایا کرتے تھے وہاں بدلے میں بھی تحفہ دیا کرتے تھے۔(٥)

4- اولاد کو کوئی چیز ہبہ کرتے وقت ضروری ہے کہ ان کے درمیان عدل وانصاف سے کام لیا جائے یعنی جتنا ایک بچے کو دیا جائے اتنا ہی دوسرے کو بھی دیا جائے الا کہ کوئی بچہ خود ہی اپنا حق چھوڑنے پر راضی ہو جائے۔ چنانچہ فرمانِ نبوی ہے کہ ﴿ اتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْدِلُوا بَيْنَ أَوْلَادِكُمْ ﴾ ’’اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان عدل کرو۔‘‘(٦)

5- ہدیہ وتحفہ دے کر واپس مانگنا بہت بڑا گناہ ہے جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ ’’تحفہ دے کر واپس لینے والا اُس کتے کی طرح ہے جو قے کرتا ہے پھر اسے چاٹ لیتا ہے۔‘‘(٧) البتہ صرف والد کو یہ اجازت حاصل ہے کہ وہ اپنے بچے کو دیا ہوا عطیہ وتحفہ واپس لے سکتا ہے۔(٨)

6- خواتین کو چاہیے کہ کسی کو تحفہ دینے سے پہلے اپنے شوہر سے مشورہ کر لیں کیونکہ اسلام نے عورت پر یہ پابندی عائد کی ہے کہ وہ شوہر کی اجازت کے بغیر اپنے مال میں بھی تصرف نہ کرے جیسا کہ فرمانِ نبوی ہے کہ ’’کسی

---

(١) [**حسن**: صحيح الجامع الصغير (٣٠٠٤) بخارى فى الأدب المفرد (٥٩٤)]

(٢) [بخارى (٢٥٦٦) كتاب الهبة وفضلها: باب]

(٣) [بخارى (٥١٧٨) كتاب النكاح: باب من أجاب إلى كراع ' احمد (٢٠٩/٣) ترمذى (١٣٣٨)]

(٤) [**صحيح**: صحيح ترمذى ' ترمذى (١٥٧٢) كتاب السير: باب ما جاء فى قبول هدايا المشركين]

(٥) [بخارى (٢٥٨٥) كتاب الهبة وفضلها والتحريض عليها: باب المكافأة فى الهبة ' ابو داود (٣٥٣٦)]

(٦) [بخارى (٢٥٨٦) كتاب الهبة وفضلها والتحريض عليها: باب الهبة للولد ' مسلم (١٦٢٣)]

(٧) [بخارى (٢٦٢١ ' ٢٦٢٢) كتاب الهبة وفضلها: باب لا يحل لأحد أن يرجع فى هبته وصدقته]

(٨) [**صحيح**: صحيح ابو داود (٣٠٢٣) كتاب البيوع ، ابو داود (٣٥٣٩) ترمذى (٢١٣٣)]

عورت کے لیے شوہر کی اجازت کے بغیر اپنے مال سے بھی عطیہ دینا جائز نہیں ۔''(١)

عمریٰ رُقبیٰ

عمریٰ اور رُقبیٰ بھی ہبہ کی ہی قسمیں ہیں ۔ عمریٰ کا مفہوم یہ ہے کہ کسی کو عمر بھر کے لیے کوئی چیز ہبہ کر دینا اور یوں کہنا کہ یہ چیز تیری ہے اور تیرے بعد تیرے ورثاء کی ہے ۔ یہ جائز ہے جیسا کہ متعدد احادیث اس کا ثبوت ہیں ۔(٢) رُقبیٰ مراقبہ سے ہے، اس کا مفہوم یہ ہے کہ کسی کو اس شرط پر کچھ ہبہ کرنا کہ اگر تم پہلے فوت ہو گئے تو یہ چیز میری طرف لوٹ آئے گی اور اگر میں پہلے فوت ہو گیا تو یہ تمہاری ہو جائے گی ۔ ہبہ کی یہ صورت جائز نہیں اور اس سے نبی ﷺ نے منع فرمایا ہے ۔(٣)

خون کا عطیہ دینا

اہل علم کا کہنا ہے کہ اگر چہ خون کو حرام قرار دیا گیا ہے لیکن جب کوئی مریض مجبور ہو تو اسے خون کا عطیہ دیا جا سکتا ہے بشرطیکہ خون دینے والے کو اس سے کسی قسم کے نقصان کا اندیشہ نہ ہو ۔ جسے عطیہ دیا جا رہا ہے اگر وہ مسلمان ہو تو یہ اس کے ساتھ نیکی ہو گی اور اگر غیر مسلم ہے تو اسے بھی اس قسم کا عطیہ دینے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ قرآن میں ہے کہ ''اللہ تعالیٰ تمہیں ان (کافر) لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے سے نہیں روکتا جو دین کے بارے میں تم سے نہیں لڑتے اور نہ ہی انہوں نے تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا ہے ۔''(٤) البتہ اگر غیر مسلم ان لوگوں میں سے ہو جو مسلمانوں کو اذیت دیتے ہیں، ان کے خلاف لڑتے ہیں یا لڑنے والوں کے معاون ہیں تو اسے خون کا عطیہ دینا جائز نہیں ۔ شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ نے یہی فتویٰ دیا ہے ۔(٥) شیخ ابن باز رحمہ اللہ(٦) اور سعودی مستقل فتویٰ کمیٹی(٧) کی بھی یہی رائے ہے ۔

وصیت

اگر کوئی شخص کسی کے حق میں مالی وصیت کر جائے تو وہ شخص ایسا مال وصول کر سکتا ہے بشرطیکہ وہ اس شخص کا نہ تو وارث ہو اور نہ ہی اس نے اپنی میراث کے ایک تہائی حصے سے زیادہ کی وصیت کی ہو کیونکہ فرمانِ نبوی کے مطابق

---

(١) [**صحیح** : السلسلة الصحيحة (٨٢٥)]

(٢) [بخاری (٢٦٢٦)، (٢٦٢٥) كتاب الهبة وفضلها : باب ، مسلم (١٦٢٥) ابو داود (٣٥٤٨)]

(٣) [**صحیح** : صحيح نسائی (٣٤٩٣) كتاب العمرى ، نسائی (٣٧٦٣) احمد (٢٦/٢)]

(٤) [الممتحنة : ٨]

(٥) [فتاوى نور على الدرب (١٩٤/٢١)]

(٦) [مجموع فتاوى ابن باز (٧١/٢٠)]

(٧) [فتاوى اللجنة الدائمة (٧٠/٢٥)]

نہ تو کسی وارث کے لیے وصیت کرنا جائز ہے[1] اور نہ ہی تہائی مال سے زیادہ کی وصیت کی جاسکتی ہے۔[2]

وراثت

انسان کو بلامعاوضہ مال وراثت (ترکہ، میراث) کے ذریعے بھی حاصل ہوتا ہے اور یہ اس کا جائز حق ہے جو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بالتفصیل بیان فرمایا ہے[3] اور یہ تاکید فرمائی ہے کہ ہر حقدار کو اس کا پورا حق دیا جائے۔ لہٰذا اپنا وراثت کا حق وصول کرنا بالکل درست ہے خواہ وارث مرد ہو یا عورت۔ فرمانِ نبوی ہے کہ ﴿ مَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِوَرَثَتِهِ ... ﴾ "جو شخص کوئی مال چھوڑ جائے تو وہ اس کے ورثاء کا ہے۔"[4] البتہ اتنا یاد رہے کہ نہ تو کوئی کافر مسلمان نہ وارث بن سکتا ہے اور نہ ہی مسلمان کسی کافر کا۔[5] اسی طرح قاتل بھی مقتول کا وارث نہیں بن سکتا۔[6] علاوہ ازیں وراثت کے مسائل اور طریقۂ تقسیم کی تفصیل کے لیے ہماری کتاب فقہ الحدیث : کتاب المواریث یا دوسری کتاب فقہ الاسلام : کتاب البیوع : باب الفرائض یا اس موضوع پر لکھی گئی دیگر مفصل کتب ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

زکوٰۃ وصدقات

جو لوگ مستحق ہیں ان کے لیے زکوٰۃ وصدقات وصول کرنا بھی درست ہے۔ جیسا کہ زکوٰۃ کے مصارف میں فقراء، مساکین، زکوٰۃ وصول کرنے والے عاملین، (ایسے کفار یا نومسلم) جن کی تالیفِ قلب مقصود ہو، قیدی، مقروض، اللہ کی راہ میں لڑنے والے اور مسافروں کا ذکر کیا گیا ہے۔[7] تو ایسے تمام لوگوں کے لیے زکوٰۃ کا مال لینا درست ہے۔ البتہ اگر کوئی مستحق نہیں تو اسے چاہیے کہ زکوٰۃ لینے سے بچے کیونکہ وہ اس کے لیے حلال نہیں۔ علاوہ ازیں مالدار اور کمائی کے قابل افراد[8]، آلِ محمد (بنو ہاشم، بنو مطلب)[9]، ان کے غلاموں[10]، اور (تالیف قلب کے علاوہ) غیر مسلموں[11] کے لیے بھی زکوٰۃ وصول کرنا درست نہیں کیونکہ وہ اس کے مستحق نہیں۔

---

(١) [**صحيح** : صحيح ابن ماجه ، ابن ماجه (٢٧١٢)] (٢) [بخارى (٢٧٤٣) مسلم (١٦٢٩)]

(٣) [النساء : ١١-١٢ ، يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ ... وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ]

(٤) [**حسن** : ارواء الغليل (١٣٨/٦) ابو داود (٢٨٩٩) كتاب الفرائض ، ابن ماجه (٢٧٣٨)]

(٥) [بخارى (٦٧٦٤) مسلم (١٦١٤)] (٦) [**حسن** : صحيح ابوداود ، ابو داود (٤٥٦٤)]

(٧) [التوبة : ٦٠]

(٨) [**صحيح** : صحيح أبو داود ، ابوداود (١٦٣٤) كتاب الزكاة : باب من يعطى من الصدقة ، ترمذى (٦٥٢)]

(٩) [مسلم (١٠٧٢ ، ١٦٨ ، ١٦٧) أبو داود (٢٩٨٥)] (١٠) [**صحيح** : صحيح أبو داود (١٤٥٢)]

(١١) [بخارى (١٤٥٨) كتاب الزكاة : باب لا توخذ كرائم أموال الناس فى الصدقة ، مسلم (١٩)] ، مزيد ديكهئے : [السيل الجرار للشوكانى (٨١/١٠) فتاوى اللجنة الدائمة (٢٨/١٠)]



باب القرض و الرهن و التفليس — قرض، گروی اور دیوالیہ کے مسائل



قرض کے مسائل

کسی کو اُدھار رقم دینے یا کسی سے اُدھار رقم لینے کا نام قرض ہے۔ کاروبار میں اکثر قرض کی ضرورت پیش آتی ہے۔ بعض اوقات کاروبار شروع کرنے کے لیے قرض کی ضرورت ہوتی ہے اور بعض اوقات کاروبار کے دوران۔ کبھی اُدھار سودا لینا پڑتا ہے اور کبھی دینا پڑتا ہے۔ اس لیے قرض کے متعلق مسائل کا علم حاصل کرنا ضروری ہے۔ چند مسائل کا بیان حسب ذیل ہے، ملاحظہ فرمائیے۔

ضرورت مند کو قرضِ حسنہ دینا مستحب ہے

فرمانِ نبوی ہے کہ ﴿ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يُقْرِضُ مُسْلِمًا قَرْضًا مَرَّتَيْنِ اِلَّا كَانَ كَصَدَقَتِهَا مَرَّةً ﴾ ''کوئی بھی مسلمان جب کسی مسلمان کو دو مرتبہ قرض دیتا ہے تو وہ اس کے ایک مرتبہ صدقہ کی طرح ہوتا ہے۔''(1)

اور ایک دوسرا فرمان یوں ہے کہ ﴿ وَاللّٰهُ فِيْ عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِيْ عَوْنِ اَخِيْهِ ﴾ ''اللہ تعالیٰ اُس وقت تک بندے کی مدد میں ہوتے ہیں جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں ہوتا ہے۔''(2) یہاں یہ واضح رہے کہ قرض حسنہ سے مراد ایسا قرض ہے جو اللہ کی خوشنودی کے لیے دیا جائے اور سود سے پاک ہو۔ نیز قرض دینے والے کو چاہیے کہ قرض دے کر احسان بھی نہ جتلائے کیونکہ احسان جتلانے سے نیکی ضائع ہو جاتی ہے۔

قرض خواہ مقروض سے تحفہ نہ لے

قرض دار ایسا تحفہ وصول نہ کرے جو مقروض محض قرض کی وجہ سے دے رہا ہو کیونکہ یہ بھی سود کی ہی ایک قسم ہے، البتہ اگر ان کے درمیان قرض سے پہلے بھی تحفوں کا تبادلہ ہوتا تھا تو پھر کوئی حرج نہیں۔(3) چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ کو یہ نصیحت فرمائی کہ ''جب تیرا کسی پر حق ہو اور وہ تجھے بھوسا یا جو کا گٹھا یا خشک گھاس رسی سے باندھ کر ہدیہ بھیجے تو تجھے چاہیے کہ اس کو نہ لے یقیناً وہ سود ہے۔''(4)

تنگ دست مقروض کو مہلت دینی چاہیے

اگر کوئی تنگ دست ہو تو اس سے قرض وغیرہ وصول کرنے میں نرمی سے پیش آنا چاہیے اور اگر اسے رقم

---

(1) [صحيح : صحيح ابن ماجة (١٩٧٢) كتاب الأحكام : باب القرض 'ابن ماجة (٢٤٣٠)]

(2) [مسلم (٢٦٩٩)]

(3) [نيل الأوطار (٦١٧/٣)]

(4) [بخاری (٣٨١٤) كتاب المناقب]

معاف کردی جائے تو یہ اس سے بھی بہتر ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ ۚ وَأَن تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴾ [البقرة : ۲۸۰] ''اگر کوئی تنگی والا ہو تو اسے آسانی تک مہلت دینی چاہیے اور صدقہ کردو تو تمہارے لیے بہت ہی بہتر ہے اگر تمہیں علم ہو۔''

ایک روایت میں ہے کہ ایک آدمی اپنے ملازموں کو نصیحت کیا کرتا تھا کہ وہ مقروض لوگوں کو مہلت دیا کریں اوران پر سختی نہ کیا کریں اور محتاجوں کو معاف کر دیا کریں تو پھر جب فرشتے اس کی روح قبض کرنے آئے تو انہوں نے بھی اس سے درگزر کیا اور سختی نہ کی۔(۱) ایک دوسری روایت میں ہے کہ جس نے کسی تنگ دست کو مہلت دی یا اس سے قرض معاف ہی کر دیا تو اللہ تعالیٰ اسے (روزِ قیامت) اپنے سائے میں سے سایہ عطا فرمائیں گے۔(۲) اور ایک فرمانِ نبوی یوں ہے کہ ﴿ مَنْ اَنْظَرَ مُعْسِرًا فَلَهُ بِكُلِّ يَوْمٍ مِثْلُهُ صَدَقَةٌ ﴾ ''جس نے کسی تنگ دست کو مہلت دی اسے ہر دن کے بدلے اس کی (رقم کی) مثل صدقہ کرنے کا اجر ملے گا۔''(۳)

مقروض کو چاہیے کہ ادائیگی کی فکر اور نیت سے ہی قرض لے

فرمانِ نبوی ہے کہ ﴿ مَنْ اَخَذَ اَمْوَالَ النَّاسِ يُرِيْدُ اَدَائَهَا اَدَّى اللّٰهُ عَنْهُ وَمَنْ اَخَذَهَا يُرِيْدُ اِتْلَافَهَا اَتْلَفَهُ اللّٰهُ تَعَالَى ﴾ ''جو شخص لوگوں کے اموال ادائیگی کے ارادے سے لے اللہ تعالیٰ اس کی طرف سے ادا فرما دیں گے اور جو (لوگوں کے) اموال ہلاک کرنے کے ارادے سے لے اللہ تعالیٰ اسے ہلاک کر دیں گے۔''(۴) اور ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا ''اگر میرے پاس اُحد پہاڑ کے برابر بھی سونا ہو تب بھی مجھے یہ پسند نہیں کہ تین دن گزر جائیں اور اس (سونے) کا کوئی بھی حصہ میرے پاس رہ جائے سوائے اس کے جو میں کسی قرض کے دینے کے لیے رکھ چھوڑوں۔''(۵) معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کو بھی قرض کی ادائیگی کی فکر ہوتی تھی۔

قرض کی ادائیگی کے وقت خوشی سے کچھ زائد دینا بھی جائز ہے

جتنا قرض لیا ہے اتنے کی ادائیگی واجب ہے۔ البتہ اگر کوئی شخص اپنی خوشی سے کچھ زائد بھی دینا چاہے تو یہ درست ہے جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نبی ﷺ کے پاس آیا اور آپ پر میرا کچھ قرض تھا آپ نے مجھے وہ ادا کیا اور مجھے (اس سے) زائد بھی دیا۔(۶) اسی طرح نبی ﷺ پر ایک شخص کا اونٹ قرض تھا۔ جب وہ لینے

---

(۱) [بخاری (۲۰۷۷) کتاب البیوع : باب من أنظر موسرا]

(۲) [**صحیح** : الموسوعة الحدیثیة (۲۱۵۱۵) ابن ابی شیبة (۱۱/۷) عبد بن حمید (۳۷۸)]

(۳) [**صحیح** : الموسوعة الحدیثیة (۲۳۰۴٦) احمد (۳٦۰/۵) حاکم (۲۹/۲)]

(۴) [بخاری (۲۳۸۷) ابن ماجة (۲۴۱۱) أحمد (۳٦۱/۲) بیهقی (۳۵۴/۵) شرح السنة (۲۱۴٦)]

(۵) [بخاری (۲۳۸۹) کتاب الاستقراض وأداء الدیون]

(٦) [بخاری (۲۳۹۴) کتاب الاستقراض وأداء الدیون : باب حسن القضاء، مسلم (۷۱۵) ابو داود (۳۳۴۷)]

آیا تو آپ کے پاس اس سے بہتر اونٹ موجود تھا تو آپ نے وہی ادا کر دیا اور پھر فرمایا کہ ﴿ إِنَّ خِيَارَكُمْ أَحْسَنُكُمْ قَضَاءً ﴾ ”تم میں سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جو قرض ادا کرنے میں اچھے ہیں۔“(۱) واضح رہے کہ اگر قرض کے ساتھ کچھ زیادہ دینے کی شرط لگائی گئی ہو تو یہ جائز نہیں کیونکہ یہ سود کی وجہ سے حرام ہے۔

قرض کبھی معاف نہیں ہوتا

اگر کوئی شخص دنیا میں قرض کی ادائیگی نہ کرے تو وہ یاد رکھے کہ خواہ وہ اللہ کی راہ میں لڑتا ہوا شہید بھی ہو جائے تب بھی اس سے قرض معاف نہیں ہوگا جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ ﴿ يُغْفَرُ لِلشَّهِيدِ كُلُّ ذَنْبٍ إِلَّا الدَّيْنَ ﴾ ”شہید کے تمام گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں سوائے قرض کے۔“(۲) اس لیے جو لوگ قرضے لے کر ہڑپ کر جاتے ہیں، انہیں ڈرنا چاہیے اور زندگی میں ہی قرضے ادا کر دینے چاہییں اور اگر وہ ادا نہ کر سکیں تو ان کی اولاد کو چاہیے کہ ان کے ترکہ سے ان کے قرضے ادا کرے تب ہی ان کی روح کو سکون نصیب ہوگا۔ چنانچہ فرمانِ نبوی ہے کہ ﴿ نَفْسُ الْمُؤْمِنِ مُعَلَّقَةٌ بِدَيْنِهِ حَتَّى يُقْضَى عَنْهُ ﴾ ”مومن کی روح اس کے قرضے کی وجہ سے معلق ہی رہتی ہے حتی کہ اس کی طرف سے ادائیگی کر دی جائے۔“(۳)

قرض سے پناہ مانگنی چاہیے

رسول اللہ ﷺ نماز میں یہ دعا کیا کرتے تھے ﴿ اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْمَأْثَمِ وَالْمَغْرَمِ ﴾ ”اے اللہ! میں گناہ اور قرض سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔“ کسی نے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ قرض سے اس قدر (کیوں) پناہ مانگتے ہیں؟ آپ نے فرمایا ﴿ إِنَّ الرَّجُلَ إِذَا غَرِمَ حَدَّثَ فَكَذَبَ وَوَعَدَ فَأَخْلَفَ ﴾ ”جب آدمی مقروض ہوتا ہے تو بات کرتے وقت جھوٹ بولتا ہے اور وعدہ کر کے اس کی خلاف ورزی کرتا ہے۔“(۴)

مقروض کی نماز جنازہ

اگر کوئی شخص مقروض ہو اور قرض کی ادائیگی سے پہلے ہی فوت ہو جائے تو بلا شبہ اس کی نماز جنازہ ادا کی جائے گی کیونکہ وہ مسلمان ہے۔ البتہ اگر اشراف طبقہ مقروض کی نماز جنازہ نہ پڑھے تو بہتر ہے تا کہ لوگوں کو تنبیہ ہو سکے جیسا کہ نبی ﷺ نے ایک مقروض کی نماز جنازہ پڑھانے سے انکار کرتے ہوئے فرمایا کہ تم لوگ خود ہی اس کی نماز

---

(۱) [بخاری (۲۳۰۵) کتاب الوکالة : باب وكالة الشاهد والغائب جائزة ' مسلم (۱۶۰۱)]

(۲) [مسلم (۱۸۸٦) کتاب الامارة : باب من قتل فی سبیل الله]

(۳) [**صحیح** : صحيح الترغيب (۱۸۱۱) ابن ماجه (۲٤۱۳) ترمذی (۱۰۷۸) مسند احمد (۲/٤٤۰)]

(٤) [بخاری (۲۳۹۷) کتاب الاستقراض واداء الديون : باب من استعاذ من الدين]

جنازہ پڑھ لو۔[1] علاوہ ازیں اگر ایسی میت کا قرض اس کے ترکہ میں سے ادا کر دیا جائے یا اگر ترکہ میں کچھ باقی نہ ہو تو کوئی دوسرا شخص اس کی طرف سے قرض ادا کرنے کا ذمہ اٹھا لے تو پھر کوئی بھی اس کی نماز جنازہ پڑھ سکتا ہے جیسا کہ جب ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس کا قرض میرے ذمہ ہے تو پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ پڑھا دی۔[2] معلوم ہوا کہ کوئی دوسرا شخص بھی مقروض کی طرف سے ادائیگی کر سکتا ہے اور اگر کوئی بھی ادائیگی نہ کرے تو اسلامی حکمران کو چاہیے کہ اس کا قرض ادا کر دے جیسا کہ مالی فراوانی کے دور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ ﴿مَنْ تَرَكَ دَيْنًا أَوْ ضِيَاعًا فَلْيَأْتِنِي فَأَنَا مَوْلَاهُ﴾ ''جو شخص قرض چھوڑ جائے یا اولاد چھوڑ جائے تو وہ میرے پاس آ جائیں، ان کا ولی میں ہوں۔''[3]

مالدار کی طرف سے ادائیگی میں تاخیر ظلم اور قابل تعزیر جرم ہے

چنانچہ فرمانِ نبوی ہے کہ ﴿مَطْلُ الْغَنِيِّ ظُلْمٌ﴾ ''مالدار آدمی کا ٹال مٹول کرنا ظلم ہے۔''[4] ایک دوسرا فرمان یوں ہے کہ ﴿لَيُّ الْوَاجِدِ يُحِلُّ عِرْضَهُ وَعُقُوبَتَهُ﴾ ''مالدار شخص کی ٹال مٹول اس کی عزت پامال کر دیتی ہے اور اسے سزا کا مستحق بنا دیتی ہے۔''[5] لہٰذا جو شخص مالدار ہونے کے باوجود قرض کی رقم ادا نہ کرے تو اس سے حبس وقید اور عقوبت وسزا کے ذریعے مال نکلوایا جائے گا۔

قرض میں حوالہ درست ہے

حوالہ ایسا عقد ہے جو قرض کو ایک ذمہ سے دوسرے ذمہ کی طرف منتقل کرنے کا تقاضا کرتا ہے۔ یعنی مقروض قرض خواہ کو اس شخص سے ملا دے جس سے اس نے خود رقم لینی ہے تو یہ درست ہے اور اس کے جواز پر اجماع ہے۔[6] لہٰذا ایسی صورت میں قرض خواہ کو چاہیے کہ مقروض کا دیا ہوا حوالہ قبول کر لے۔ چنانچہ فرمانِ نبوی ہے کہ ﴿وَإِذَا أُحِلْتَ عَلَى مَلِيْءٍ فَاتْبَعْهُ﴾ ''اور جب تمہیں کسی مالدار کا حوالہ دیا جائے تو اسے قبول کرو۔''[7] تاہم جس کے سپرد کیا گیا ہے اگر وہ ادائیگی میں ٹال مٹول کرے یا دیوالیہ ہو جائے تو قرض خواہ اپنے اصل مقروض سے مطالبہ کرے گا کیونکہ قرض کی ادائیگی حوالے کرنے والے پر ابھی باقی ہے۔

---

(۱) [بخاری (۲۲۸۹) کتاب الحوالات : باب ان احال دین المیت علی رجل جاز] (۲) [ایضا]

(۳) [بخاری (۲۳۹۹) کتاب الاستقراض وأداء الدیون : باب الصلاۃ علی من ترک دینا]

(٤) [بخاری (۲۲۸۷) کتاب الحوالات : باب الحوالۃ وھل یرجع فی الحوالۃ ' مسلم (۱۵٦٤)]

(٥) [**حسن** : صحیح نسائی (٤۳۷۲) کتاب البیوع : باب مطل الغنی ' ابو داود (۳٦۲۸) کتاب القضاء]

(٦) [المغنی (٤/ ٥۲۱) المھذب (۱/ ۳۳۷) مغنی المحتاج (۲/ ۱۹۳) بدایۃ المجتھد (۲/ ۲۹٤)]

(۷) [**صحیح** : صحیح ابن ماجۃ (۱۹٤۸) کتاب الصدقات : باب الحوالۃ ' ابن ماجۃ (۲٤۰٤)]

گروی کے مسائل

قرض کے بدلے کوئی مال بحیثیت دستاویز دینا رہن یا گروی کہلاتا ہے۔ بالعموم اس کی ضرورت تب پیش آتی ہے جب قرض لینے اور دینے والوں کے درمیان اعتماد کا رشتہ قائم نہ ہو۔

قرض کے بدلے کوئی چیز گروی رکھوانا جائز ہے

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿وَإِنْ كُنْتُمْ عَلَىٰ سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا فَرِهَانٌ مَقْبُوضَةٌ﴾ [البقرة : ۲۸۳] ''اور اگر تم سفر میں ہو اور لکھنے والا نہ پاؤ تو رہن قبضہ میں رکھ لیا کرو۔'' یاد رہے کہ سفر کی قید اغلبیت کی بنا پر ہے ورنہ حضر میں بھی گروی کے جواز پر جمہور علما کا اتفاق ہے۔ (۱) علاوہ ازیں نبی کریم ﷺ کی وفات ہوئی تو آپ کی زرع بھی ایک یہودی کے پاس تیس صاع جو کے عوض گروی رکھی ہوئی تھی۔ (۲)

گروی رکھوائی ہوئی چیز سے فائدہ اٹھانا

اگر گروی رکھی جانے والی چیز خرچے کی محتاج ہو مثلاً مویشی وغیرہ تو گروی رکھنے والا اپنے کیے ہوئے خرچے کے برابر اس چیز سے فائدہ اٹھا سکتا ہے جیسا کہ فرمانِ نبوی ہے کہ ﴿ الظَّهْرُ يُرْكَبُ بِنَفَقَتِهِ إِذَا كَانَ مَرْهُونًا وَلَبَنُ الدَّرِّ يُشْرَبُ بِنَفَقَتِهِ إِذَا كَانَ مَرْهُونًا وَعَلَى الَّذِي يَرْكَبُ وَيَشْرَبُ النَّفَقَةُ ﴾ ''گروی رکھے ہوئے جانور پر اخراجات و مصارف کے عوض سواری کی جا سکتی ہے اور دودھ دینے والے جانور کا دودھ بھی پیا جا سکتا ہے اور جو سواری کرتا ہے اور دودھ پیتا ہے وہی اخراجات کا ذمہ دار ہے۔'' (۳)

البتہ اگر گروی رکھی جانے والی چیز خرچے کی محتاج نہ ہو مثلاً گھر، زیور، گھڑی، فرنیچر اور دیگر سامان وغیرہ تو کسی حال میں بھی اس سے نفع اٹھانا جائز نہیں الا کہ گروی رکھوانے والا خود اس کی اجازت دے دے اور اس مسئلے میں کوئی اختلاف بھی نہیں ہونا چاہیے کیونکہ گروی رکھی ہوئی چیز گروی رکھوانے والے کی ملکیت ہے اور اس کا منافع بھی اسی کا ہوگا لٰہذا کسی اور کے لیے اس کی اجازت کے بغیر اس سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں۔ جمہور علما اور ائمہ عظام اسی کے قائل ہیں۔ (٤) سعودی عرب میں مقتدر علما کے اعلیٰ ترین ادارہ ''ہیئت کبار العلماء'' نے بھی اپنے ایک فتویٰ میں یہی رائے ذکر کی ہے اور کہا ہے کہ ہمیں اس مسئلے میں کسی اختلاف کا علم نہیں۔ (٥)

---

(۱) [المغنی (٤/٣٢٧) المهذب (١/٣٠٥) بدائع الصنائع (٦/١٣٥) بداية المجتهد (٢/٢٧١)]

(۲) [بخاری (٢٠٦٩) کتاب الجهاد والسير : باب ما قيل فى درع النبى ، مسلم (١٦٠٣)]

(۳) [بخاری (٢٥١٢) کتاب الرهن : باب الرهن مرکوب ومحلوب ' ابو داود (٣٥٢٦) ترمذی (١٢٥٤)]

(٤) [المغنی (٦/٥٠٩) نيل الأوطار (٣/٦٢٠)] (٥) [ابحاث هيئة كبار العلماء (٥/١٣٠)]

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر گروی رکھی ہوئی چیز خرچے کی محتاج ہے تو خرچے کے برابر اس سے فائدہ اٹھانا بالاتفاق جائز ہے اور اگر وہ چیز خرچے کی محتاج نہیں تو پھر مالک کی اجازت کے بغیر اس سے فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا اور اگر مالک اجازت دے دے تو پھر کوئی حرج نہیں۔

دیوالیہ کے مسائل

اگر کسی آفت یا حادثے کی وجہ سے مقروض آئندہ کبھی بھی قرض ادا کرنے کے قابل نہ رہے تو اسے مفلس یا دیوالیہ کہا جاتا ہے۔ حاکم وقت ایسے شخص کو مال میں تصرف سے روک دیتا ہے اور اسی کا نام قرقی کرنا ہے۔

کسی کا مفلس ہونا ثابت ہو جائے تو اسے قید کرنا یا اذیت دینا درست نہیں

کیونکہ اسلام نے تنگ دست کو مہلت دینے اور اس کے ساتھ نرم رویہ اختیار کرنے کا درس دیا ہے جیسا کہ ارشاد ہے کہ ﴿وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ﴾ [البقرۃ : ۲۸۰] ''اگر کوئی تنگی والا ہو تو اسے آسانی تک مہلت دینی چاہیے۔''

حاکم وقت مفلس کو مال میں تصرف سے روک دے

یاد رہے کہ دیوالیہ ہونے والے شخص کے متعلق یہ دیکھا جائے گا کہ اس کا مال قرض سے کم ہے یا زیادہ۔ اگر مال زیادہ ہو تو پھر اس کے مال سے قرض ادا کر دیا جائے گا اور اگر مال کم ہو اور قرض زیادہ تو پھر حاکم کو چاہیے کہ اسے تصرف سے روک دے تاکہ پہلے قرض ادا کیا جا سکے۔[1] جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ ﴿أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ حَجَرَ عَلَى مُعَاذٍ وَبَاعَ مَالَهُ فِي دَيْنِهِ﴾ نبی ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو ان کے مال میں تصرف سے روک دیا پھر اسے (یعنی مال کو) قرض کی ادائیگی کے لیے فروخت کر دیا۔''[2] علاوہ ازیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فعل سے بھی ثابت ہے کہ انہوں نے مقروض کو مال میں تصرف سے روک دیا تھا اور اس کا مال قرض خواہوں میں تقسیم کر دیا تھا۔[3]

اگر کوئی اپنی چیز بعینہٖ پا لے تو وہی اس کا زیادہ مستحق ہے

جیسا کہ فرمانِ نبوی ہے کہ ﴿مَنْ أَدْرَكَ مَالَهُ بِعَيْنِهِ عِنْدَ رَجُلٍ أَفْلَسَ فَهُوَ أَحَقُّ بِهِ مِنْ غَيْرِهِ﴾ ''جو

---

(۱) [الملخص الفقهي للفوزان (۹۲/۲)]

(۲) [مستدرك حاكم (۵۸/۲) دارقطني (۵۲۳) بيهقي (۴۸/۶) طبراني اوسط (۱/۱۴۶/۱) امام حاکمؒ نے اسے شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے اور امام ذہبیؒ نے بھی ان کی موافقت کی ہے۔]

(۳) [مؤطا (۷۷۰/۲) بيهقي (۴۹/۶) اس کی سند منقطع ہے جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا ہے۔ [تلخيص الحبير (۹۱/۳)] امام دارقطنیؒ نے اسے موصول بھی بیان کیا ہے۔ [دارقطني في العلل (۱۴۷/۲)]

شخص اپنا مال بعینہ مفلس کے پاس پالے تو وہ دوسروں سے زیادہ اس کا حقدار ہے۔''[1] ایک دوسری روایت میں ہے کہ ''آپ ﷺ نے محتاج شخص کے متعلق فرمایا کہ اگر اس کے پاس تبدیلی کے بغیر سامان مل جائے تو وہ اس کے بیچنے والے مالک کا ہی ہے۔''[2] معلوم ہوا کہ اگر قرض دینے والا یا فروخت کرنے والا اپنی چیز بعینہ مفلس کے پاس پالے تو وہ اس کا زیادہ مستحق ہوگا لیکن اگر وہ چیز بعینہ موجود نہ ہو بلکہ اس کا کوئی وصف تبدیل ہو چکا ہو یا اس میں کوئی کمی بیشی ہو چکی ہو تو پھر وہ اس کا زیادہ مستحق نہیں ہوگا بلکہ وہ سارے قرض خواہوں کے برابر ہی ہوگا۔[3]

مفلس کا مال تمام قرض خواہوں میں قرض کی نسبت سے تقسیم کر دیا جائے گا

جیسا کہ فرمانِ نبوی ہے کہ ﴿ وَ اِنْ مَاتَ الْمُشْتَرِيْ فَصَاحِبُ الْمَتَاعِ اُسْوَةُ الْغُرَمَاءِ ﴾ ''اگر خریدار مر جائے تو صاحب مال دوسرے قرض خواہوں کے برابر ہے۔''[4] اسوہ کا معنی ہے مساوی و برابر ہونا اور غرماء غریم کی جمع ہے اس سے مراد قرض خواہ ہیں۔ یعنی وہ شخص بقیہ قرض خواہوں کے مساوی ہوگا۔ اگرچہ اس روایت میں خریدار کے فوت ہونے کا ذکر ہے مگر دیوالیہ ہونے کی صورت میں بھی یہی حکم ہے کیونکہ دونوں صورتوں میں نتیجہ ایک ہی ہے کہ اب وہ قیمت ادا نہیں کر سکتا۔

⇦ یاد رہے کہ تقسیم کے وقت مفلس سے وہ چیزیں نہیں لینی چاہییں جن کے بغیر گزارہ ممکن نہیں جیسے گھر، لباس، سردی گرمی سے بچاؤ کا سامان اور خوراک وغیرہ۔[5]

تقسیم کے بعد مفلس کے ذمہ کسی بھی قرض خواہ کا کوئی حق باقی نہیں رہتا

جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ عہد نبوت میں ایک شخص کو پھلوں کی تجارت میں کافی نقصان ہوا جس وجہ سے اس پر قرض کا بوجھ بہت زیادہ ہو گیا حتی کہ وہ کنگال ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اس پر صدقہ کرو۔'' لوگوں نے اس پر صدقہ کیا مگر وہ صدقہ اتنا نہیں تھا کہ قرض پورا ادا ہو جاتا تو آپ ﷺ نے اس کے قرض خواہوں سے کہا ﴿ خُذُوْا مَا وَجَدْتُّمْ وَلَيْسَ لَكُمْ اِلَّا ذٰلِكَ ﴾ ''(اس کے پاس تو یہی ہے) جو کچھ ملتا ہے لے لو اس کے علاوہ تمہارے لیے کچھ نہیں ہے۔''[6]

---

(۱) [بخاری (۲۴۰۲) كتاب الاستقراض : باب إذا وجد ماله عند مفلس في البيع والقرض والوديعة فهو أحق به، مؤطا (۶۷۸/۲) مسلم (۱۵۵۹) ابو داود (۳۵۱۹) ترمذی (۱۲۶۲) ابن ماجة (۲۳۶۰)]

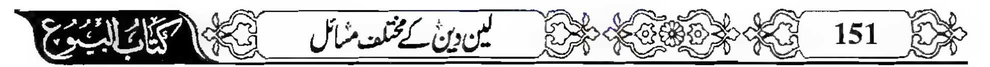
(۲) [مسلم (۱۵۵۹) كتاب المساقاة : باب من أدرك ما باعه عند المشتري وقد أفلس]

(۳) [سبل السلام (۱۱۶۳/۳) نيل الأوطار (۶۲۹/۳)]

(۴) [**صحيح** : إرواء الغليل (۱۴۴۲) ابو داود (۳۵۲۰) كتاب البيوع، مؤطا (۶۷۸/۲)]

(۵) [الدرر البهية للشوكاني : كتاب المفلس]

(۶) [مسلم (۱۵۵۶) كتاب المساقاة : باب استحباب الوضع من الدين]



باب المسائل المختلفة عن المعاملات
لین دین کے چند مختلف مسائل کا بیان

لقطہ

لُقْطَہ سے مراد ایسی گمشدہ چیز ہے جو راستے میں گری پڑی ملے یا اس کا مالک لا پتہ ہو۔ اس کے متعلق چند احکام حسب ذیل ہیں:

① جسے بھی راستے میں کوئی گری پڑی چیز ملے تو وہ اس کا اعلان کرے۔ اگر مالک مل جائے تو وہ چیز اسے دے دے اور اگر مالک نہ ملے اور وہ چیز بھی معمولی نوعیت کی ہو تو پھر خود ہی اسے استعمال کر لے جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بازار میں ایک دینار ملا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا ﴿ عَرِّفْهُ ثَلَاثًا ﴾ ''تین مرتبہ اس کا اعلان کرو۔'' انہوں نے ایسا ہی کیا لیکن اس کا کوئی مالک نہ آیا تو آپ نے فرمایا ﴿ كُلْهُ ﴾ ''اسے تم کھا لو۔''(1) اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے راستے میں ایک کھجور (گری ہوئی) دیکھی تو فرمایا ﴿ لَوْلَا أَنِّي أَخَافُ أَنْ تَكُونَ مِنَ الصَّدَقَةِ لَأَكَلْتُهَا ﴾ ''اگر مجھے یہ خدشہ نہ ہوتا کہ یہ صدقہ کی ہو سکتی ہے تو میں اسے کھا لیتا۔''(2)

② اور اگر وہ چیز قیمتی ہو تو پھر سال بھر لوگوں کے جمع ہونے کے مقامات (مثلاً مساجد، مدارس، بازاروں وغیرہ) میں اس کا اعلان کرتا رہے اور مالک کا منتظر رہے اگر مالک آ جائے تو اسے لوٹا دے اور اگر مالک نہ آئے تو سال کے بعد اسے استعمال میں لے آئے۔ لیکن اس صورت میں بھی یہ یاد رہے کہ اگر بعد میں کبھی بھی مالک آ جائے تو وہ چیز مالک کو دینی ہو گی۔ علاوہ ازیں جو جانور خود اپنی حفاظت کر سکتے ہیں جیسے اونٹ اور بعض اہل علم کے مطابق گائے ، ہرن اور پرندے وغیرہ تو انہیں اٹھانے کی ضرورت نہیں ۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے آپ سے گری پڑی چیز کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا، اس کے برتن اور دھاگے کی خوب پہچان کر لو ﴿ ثُمَّ عَرِّفْهَا سَنَةً ﴾ ''پھر سال بھر اس کی تشہیر کرو'' اگر اس کا مالک آئے (تو اسے دے دو) ورنہ جو چاہو کرو۔'' اس نے عرض کیا' گمشدہ بکریوں کے بارے میں کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا ''وہ تیرے لیے یا تیرے بھائی کے لیے یا بھیڑیئے کے لیے ہیں۔'' اس نے گمشدہ اونٹ کے متعلق دریافت کیا؟ تو آپ نے فرمایا'' تیری اس سے کیا نسبت؟ اس کا پانی اور اس کے جوتے اس کے پاس ہیں' یہ پانی کے گھاٹ پر

---

(1) [عبدالرزاق (١٠/١٤٢) ' (١٨٦٣٧)]

(2) [بخاری (٢٤٣١) کتاب اللقطة : باب إذا وجد تمرة فی الطریق ' مسلم (١٠٧١) ابو داود (١٦٥١)]

آ کر پانی پی لیتا ہے درختوں کے پتے کھا لیتا ہے حتی کہ اس کا مالک اس کے پاس آ جائے گا۔"[١] ایک دوسری روایت میں یہ لفظ بھی ہیں کہ ﴿ فَإِنْ جَاءَ طَالِبُهَا يَوْمًا مِّنَ الدَّهْرِ فَادِّهَا اِلَيْهِ ﴾"اگر اس چیز کا طلبگار عمر کے کسی حصے میں بھی آ جائے تو وہ چیز اسے ادا کرنا ہوگی۔"[٢]

③ یہاں یہ واضح رہے کہ مکہ کی گری پڑی چیز اٹھانے والے کو ہمیشہ اعلان کرنا پڑے گا۔یعنی عام علاقوں میں تو ایک سال اعلان کے بعد گمشدہ چیز اپنے استعمال میں لائی جا سکتی ہے لیکن حدودِ حرم میں ہمیشہ اعلان کا ہی حکم ہے، وہاں کی گمشدہ چیز کبھی بھی ذاتی استعمال میں نہیں لائی جا سکتی۔ چنانچہ فرمانِ نبوی ہے کہ "مکہ کی گمشدہ چیز اٹھانا صرف اعلان کرنے والے کے لیے ہی جائز ہے۔"[٣] جمہور علماء نے بھی یہی مؤقف اختیار کیا ہے کہ مکہ کی گری پڑی چیز کو اٹھانے والا ہمیشہ اس کا اعلان کرے گا۔[٤]

وقف

وقف سے مراد ہے قربِ الٰہی کی غرض سے کسی مال کو بعینہٖ تصرف سے روک دینا اور مباح مصارف میں اس سے نفع پہنچانا۔آج کل اس کے لیے ٹرسٹ (Trust) کی اصطلاح معروف ہے،اس کے چند مسائل حسب ذیل ہیں:

① وقف خالص اللہ کی رضا وخوشنودی کے لیے ہونا چاہیے تب ہی اس کا اجر وثواب ملنے کی امید کی جا سکتی ہے اور اگر محض لوگوں کو دکھانے اور شہرت حاصل کرنے کے لیے ہو تو ثواب نہیں بلکہ عذاب ملے گا کیونکہ ایک تو اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے لہٰذا جیسی نیت ہوگی ویسا ہی بدلہ ملے گا[٥] اور دوسرے یہ کہ روزِ قیامت جن تین آدمیوں کو سب سے پہلے جہنم میں ڈالا جائے گا ان میں سے ایک وہ سخی ہوگا جو محض دکھاوے اور ریاکاری کے لیے مال خرچ کرتا رہا۔[٦] اس لیے وقف خالص رضائے الٰہی کے لیے ہونا چاہیے۔

② اللہ کی راہ میں، دینی جذبہ سے،عوام الناس کے مصالح ومنافع کے لیے اپنی املاک وقف کر دینا جائز ہے جیسا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مدینہ میں بئر رومہ (میٹھے پانی کا کنواں) خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا۔[٧] اسی طرح حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اپنی تمام زرہیں اور سامانِ حرب اللہ کی راہ میں وقف کر رکھا تھا۔[٨]

---

(١) [بخاری (٢٤٢٩) كتاب في اللقطة : باب إذا لم يوجد صاحب اللقطة ' مسلم (١٣٤٦)]
(٢) [بخاری (٢٤٢٨)]
(٣) [بخاری (٢٤٣٤) كتاب اللقطة : باب كيف تعرف لقطة أهل مكة ' مسلم (١٣٥٥)]
(٤) [نيل الأوطار (٥٢/٤) فتح البارى (٣٧٤/٥)]
(٥) [بخاری (١) كتاب بدء الوحى] (٦) [مسلم (١٩٠٥) كتاب الامارة]
(٧) [حسن : إرواء الغليل (١٥٩٤) نسائی (٣٦٠٨) كتاب الأحباس : باب وقف المساجد ' ترمذی (٣٧٠٣)]
(٨) [بخاری (١٤٦٨) كتاب الزكاة : باب قول الله تعالىٰ وفى الرقاب والغارمين ، ابو داود (١٦٢٣)]

③ وقف شدہ املاک کو نہ تو فروخت کیا جا سکتا ہے' نہ انہیں بطورِ وراثت تقسیم کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی انہیں ہبہ کیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورے سے جب زمین وقف کی تو اس شرط پر کی کہ ''نہ تو اس کی اصل کو فروخت کیا جائے' نہ اس کا وارث بنا جائے اور نہ ہی اسے ہبہ کیا جائے۔ انہوں نے وہ زمین فقیروں' قرابتداروں' غلاموں کو آزاد کرانے' جہاد فی سبیل اللہ' مسافروں اور مہمانوں کے لیے وقف کر دی۔(۱)

④ وقف شدہ اشیاء کا متولی و نگران ان سے حسبِ ضرورت خود بھی کھا سکتا ہے اور اپنے دوست احباب کو بھی کھلا سکتا ہے' لیکن اس کے لیے یہ جائز نہیں کہ ان اشیاء کو اپنی ملکیت بنا کر مال جمع کرتا رہے۔ جیسا کہ سابقہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ بھی ہے کہ ''جو بھی اس (وقف شدہ) زمین کا نگران ہو وہ معروف طریقے سے اس سے کھائے' دوست احباب کو کھلائے' لیکن اسے اپنا مال نہ بنائے' تو کوئی حرج نہیں۔'' تاہم اگر متولی صاحب حیثیت ہو تو اس کے لیے بہتر یہی ہے کہ وہ کچھ نہ لے جیسا کہ قرآن میں ہے کہ ﴿وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ﴾ [النساء : ٦] ''اور جو غنی ہو وہ کچھ نہ لے۔''

عاریت

عاریت سے مراد اُدھار لی ہوئی چیز ہے۔ جس کی عموماً انسان کو ضرورت پیش آتی رہتی ہے کیونکہ ہر انسان کے لیے یہ ممکن نہیں ہوتا کہ وہ ضرورت کی ہر چیز گھر میں رکھے۔ عاریتاً لینے دینے کے چند مسائل حسب ذیل ہیں:

① اگر کوئی شخص ضرورت کی کوئی چیز اُدھار مانگے تو اسے دے دینی چاہیے جیسا کہ قرآن میں ہے کہ ﴿فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ ﴿٤﴾ الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ﴿٥﴾ الَّذِينَ هُمْ يُرَاءُونَ ﴿٦﴾ وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ﴾ [الماعون : ٤-٧] ''ان نمازیوں کے لیے ہلاکت ہے جو اپنی نمازوں سے غافل ہیں۔ جو ریا کاری کرتے ہیں۔ اور استعمال کی چیزیں روک لیتے ہیں۔''

② اُدھار لی ہوئی چیز واپس کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ ﴿عَلَى الْيَدِ مَا أَخَذَتْ حَتَّى تُؤَدِّيَهُ﴾ ''ہاتھ کے ذمہ ہے وہ چیز جو اس نے لی جب تک وہ اسے ادا نہ کر دے۔''(۲)

③ اُدھار لی ہوئی چیز اگر ہلاک یا تلف ہو جائے تو اس جیسی چیز یا اس کی قیمت کی ادائیگی اُدھار لینے والے پر لازم ہے کیونکہ وہ اس وقت تک بری نہیں ہوتا جب تک اُدھار لی ہوئی چیز واپس نہ کر دے، اس چیز کی ذمہ داری

---

(۱) [بخاری (۲۷۳۷-۲۷۶٤) کتاب الشروط : باب الشروط فی الوقف' مسلم (۱٦۳۲)]

(۲) [**حسن لغیرہ** : مسند احمد (۸/٥) ترمذی (۱۲٦٦) حاکم (٤۷/۲) امام حاکمؒ نے اسے صحیح اور امام ترمذیؒ نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔ شیخ شعیب ارناؤوط نے اسے حسن لغیرہ کہا ہے۔[الموسوعة الحدیثیة (۲۰۰۹۸)] حافظ ابن حجرؒ نے اتنا ہی نقل فرمایا ہے کہ اسے حاکم نے صحیح کہا ہے۔[بلوغ المرام (۱۸۲/۱) فتح الباری (۲٤۱/٥)]

اس پر باقی رہتی ہے جیسا کہ درج بالا روایت سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ نیز ایک دوسری روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ سے چند زر ہیں جنگ حنین کے روز اُدھار لیں تو اس نے کہا' کیا اے محمد! آپ غصب کر رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا ﴿ بَلْ عَارِيَةٌ مَضْمُونَةٌ ﴾ ''(نہیں) بلکہ عاریتاً لے رہا ہوں جس کی ضمانت دی گئی ہے۔''(۱) امام صنعانی رحمہ اللہ نے بھی اسی رائے کو ترجیح دی ہے۔(۲)

امانت

امانت کے چند مسائل درج ذیل ہیں:

① امانت میں خیانت حرام اور کبیرہ گناہ ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ أَمَانَتَهُ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ﴾ [البقرة : ۲۸۳] ''جسے امانت دی گئی ہے وہ اسے ادا کرے اور اللہ سے ڈرتا رہے۔'' اور فرمانِ نبوی ہے کہ ﴿ لَا إِيْمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ ﴾ ''جو امانت دار نہیں اس کا کوئی ایمان نہیں۔''(۳) ایک روایت کے مطابق امانت میں خیانت کرنا منافق کی علامت ہے۔(٤)

② جو کسی کے ساتھ خیانت کرے بدلے میں بھی اس کے ساتھ خیانت نہیں کرنی چاہیے جیسا کہ فرمانِ نبوی ہے کہ ﴿ أَدِّ الْأَمَانَةَ إِلَى مَنِ ائْتَمَنَكَ وَلَا تَخُنْ مَنْ خَانَكَ ﴾ ''اس شخص کو امانت واپس کرو جس نے تمہارے پاس امانت رکھی اور جس نے تم سے خیانت کی اس سے خیانت نہ کرو۔''(٥)

③ کسی کے پاس امانت رکھی ہوئی چیز اگر تلف یا ہلاک ہو جائے اور اس میں اس کی کوئی خیانت یا زیادتی بھی نہ ہو تو اس پر اس جیسی چیز لوٹانا یا اس کی قیمت ادا کرنا واجب نہیں۔ البتہ اگر اس چیز کی ہلاکت میں اس کی خیانت بھی شامل ہو تو پھر وہ اس کا ضامن ہوگا۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ ﴿ لَيْسَ عَلَى الْمُسْتَوْدَعِ غَيْرَ الْمُغِلِّ ضَمَانٌ ﴾ ''جسے امانت دی گئی ہے اس پر کوئی ضمانت نہیں سوائے اس کے کہ اس نے خیانت کی ہو۔''(٦) اگرچہ اس روایت کی سند میں ضعف ہے لیکن اس مسئلے پر علما کا اجماع ہے(۷) اور جمہور کی بھی یہی رائے ہے۔(۸)

---

(۱) [**صحيح** : صحيح ابو داود' ابو داود (۳۵٦۲_۳۵٦٤) كتاب الإجارة : باب في تضمين العارية]

(۲) [سبل السلام (۳/۱٦۲)]

(۳) [**صحيح** : صحيح الجامع الصغير (۷۱۷۹) صحيح الترغيب (۳۰۰٤) مسند احمد (۳/۱۳۵)] شیخ شعیب ارناؤوط نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔[الموسوعة الحديثية (۱۲٤۰٦)]

(٤) [بخاری (۲٤) كتاب الايمان ، مسلم (۷۸)]

(٥) [**حسن صحيح** : صحيح ابو داود' ابو داود (۳۵۳۵) ترمذی (۱۲٦٤) دارمی (۲۵۹۷)]

(٦) [**ضعيف** : ارواء الغليل (۵/۳۸٦) دارقطنی (۳/٤۱)' (۱٦۸) بيهقی (٦/۹۱)]

(۷) [موسوعة الإجماع في الفقه الإسلامي لسعدى أبو حبيب (۲/۱۰۸) الفقه الإسلامي وأدلته (۵/٤۰۲۲)]

(۸) [نيل الأوطار (۳/۲۸۹) الروضة الندية (۲/۳۱۲)]

ضمانت

لین دین کے معاملے میں بعض اوقات اعتماد نہ ہونے کی وجہ سے ضمانت کی ضرورت پیش آتی ہے۔قرض لینے والا یا دوسرا کوئی جس پر حق ہوتا ہے وہ کسی کو اپنا ضمانتی بناتا ہے اور وہ ضمانتی یہ ذمہ اٹھاتا ہے کہ وہ مقررہ وقت پر حقدار کو اس کا حق دلوائے گا۔ایسے شخص کو ضامن کہا جاتا ہے۔ضمانت سے متعلقہ چند مسائل حسب ذیل ہیں:

① اُدھار لینے والا اگر نیک ہو اور دینے والے کو اس کا علم نہ ہو تو ایسی صورت میں اس کا ضامن بننا یقیناً نیکی کا کام ہے۔جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ ایک آدمی نے کسی کے دس دینار دینے تھے اور قرض خواہ سختی سے مطالبہ کر رہا تھا کہ ادائیگی کرو یا کوئی ضامن لاؤ تو نبی ﷺ نے اس کی ضمانت دے دی اور پھر اس نے بھی اللہ کی توفیق سے وعدے کے مطابق مقررہ وقت پر ادائیگی کر دی۔[۱]

② اگر اُدھار لینے والا چیز لے کر بھاگ جائے یا نہ دے تو ضامن بننے والا اس کا تاوان ادا کرے گا کیونکہ فرمانِ نبوی ہے کہ ﴿ الزَّعِيْمُ غَارِمٌ ﴾''ضامن تاوان ادا کرے گا۔''[۲]

③ اگر اُدھار لینے والا تنگ دست ہونے کی وجہ سے ادائیگی کی طاقت نہ رکھتا ہو اور ضامن میں بھی استطاعت نہ ہو تو پھر ضمانت اٹھانے والا لوگوں سے سوال بھی کرسکتا ہے اور فرض زکوۃ یا نفلی صدقات وصول کر کے بھی تاوان ادا کرسکتا ہے جیسا کہ فرمانِ نبوی ہے کہ تین آدمیوں کے لیے سوال کرنا جائز ہے ﴿ رَجُلٌ تَحَمَّلَ حَمَالَةً ، فَحَلَّتْ لَهُ الْمَسْأَلَةُ حَتَّى يُصِيبَهَا ثُمَّ يُمْسِكُ ﴾ ''ایک وہ شخص جس نے کسی کی ضمانت اٹھائی' اس کے لیے سوال کرنا جائز ہے حتی کہ ضمانت (کی رقم) حاصل کر لے اس کے بعد (سوال کرنے سے) رُک جائے۔''[۳]

④ اور اگر ضمانت دینے والا فوت ہو جائے تو پھر چیز کا مالک اُدھار لینے والے سے تقاضا کرسکتا ہے کیونکہ اصل دیندار تو وہی ہے۔

---

(۱) [صحیح : صحیح ابو داود ، ابو داود (۳۳۲۸) کتاب البیوع : باب استخراج المعادن]

(۲) [صحیح : السلسلة الصحیحة (۶۱۰) ابو داود (۳۵۶۵) کتاب الاجارة : باب تضمین العاریة]

(۳) [مسلم (۱۰۴۴) کتاب الزکاة : باب من تحل له المسألة ' ابو داود (۱۶۴۰) نسائی (۸۹/۵)]

باب المسائل العصرية والمتفرقة چند جدید اور متفرق مسائل

اسلامی بینکنگ

آج کل دنیا بھر میں اسلامی بینکنگ یا بلاسود بینکاری کے نام سے کوششیں کی جارہی ہیں اور دینی حلقوں میں بحث و مباحثے جاری ہیں کہ آیا شرعی طور پر اسلامی بینکاری درست ہے یا نہیں؟ یا اس کا کتنا حصہ درست ہے اور کتنے میں خرابیاں پائی جاتی ہیں؟ بہر حال اس کے شرعی حکم سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ اسلامی بینکنگ ہے کیا اور اس کا آغاز کیسے ہوا؟ تاکہ مسئلہ کی نوعیت کے صحیح ادراک اور اس کے شرعی حکم تک رسائی میں آسانی رہے۔

❁ اسلامی بینکنگ کا مختصر تعارف و پس منظر:

آج کل مغرب اور دنیا میں اکثر و بیشتر سرمایہ دارانہ نظام (Capitalism) رائج ہے، جو سود پر مبنی ہے۔ مغرب میں صنعتی انقلاب (Industrial Revolution) کے بعد جب تجارتی سرگرمیاں بڑھیں تو لوگوں کی رقوم کی حفاظت، ان کی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقلی اور کاروبار کے لیے قرض لینے دینے وغیرہ جیسے کاموں کے لیے بینک وجود میں آئے، جن کے بانی یہودی تھے، جو سود پر سرمایہ دینے کا کام ایک عرصے سے کرتے چلے آرہے تھے۔ بیسویں صدی میں جب کچھ مسلمان ممالک مغربی استعمار سے آزاد ہوئے تو ان کا بینکوں سے بالفعل واسطہ پڑا۔ مگر جب انہوں نے دیکھا کہ بینکوں کا سارا نظام سودی ہے تو یہ خیال پیدا ہوا کہ کیا اس نظام میں کچھ تبدیلی کر کے اسے سود سے پاک نہیں کیا جا سکتا؟ تب اسلامی بینکاری کی سوچ پیدا ہوئی۔ پھر بعض مسلم رہنماؤں (ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی اور پروفیسر خورشید وغیرہ) کی طرف سے جب اس بات کی تائید ہوئی کہ مروجہ بینکاری نظام میں کچھ تبدیلیاں کر کے اسے اسلامی بنایا جا سکتا ہے تو عرب سرمایہ داروں نے عملاً ایسا کرنے کی ٹھان لی اور ساتھ ہی مغرب نے بھی اس کی حمایت کی (کیونکہ وہ جانتے تھے کہ مسلمانوں کی جو دولت سودی ہونے کی وجہ سے بینکوں میں جمع نہیں ہوتی یوں وہ بھی جمع ہو جائے گی، بالفاظِ دیگر ان کے تصرف میں آجائے گی) تو دھڑا دھڑ اسلامی بینک کھلنے شروع ہو گئے۔ (۱)

سب سے پہلا اسلامی بینک مصر میں 1963ء میں بنایا گیا جس کا نام ''مت غمر سوشل بینک'' تھا۔ اس بینک میں زراعت کے لیے رقوم جمع کرنے اور قرضے فراہم کرنے کا کام جاری ہوا تھا۔ اسی سال ملائیشیا میں حج کے لیے ایک ادارہ قائم کیا گیا جس کا نام ''تبونگ حاجی'' تھا۔ لوگ اس ادارے میں اپنی بچتیں جمع کرواتے اور حسب ضرورت قرض لیتے تھے۔ 1975ء میں ''دوبئی اسلامی بینک'' بنا اور اسی سال او۔آئی۔سی کے تحت ''اسلامی ترقیاتی

(۱) [ماخوذ از ''اسلامی بینکاری کی شرعی حیثیت''، ماهنامه محدث جلد ٤١، شماره ١١]

بینک'' کی بنیاد رکھی گئی۔ 1983ء میں ''اسلامی بینک بنگلہ دیش'' کا قیام عمل میں آیا اور پھر اس کے بعد پوری دنیا میں اسلامی بینکوں کے قیام کی ایک دوڑ کا آغاز ہو گیا۔ ''اسلامی معاشیات مطبوعہ 2003ء'' کے مصنفین نے اپنی کتاب میں دنیا کے اکیاون (51) مسلمان اور غیر مسلم ممالک میں تقریباً دو سو ساٹھ (260) اسلامی بینکوں کے نام دیئے ہیں کہ جن کی تعداد میں تا حال بہت حد تک پاکستان اور دوسرے ممالک میں مزید اضافہ ہو چکا ہے۔ پاکستان میں کئی ایک اسلامی بینک کام کر رہے ہیں جن میں ''میزان اسلامی بینک'' اور ''بنک الفلاح لمیٹڈ'' اور ''دوبئی اسلامی بینک'' اور ''فیصل بینک لمیٹڈ پاکستان'' وغیرہ شامل ہیں۔

❁ مروجہ اسلامی بینکنگ پر علماء کی رائے:

اگرچہ مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ کے صاحبزادے ڈاکٹر محمد تقی عثمانی حفظہ اللہ نے اسلامی بینکنگ کے جواز کا فتویٰ دیا ہے بلکہ اس کی سرپرستی بھی کر رہے ہیں مگر اہل علم کی اکثریت اس نظام کے سودی ہونے کی وجہ سے اس کی مخالف ہی ہے۔ چنانچہ اگست 2008ء میں (دیوبندی) علماء اور مختلف مدارس کے مفتی صاحبان نے کراچی میں جمع ہو کر اپنے مشترکہ فتوے کے ذریعے اسلامی بینکنگ کو غیر شرعی قرار دیا۔ (۱) ان کے اس فتوے کی بنیاد یہ تھی کہ سودی نظام کی بنیاد پر قائم بینکوں نے خود کو اسلامی بنانے کے لیے جو ذرائع اور طریقے اختیار کیے ہیں، اسلامی لحاظ سے وہ ناکافی ہیں اور اپنی اصل کے اعتبار سے ان بینکوں کا نظام سودی ہی ہے لہٰذا ناقابل قبول ہے۔

❁ مروجہ اسلامی بینکنگ کی چند خرابیاں:

اہل علم کا کہنا ہے کہ مروجہ اسلامی بینکنگ کا اتنا فائدہ تو نظر آتا ہے کہ جو لوگ پہلے سو فیصد سود میں ملوث تھے، وہ اگر اپنے مالی معاملات اور سودی بینکوں کو چھوڑ کر صرف اسلامی بینک میں اپنی رقم رکھیں تو وہ 100 فیصد کی بجائے مثلاً 40 فیصد سود پر آ جائیں گے لیکن دوسری طرف اس سے بڑا نقصان یہ ہے کہ جو لوگ اپنی دینداری اور اپنی احتیاط کی وجہ سے سود وغیرہ کے صفر درجہ پر تھے، وہ بھی لامحالہ اسلامی ہونے کے دعویدار بینکوں کو اسلامی سمجھتے ہوئے جزوی طور پر ہی سہی لیکن سودی بینکنگ میں ملوث ہو جائیں گے اور اس طرح وہ بھی سود کے چالیس فیصد لیول پر آ جائیں گے اور یقیناً یہ ایک بڑا نقصان ہے۔ بہر حال مروجہ اسلامی بینکاری کے نظام کا جائزہ لینے سے جو خرابیاں سامنے آتی ہیں ان میں سے چند کا مختصر بیان آئندہ سطور میں ملاحظہ فرمائیے۔

○ کسی چیز کی قیمت یا کرایہ طے کرنے کے لیے سودی بینکوں کے آپس کے لین دین کی شرح سود کو ہی معیار بنایا جاتا ہے۔ حالانکہ اسلامی بینکنگ میں شرح سود نہیں بلکہ کوئی اسلامی معیار مقرر کرنا چاہیے۔

---

(۱) [ملاحظہ فرمائیے: روزنامہ جنگ لاہور ۲۹ اگست ۲۰۰۹ء، ماہنامہ محدث لاہور، جلد ۴۱ عدد ۴ شمارہ مارچ / اپریل ۲۰۰۹ء۔]

- مقررہ وقت پر ادائیگی نہ ہونے کی صورت میں اسلامی بینک بھی جرمانہ وصول کرتا ہے جو سود کی ہی ایک صورت ہے۔
- کار لیزنگ اور ہوم فنانسنگ میں انشورنس یا تکافل (اسلامی انشورنس) کرایا جاتا ہے اور جیسے انشورنس سود، جوئے اور دھوکے کا مرکب ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے اسی طرح یہی تینوں چیزیں تکافل میں بھی پائی جاتی ہیں۔
- اسلامی بینک میں جس قسم کا عملہ موجود ہے وہ City Bank (سٹی بینک) یا Hong Kong Bank (ہانگ کانگ بینک) سے مختلف نہیں۔ اس کی وضع قطع اور اس کی ہیئت سے ایسا کوئی تاثر نہیں ملتا کہ وہ مشنری جذبہ رکھتا ہے جبکہ انقلابی قسم کے کاموں کی کامیابی کا انحصار ان لوگوں پر ہوتا ہے جو انقلابی ذہن اور مشنری جذبہ رکھتے ہوں۔ محض Professionals (پیشہ وروں) سے ایسی توقع نہیں کی جا سکتی۔ یہی وہ بنیادی نکتہ ہے جو مروّجہ اسلامی بینکاری کو مشتبہ بنا دیتا ہے کہ آخر ان لوگوں نے کہ جو اپنے وجود پر اسلام نافذ کرنے کو تیار نہیں، اسلامی بینکاری کو کیوں اختیار کیا ہے اور ہماری جس حکومت نے غیر سودی بینکاری کے حق میں فیصلہ دینے کی وجہ سے مولانا تقی عثمانی مدظلہ کو شرعی عدالت سے نکال دیا تھا، اس کے وزیروں نے کچھ ہی مدت بعد اسلامی بینکاری کی اذانیں کیسے دینی شروع کر دیں۔ اور امریکہ جو ہمارے ہاں کی نصاب کی کتابوں سے ان آیتوں کو نکلواتا ہے جن سے طلبہ کوئی خاطر خواہ فائدہ نہیں اٹھاتے تھے، صرف ملکی ہی نہیں بلکہ بین الاقوامی پلیٹ فارم پر اتنے اہم اسلامی نظام کو کیسے برداشت کر رہا ہے۔ (۱)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اسلامی بینکوں کا مروجہ نظام غیر شرعی حیلوں پر مشتمل ہے کہ جس میں بظاہر اسلامی قوانین کی پابندی ہو رہی ہے لیکن ان قوانین کے جاری کرنے سے شریعت کے جو مقاصد تھے وہ بری طرح پامال ہو رہے ہیں۔ لہٰذا یہ اسلامی بینکنگ ایسے حیلوں پر مشتمل ہے جو کہ شرعی مقاصد کے حصول میں رکاوٹ ہیں۔

❁ اسلامی بینکنگ کا وجود ممکن ہے یا نہیں:

کچھ اہل علم کا کہنا ہے کہ بینک اسلامی صورت اختیار کر جائیں یہ ممکن ہی نہیں کیونکہ

1- بینک بنیادی طور پر مغرب کے نظام سرمایہ دارانہ کی ایجاد ہیں جو اسلام کے معاشی نظام سے متصادم ہے۔

2- چونکہ دو باہم متضاد عناصر میں تلفیق ممکن نہیں اور نہ ہی انہیں ایک دوسرے میں مدغم کیا جا سکتا ہے لہٰذا مغرب کے سرمایہ دارانہ معاشی نظام کے کسی جزو میں اسلام کے معاشی نظام کے کسی ایک جزو کا پیوند نہیں لگ سکتا اور نہ ہی اسے یہ پیوند لگا کر اسلامی بنایا جا سکتا ہے۔

3- یہودیوں کے سودی نظام کو حیلے بہانے سے غیر سودی اور اسلامی قرار دینا اجتہاد اور تجدید نہیں، بلکہ تجدد اور

---

(۱) [ماخوذ از "مروجہ اسلامی بینکاری کی چند خرابیاں" ۔ ماہنامہ محدث: جلد ۴۰ شمارہ ۹]

بدعت ہے اور مغرب کے غیر اسلامی فکر و عمل کو مشرف بہ اسلام کرنا ہے بلکہ یہ اسلام کو مغربی فکر و عمل کے مطابق ڈھالنا ہے، لہٰذا یہ مردود اور نا قابل قبول ہے۔

4- مزعومہ 'اسلامی بینکنگ' کا یہ نظام اس لیے کامیابی سے چل رہا ہے کہ مغرب کے یہودی اور ان کے حواری حکمران اس مزعومہ 'اسلامی بینکنگ' کی حمایت اور سرپرستی کر رہے ہیں تاکہ مسلمانوں کی اربوں کھربوں کی دولت کا وہ حصہ جو وہ بینکوں میں ان کے غیر اسلامی ہونے کی بنا پر نہیں رکھتے تھے، گردش میں آجائے اور دوسرے لفظوں میں ان کے تصرف میں آجائے۔

لہٰذا ان اسباب کی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اسلامی بینکنگ کی بنیادی اپروچ ہی فکری و نظری حوالے سے غلط، خلافِ اسلام اور نا قابل قبول ہے اور بینکوں کے نظام کو اسلامی بنانے کی کوشش ہی فضول اور محض سراب ہے۔

جبکہ کچھ دوسرے اہل علم کی رائے یہ ہے کہ دنیا کی حالیہ ترقی اور مال و زر کی پیچیدہ اور متعدد سہولیات سے مزین ترسیلات کے اس دور میں ایک ایسے مالیاتی ادارے کی اشد ضرورت ہے جہاں لوگ اپنی رقوم کو جمع و محفوظ کرنے اور دنیا بھر میں صرف و ترسیل کی سہولت سے فائدہ اٹھائیں۔ ادارۂ بینک میں اس حد تک تو کوئی خاص خرابی نہیں لیکن اس جمع و ترسیل کے ساتھ سود، جوا، غرر اور انشورنس وغیرہ جیسے لازمی کاروبار ضرور قابل گرفت ہیں۔ اس لحاظ سے اگر کوئی بینک غیر اسلامی سرگرمیوں سے اپنے آپ کو محفوظ رکھے اور محض رقوم کی حفاظت و ترسیل کی سہولیات کی جائز فیس لے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اور اسلامی بینکنگ اصولاً ناممکن نہیں لیکن اس کی نوعیت و ماہیت مروجہ بینکنگ سے مختلف ہے۔ زیادہ محتاط طریقہ یہ ہوگا کہ اس کو بینکاری کے بجائے کوئی اور نام دے دیا جائے تاکہ بینکاری کے تین سو سالہ تاریخی لوازمات سے بھی وہ ادارہ پاک ہو سکے۔ (۱)

ہمارے علم کے مطابق یہی دوسری رائے ہی زیادہ مناسب ہے۔ (واللہ اعلم)

ملٹی لیول مارکیٹنگ

ملٹی لیول مارکیٹنگ (Multi Level Marketing) کا طریقہ کار ابتداءً بڑے پیمانے پر مصنوعات کی فروخت کی غرض سے اختیار کیا گیا لیکن آہستہ آہستہ عملی دشواریوں اور انتظامی مشکلات کے باعث اسے ترک کر دیا گیا۔ بعد ازاں یہ تیکنیک جواریوں کے ہاتھ آ گئی اور انہوں نے مختلف حیلوں اور نت نئی پیچیدہ قسم کی صورتوں میں اسے پیش کرنا شروع کیا۔ انہوں نے اس کے ذریعے ایک اسکیم شروع کی، جس کے تحت وہ لوگوں کو ایک مخصوص رقم کے بدلے ممبر بناتے اور اپنے ممبر بن جانے والوں کو مزید ممبر لانے کی صورت میں کمیشن دینے کا وعدہ کرتے۔ اس طرح کوئی بھی شخص ایک سو روپیہ ادا کر کے ممبر بن جاتا اور اسکیم کی ممبر شپ حاصل کرنے کے بعد یہ ممبر مزید ممبر

(۱) [ماخوذ از "اسلامی بینکاری کی شرعی حیثیت" ماھنامہ محدث: جلد ٤١ شمارہ ١١]

لانے کا اہل ہوتا۔ ہر ممبر لانے پر اسے ایک سو روپے میں بیس یا پچیس روپے کمیشن ملتا۔ باقی روپے اسکیم چلانے والی کمپنی کے پاس چلے جاتے۔ چونکہ اس اسکیم میں صرف فارم کی خرید وفروخت ہوتی تھی، اس وجہ سے اس طرح کی اسکیمیں حکومت کی نظر میں آگئیں اور مالیاتی نظم وضبط کے نگران اداروں نے ان ہپیوں سے یہ پوچھنا شروع کر دیا کہ ایسی ممبر شپ کے بدلے میں آپ اپنے ممبر کو کیا دیتے ہیں؟ یہ کمپنیاں ممبر شپ کے بدلے میں کچھ نہیں دیتی تھیں، ممبران کو صرف اپنے نام اور ممبر شپ فارم کے استعمال کی اجازت تھی۔ صرف ممبر شپ دینا چونکہ کوئی حقیقی معاشی سرگرمی نہیں ہے لہٰذا تمام حکومتوں نے ایسی کمپنیوں کے خلاف ایکشن لیا اور انہیں غیر قانونی قرار دے دیا۔ پیسے لے کر ممبر شپ دینا اور اس ممبر شپ کے بدلے میں صرف مزید ممبران کی اجازت دینا، چونکہ محض پیسے کے گھمانے کا عمل تھا، اس لیے ان کمپنیوں کو جوا کھیلنے والی کمپنیاں قرار دے دیا گیا۔ یہاں ان کمپنیوں نے اپنا طریقہ کار بدلا اور تجارت کا سہارا لیتے ہوئے ممبران کو اس فارم بیچنے کے بجائے اپنی کوئی چیز فروخت کرنی شروع کر دی اور انہیں یہ ترغیب دی کہ اگر وہ یہ چیز آگے فروخت کریں گے تو انہیں کمیشن ملے گا۔ یوں یہ کمپنیاں خود کو حقیقی تجارتی کمپنیوں کے طور پر پیش کرنے لگیں اور لوگوں کو ممبر بنانے کا کام بھی جاری رہا۔ پاکستان میں "**گولڈن کی**" (Golden Key) نامی سکیم اور انٹرنیٹ پر "**بزناس**" (Bisnas) نامی سکیم یہ کام کرتی رہی ہے۔

ان کمپنیوں کا کاروبار شرعاً درست ہے کہ نہیں اس سے پہلے ان کا طریقۂ کار جاننا ضروری ہے۔ ملٹی لیول کمپنیاں صرف ایک ہی مقصد سے کام کرتی ہیں کہ ان کے دائرہ کار میں افراد زیادہ سے زیادہ ہوں۔ ان کی ترجیح سامان کی فروخت نہیں بلکہ زیادہ سے زیادہ افراد کو ایک نیٹ ورک میں لانا ہوتا ہے اور یہ نیٹ ورک اسی طرز پر کام کرتا ہے جس طرح ''لاٹری'' کا کام کرنے والے زیادہ سے زیادہ افراد کو ٹکٹ فروخت کرتے ہیں۔ خود کو حقیقی تجارتی کمپنی ظاہر کرنے کے لیے یہ کوئی ایسی چیز، مشین، آلہ یا خدمات کا ایک پیکج ہر ممبر کو دیتی ہیں، جس سے ممبر کو یہ اطمینان ہو کہ مجھ سے صرف پیسہ نہیں لیا گیا بلکہ اس کے بدلے بھی کچھ دیا گیا ہے۔ مگر حقیقتاً یہ سب مقصود نہیں ہوتا کیونکہ اس اسکیم کے تحت شامل ہونے والے ممبر کو یہ غرض نہیں ہوتی کہ وہ کیا خرید رہا ہے بلکہ اصل مقصد زیادہ سے زیادہ ممبران کو شامل کرنا ہوتا ہے تاکہ اسے زیادہ سے زیادہ کمیشن مل سکے۔ اس طریقۂ کار کی لاٹری سے مماثلت ایک مثال سے واضح ہو سکتی ہے۔ فرض کیجیے کہ لاٹری اسکیم والے اگر ٹکٹ کے ساتھ کوئی پروڈکٹ بھی فروخت کرنا شروع کر دیں جس کی ٹکٹ لینے والے کو کوئی ضرورت نہ ہو تو یہ عمل باوجود ایک پروڈکٹ کی خرید وفروخت نظر آنے کے، لاٹری کا کام ہی کہلائے گا۔ اسی طریقۂ کار کو اپناتے ہوئے ملٹی لیول مارکیٹنگ والے لاٹری اور جوئے کی ایک جدید شکل کو خرید وفروخت کا عمل ظاہر کرتے ہیں اور عوام کی نظروں سے اس کی حقیقت کو اوجھل کر دیتے ہیں، جبکہ لوگ اسے مصنوعات کی مارکیٹنگ کا ہی ایک طریقہ سمجھتے ہیں۔

واضح رہے کہ اس طرح کی اسکیمیں جہاں کہیں بھی شروع ہوئیں وہاں چند ایسی خرابیاں سامنے آئیں جن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دھوکا دہی کا ہی ایک طریقہ ہے، جس میں عوام کو چند دنوں میں مالدار ہونے کا جھانسا دے کر، زیادہ سے زیادہ لوگوں کو نیٹ ورک میں داخل کر کے، ان سے بڑی بڑی رقم لے کر ایک پروڈکٹ دی جاتی ہے، یہ پروڈکٹ عموماً اپنی اصل قیمت سے کئی گنا زیادہ قیمت پر فروخت کی جاتی ہے اور اسے لینے والے کو اس کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ بازار میں اس طرح کی متعدد پروڈکٹس مناسب قیمت میں مل رہی ہوتی ہیں۔ خریدار صرف اس لالچ میں یہ پروڈکٹ خریدتا ہے کہ وہ آگے کسی کو بیچے گا تو اسے بھی کچھ رقم مل جائے گی۔

اس اسکیم کی دوسری خرابی یہ محسوس کی گئی کہ جب اس کا نیٹ ورک اس حد کو پہنچ جاتا ہے کہ اس کا برقرار رہنا ناممکن ہو جاتا ہے تو اسے چلانے والے کمپنی ختم کر دیتے ہیں اور کسی نئے علاقے میں نئے نام سے اپنی مصنوعات بدل کر کام شروع کر دیتے ہیں، نتیجۃً بہت سے لوگوں کی رقم ڈوب جاتی ہے جو انہوں نے اس توقع پر لگائی تھی کہ ہم خود ممبر بننے کے بعد دوسروں کو ممبر بنائیں گے اور راتوں رات امیر ہو جائیں گے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ایسی تمام کمپنیاں دھوکہ دہی اور جوئے کی ایک جدید صورت کی موجد ہیں۔ لہٰذا ان کا کاروبار، ان کے نیٹ ورک کا حصہ بننا، دوسروں کو اس میں شامل کرا کر معاوضہ وصول کرنا سب ناجائز ہے۔ کیونکہ قرآن کریم میں ناحق طریقے (جھوٹ، فریب، دھوکہ دہی وغیرہ) سے لوگوں کا مال کھانے سے منع کیا گیا ہے۔(۱) اور جوئے کو بھی شریعت میں حرام کیا گیا ہے، چنانچہ فرمانِ نبوی ہے کہ ﴿إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى أُمَّتِي الْخَمْرَ وَ الْمَيْسِرَ ... ﴾ ”اللہ تعالیٰ نے میری امت پر شراب اور جوا حرام قرار دیا ہے۔“(۲)

شیئرز (کمپنیوں کے حصص) کی خرید و فروخت

ہمارے علم کے مطابق شیئرز (کمپنیوں کے حصص) کی خرید و فروخت چند شرائط کے ساتھ جائز ہے اور وہ شرائط یہ ہیں:

1- جس کمپنی کے شیئرز خریدے جا رہے ہیں وہ واقعتاً کوئی کاروباری کمپنی ہو محض کاغذی کارروائی نہ ہو۔

2- وہ کمپنی حرام کاروبار نہ کرتی ہو (جیسے شراب یا دیگر حرام اشیاء کی تیاری وغیرہ)۔

3- کسی بھی طرح سود میں ملوث نہ ہو۔ اور اگر کسی نے لاعلمی میں ایسی کمپنی کے شیئرز خرید لیے جو سود میں ملوث تھی تو علم ہونے پر اسے چاہیے کہ فوراً اس کمپنی کے شیئرز سے اپنا سرمایہ نکال لے۔

4- کمپنی کے شیئرز کلی یا اغلب طور پر منجمد اثاثوں کی صورت میں ہوں (مثلاً زمین یا بلڈنگ وغیرہ) محض نقد رقم

---

(۱) [يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ - النساء : ۲۹]

(۲) [صحيح : السلسلة الصحيحة (۱۷۰۸) مسند احمد (۲/۱٦٥ـ۱٦۷)]

کی صورت میں نہ ہوں کیونکہ اگر کمپنی کا اثاثہ بھی نقدی کی شکل میں ہوگا تو اس کے شیئرز کو کمی بیشی (منافع) کے ساتھ فروخت کرنا جائز نہیں کیونکہ اس صورت میں نقدی کی نقدی کے ساتھ بیع ہوگی جس میں برابری ضروری ہے یعنی سو (100) روپے کا شیئر سو روپے کے بدلے ہی فروخت کیا جا سکتا ہے ایک سو ایک (101) روپے کا نہیں جبکہ اس کے پیچھے نقدی ہو۔ لیکن اگر سو روپے کے شیئر کے پیچھے زمین، مشینری یا بلڈنگ وغیرہ ہو تو اسے ایک سو ایک روپے کے عوض بھی بیچا جا سکتا ہے۔

مخصوص شرائط کے ساتھ شیئرز کے کاروبار کی اجازت دینے والے اہل علم میں سابق مفتی اعظم سعودیہ شیخ ابن باز رحمہ اللہ، شیخ عبدالرزاق عفیفی، سعودی مستقل فتویٰ کمیٹی [1]، شیخ ابن جبرین رحمہ اللہ [2]، مولانا مودودی رحمہ اللہ اور دیگر متعدد اہل علم شامل ہیں۔ عالم اسلام کے مایہ ناز علما و فقہا پر مشتمل رابطہ عالم اسلامی کے ذیلی ادارہ "مجمع الفقهي الاسلامی" نے بھی شرائط کے ساتھ شیئرز کی خرید و فروخت کو جائز قرار دیا ہے۔[3]

بلیک مارکیٹنگ (Black Marketing)

بلیک میں زیادہ قیمت پر چیز فروخت کرنا، اسلام میں اس کا کوئی تصور نہیں۔ کیونکہ بالعموم بلیک مارکیٹنگ (چور بازاری) کا دروازہ تب ہی کھلتا ہے جب حکومت اشیاء کی قیمتیں کنٹرول کرتی ہے (اور کنٹرول اسلام میں جائز نہیں جیسا کہ اس کا تفصیلی بیان پیچھے باب ''تجارت اور سودے بازی کے احکام'' کے تحت گزر چکا ہے)۔ جس بنا پر تاجر حضرات اشیاء بازار میں لانا بند کر دیتے ہیں۔ دوسری طرف حکومت مقررہ قیمت پر اشیاء فروخت کرنے کے لیے اپنے ڈپو کھولتی ہے تو وہاں سارا سارا دن لائن میں لگنا بھی ہر ایک کے لیے ممکن نہیں ہوتا۔ اس لیے لوگ مقررہ قیمت سے کچھ زیادہ قیمت دے کر بھی بلیک میں اشیاء خریدنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ اگر اسلامی تعلیمات کے مطابق اشیاء کی قیمتیں کنٹرول نہ کی جائیں تو معاشرے میں بلیک مارکیٹنگ کا وجود ہی نہ ہو۔

کسٹم اور سمگلنگ کا کاروبار

حکومت نے اشیاء کی درآمد و برآمد پر جو ٹیکس مقرر کر رکھا ہے اسے کسٹم کہا جاتا ہے۔ کسٹم سے بچنے کے لیے کچھ لوگ اِدھر اُدھر کے راستوں سے چوری چھپے سامان لاتے لے جاتے ہیں، اسی کو سمگلنگ کہا جاتا ہے۔ سمگلنگ دراصل کسٹم کی وجہ سے وجود میں آئی۔ اگر کسٹم نہ ہوتا تو سمگلنگ کبھی نہ کی جاتی۔ اور واضح رہے کہ اسلام نے مسلمانوں پر کسٹم جیسے کسی ٹیکس کی پابندی نہیں لگائی۔ بطورِ خاص جب یہ ٹیکس اتنے زیادہ ہوں جو اشیاء سے حاصل

(۱) [فتاوی اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء (۱۴/ ۳۵۱)]

(۲) [فتاوی الشيخ ابن جبرين: فتاوی متفرقة فی زكاة الاموال]

(۳) [مجلة الدعوة، الرياض، سعودی عرب، جولائی ۱۹۹۷ء عدد (۱۶۰۱)]

ہونے والے منافع سے بھی تجاوز کر جائیں تو شرعاً ان کا کوئی جواز نہیں بلکہ یہ سراسر عوام پر ظلم ہے۔

سگریٹ کا کاروبار

سگریٹ نوشی کے متعلق اگرچہ اہل علم کی مختلف آراء ہیں لیکن قابل ترجیح رائے یہی ہے کہ سگریٹ نوشی اور سگریٹ کا کاروبار حرام ہے اور اس کی چند وجوہات حسب ذیل ہیں:

① اس کا بکثرت استعمال انسان کو نشے میں مبتلا کر دیتا ہے اور فرمانِ نبوی ہے کہ ﴿ مَا اَسْكَرَ كَثِيْرُهُ فَقَلِيْلُهُ حَرَامٌ ﴾ ''جس چیز کی زیادتی نشہ کرے اس کا تھوڑا بھی حرام ہے۔''(۱) اور ایک دوسری روایت میں یہ لفظ ہیں کہ ﴿ نَهَى عَنْ كُلِّ مُسْكِرٍ ﴾ ''آپ ﷺ نے ہر نشہ آور چیز سے منع فرمایا ہے۔''(۲)

② اطباء کا اس پر اتفاق ہے کہ سگریٹ نوشی مضرِ صحت ہے اور اس کی کثرت انسان کو مختلف قسم کے مہلک امراض میں مبتلا کرنے کا ذریعہ بنتی ہے جیسے ٹی بی اور کینسر وغیرہ۔ اور ہر ایسی چیز جو انسان کی ہلاکت کا ذریعہ بن سکتی ہے اس کا استعمال اس کیلئے جائز نہیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ﴾ [البقرة : ۱۹۵] ''اور اپنے ہاتھوں ہلاکت میں مت پڑو۔'' اور دوسری آیت میں ہے کہ ﴿ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ﴾ [النساء : ۲۹] ''اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو۔''

③ سگریٹ نوشی کھانے پینے میں اسراف (حد سے تجاوز) اور تبذیر (فضول خرچی) ہے اور اسراف و تبذیر سے اسلام میں منع کیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ﴾ [الاعراف : ۳۱] ''کھاؤ اور پیو اور حد سے تجاوز مت کرو۔'' اور دوسرا فرمان یوں ہے کہ ﴿ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ﴾ [الاسراء : ۲٦] ''اور فضول خرچی مت کرو۔''

④ سگریٹ نوشی میں مال کا ضیاع ہے کیونکہ سگریٹ خریدنے والا ایسی چیز خرید رہا ہوتا ہے جس کا کوئی فائدہ نہیں اور بلاشبہ یہ مال کا ضیاع ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ ﴿ نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنْ اِضَاعَةِ الْمَالِ ﴾ ''نبی ﷺ نے مال ضائع کرنے سے منع فرمایا ہے۔''(۳)

⑤ ایک آیت کریمہ میں ہے کہ ﴿ وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا ﴾ [النساء : ۵] ''اور بے وقوفوں (نابالغ بچوں وغیرہ) کو اپنا مال مت دو جسے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے گزران کا سبب بنایا ہے۔'' یہاں بے وقوفوں کو مال دینے سے اس لیے منع کیا گیا ہے کیونکہ وہ وہاں مال خرچ کرتے ہیں جہاں کوئی

---

(۱) [**صحيح** : صحيح الجامع الصغير (۵۵۳۰) ارواء الغليل (۴۳/۸) ابن ماجه (۳۳۹۳) ابو داود (۳٦۸۱)]

(۲) [**صحيح** : صحيح الجامع الصغير (٦۹۷۷)]

(۳) [بخاری تعليقا : كتاب الزكاة : باب لا صدقة الا عن ظهر غنى ، غاية المرام (٦۹)]

فائدہ نہیں اور آگے اللہ تعالیٰ نے یہ وضاحت فرمائی ہے کہ مال لوگوں کے لیے دینی و دنیوی مصلحتوں کے قیام کا ذریعہ ہے اور بلا شبہ سگریٹ نوشی میں مال خرچ کرنا نہ تو دینی مصلحت کا کام ہے اور نہ ہی دنیوی۔

⑥ سگریٹ نوشی کی حرمت کی ایک وجہ اہل علم نے یہ بھی بیان کی ہے کہ یہ عبادات میں خلل اندازی کا ذریعہ بنتی ہے بطورِ خاص روزے میں، سگریٹ نوشی کرنے والے پر روزہ سخت گراں گزرتا ہے اور اس کا سینہ تنگ ہونا شروع ہو جاتا ہے جس بنا پر روزہ اس کے لیے ایک بوجھ کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

درج بالا دلائل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سگریٹ نوشی حرام ہے اور ہر حرام چیز کی تجارت بھی حرام ہے جیسا کہ فرمانِ نبوی ہے کہ ﴿ وَاَنَّ اللّٰهَ اِذَا حَرَّمَ عَلٰى قَوْمٍ اَكْلَ شَيْئٍ حَرَّمَ عَلَيْهِمْ ثَمَنَهُ ﴾ ''اور جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر کوئی چیز کھانا حرام کر دیتے ہیں تو اس کی قیمت بھی حرام کر دیتے ہیں۔''[1] لہٰذا سگریٹ کا کاروبار کرنے والی کمپنیاں، اس کی تجارت کرنے والے دوکاندار اور خریدنے والے لوگ سب حرام کا ارتکاب کرتے ہیں۔

شیخ ابن عثیمین[2]، شیخ محمد بن ابراہیم آل شیخ[3] اور سعودی مستقل فتویٰ کمیٹی[4] (جس میں مفتی اعظم سعودیہ شیخ ابن باز، شیخ عبداللہ بن قعود، شیخ عبداللہ بن غدیان اور شیخ عبدالرزاق عفیفی شامل ہیں) نے بھی جہاں سگریٹ نوشی کو حرام قرار دیا ہے وہاں اس کی خرید و فروخت کو بھی حرام کہا ہے۔

بلڈ بینک (Blood Bank) اور خون کی خرید و فروخت

خون کی خرید و فروخت اگرچہ حدیث میں ممنوع ہے مگر یہ بھی اصول ہے کہ مجبوری میں حرام حلال ہو جاتا ہے۔ اور یہ معلوم ہی ہے کہ خون کی خرید و فروخت صرف مجبوری میں ہی کی جاتی ہے نہ کہ خوشی و آسانی میں، اس لیے اس کی خرید و فروخت جائز ہے اور بلڈ بینک والوں کا کام درست ہے۔ تاہم اتنا ضرور ذہن نشین رہے کہ مجبوری کی صورت کے علاوہ خون کا کاروبار قطعاً ناجائز ہے۔

Lux اور دوسرے صابنوں کی خرید و فروخت

عام طور پر سننے میں آیا ہے کہ Lux اور اس طرح کے دیگر ملٹی نیشنل کمپنیوں کے تیار کردہ صابنوں میں حرام ونجس اشیاء (جیسے خنزیر کی چربی وغیرہ) ڈالی جاتی ہیں اس لیے ان کے استعمال سے بچنا چاہیے۔ تو اس بارے میں یاد رہے کہ اولاً تو یہ بات ہی مشتبہ ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر یہ ثابت بھی ہو جائے تو پھر یہ اصول ذہن نشین رہنا چاہیے کہ نجس چیز کی حالت بدل جائے تو وہ بھی پاک ہو جاتی ہے مثلاً پاخانے کا دھوپ وغیرہ کی وجہ سے مٹی بن جانا وغیرہ۔

---

(۱) [صحیح : صحیح ابو داود (۲۹۷۸) کتاب البیوع : باب فی ثمن الخمر والمیتة' ابو داود (۳۴۸۸)]

(۲) [فتاوی اسلامیة (۸۰۶/۲)] (۳) [فتاوی ورسائل محمد بن ابراهیم آل شیخ (۹۲/۱۲)]

(۴) [فتاوی اللجنة الدائمة (۵۶/۱۳)]

کیونکہ جس نجاست کی وجہ سے اس پر پلید ہونے کا حکم لگایا گیا تھا اب وہ ختم ہو چکی ہے' نہ تو اس پر وہ نام باقی ہے جس وجہ سے نجس ہونے کا حکم لگایا گیا تھا اور نہ ہی وہ صفت۔ لہٰذا جب وہ چیز تبدیل ہو گئی تو اس کا حکم بھی تبدیل ہو جائے گا۔ اس لیے ایسے صابن استعمال کیے جا سکتے ہیں اور ان کی خرید و فروخت میں بھی کوئی حرج نہیں۔ (واللہ اعلم)

بیعانہ پر ہی زمین یا گھر آگے فروخت کرنا

آج کل کاروبار کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ بیعانہ پر کوئی گھر یا پلاٹ وغیرہ خرید لیا جاتا ہے (خواہ مکمل قیمت پاس نہ بھی موجود ہو) اور بقیہ رقم کی ادائیگی کے لیے دو یا تین ماہ کا وقت لے لیا جاتا ہے اور پھر اس مدت میں آگے سے گاہک ڈھونڈ کر مہنگے داموں گھر فروخت کر دیا جاتا ہے جبکہ ابھی پہلے خریدار نے اس گھر کو رجسٹری وغیرہ کے ذریعے اپنے نام بھی نہیں لگوایا ہوتا۔ تو شرعی طور پر ایسا سودا ناجائز ہے کیونکہ

1- ایک تو وہ گھر ابھی پہلے مالک کے پاس ہی ہے بیعانہ دینے والے کے پاس نہیں اور نبی ﷺ نے ایسی چیز کا سودا کرنے سے منع فرمایا ہے جو سودا کرتے وقت پاس موجود نہ ہو یا قبضہ میں نہ ہو۔ (۱)

2- دوسری بات یہ ہے کہ ایسا گھر ابھی بیعانہ دینے والے کی ملکیت میں بھی نہیں ہوتا اور نبی ﷺ نے ایسی چیز کا سودا کرنے سے بھی منع فرمایا ہے جو فروخت کے وقت بائع کی ملکیت میں نہ ہو۔ (۲)

اور اگر کوئی یہ کہے کہ جب بیعانہ دینے والا مکمل رقم ادا کر دیتا ہے تب ہی گھر آگے فروخت کرتا ہے خواہ اس نے رجسٹری نہیں بھی کرائی ہوتی تو گھر اس کی ملکیت میں آ ہی جاتا ہے کیونکہ عہد رسالت میں تو رجسٹری کا رواج نہیں تھا بلکہ رقم دے کر چیز حاصل کر لی جاتی تھی اور اسی سے انسان مالک بن جاتا تھا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت نے عرف کا بھی لحاظ رکھا ہے (بشرطیکہ وہ نص کے مخالف نہ ہو)۔ یعنی شرعی حکم لگاتے وقت معاشرے میں جو چیز رائج ہے یا معاشرے میں جس کام کا جو طریقہ ہے اس کو بھی پیش نظر رکھا جائے گا۔ مثلاً اگر کسی علاقے میں گھوڑے کے لیے گدھے کا لفظ استعمال ہوتا ہو اور کوئی کہے کہ فلاں شخص نے میرا گدھا چرایا ہے تو قاضی فیصلہ کرتے وقت یہ نہیں کہے گا کہ چونکہ اس نے گدھے کا لفظ بولا ہے اس لیے وہ بدلے میں گدھا بھی دے دے تو کافی ہے بلکہ اس پر ضروری ہوگا کہ اس معاشرے کے رواج کے مطابق گھوڑا ہی لوٹانے کا فیصلہ کرے۔

بعینہٖ چونکہ آج ہمارے ہاں یہ رواج ہے کہ اس وقت تک کوئی بھی شخص گھر یا زمین کا مکمل مالک تصور نہیں کیا

---

(۱) [صحیح : إرواء الغلیل (۱۲۹۲) ابو داود (۳۵۰۳) کتاب البیوع : باب فی الرجل یبیع ما لیس عنده ' ترمذی (۱۲۳۲) نسائی (۲۸۹/۷) ابن ماجة (۲۱۸۷) أحمد (۴۰۲/۳) بیهقی (۳۱۷/۵)]

(۲) [بیهقی فی السنن الکبری (۳۳۹/۵) کنز العمال (۵۷/۴) تنقیح کتاب التحقیق فی احادیث التعلیق للامام الذهبی (۱۱۹/۲) موسوعة اطراف الحدیث (۵۷۴۸)]

جاتا جب تک وہ انتقال اور رجسٹری کے ذریعے اسے اپنے نام نہ لگوا لے اس لیے ہمارے علم کے مطابق محض بیعانہ پر یا ادائیگی رقم کے بعد بھی رجسٹری ہونے سے پہلے گھر آگے فروخت کرنا ناجائز ہوگا۔ (واللہ اعلم)

مرغیوں کی خوراک کی تیاری کے لیے خون اور مردار کی خرید و فروخت

خون اور مردار دونوں کو قرآن کریم میں حرام قرار دیا گیا ہے۔(۱) اور احادیث میں ان دونوں اشیاء کی تجارت کو بھی حرام کہا گیا ہے۔(۲) لہٰذا ان کی خرید و فروخت جائز نہیں۔ البتہ صرف مجبوری میں یہ حرام اشیاء حلال ہو سکتی ہیں۔ لیکن چونکہ مرغیوں کی خوراک کی تیاری کا کام مجبوری کے زمرے میں نہیں آتا اس لیے یہ اشیاء خریدنا حرام ہے۔ لہٰذا یا تو مرغیوں کی خوراک کسی حلال چیز سے تیار کی جائے اور یا پھر کاروبار بدل لیا جائے۔

امتحانات میں بددیانتی

امتحانات میں بددیانتی کرنا یا کروانا حرام ہے۔ نقل کرنے والے یا کرانے والے طلبا اور نمبر دینے میں جانبداری سے کام لینے والے اساتذہ سب رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان میں شامل ہیں ﴿مَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا﴾ ”جس نے ہم سے بددیانتی کی وہ ہم میں سے نہیں۔“(۳) شیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے۔(۴)

عورت کی ملازمت

اہل علم کا کہنا ہے کہ اسلام میں عورت کو چونکہ کسب حلال کی اجازت ہے، بنا بریں اگر اس کو اسلامی حدود میں رہتے ہوئے جملہ تحفظات میسر آ جائیں تو ملازمت میں کوئی حرج نہیں۔ باقی فتنے تو قریباً بعد کے ہر دور میں متنوع شکل میں موجود ہیں۔ ان کا توڑ صرف اسلامی تعلیمات کو مضبوطی سے تمسک کرنے میں ہی ممکن ہے۔(۵)

عورت کا وکیل، جج یا قاضی بننا اور مردوں کے ساتھ اختلاط والی نوکری کرنا

شیخ ابن جبرین رحمہ اللہ نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ عورت کے لیے ایسے اُمور کی ذمہ داری سنبھالنا جائز نہیں جن میں اسے عموماً مردوں سے بات چیت کرنی پڑے، ان سے اختلاط ہو، بار بار باہر نکلنا پڑے، اجنبی مردوں سے سوالات کرنے پڑیں یا انہیں جوابات دینے پڑیں وغیرہ وغیرہ کیونکہ یہ چیز اس کی حیاء کے خاتمے اور عفت و عصمت میں کمی کا باعث بنتی ہے۔ اسی طرح عورت امامت و خطابت کا منصب بھی نہیں سنبھال سکتی اور نہ ہی وکالت کا پیشہ اختیار کر

---

(۱) [المائدة : ۳ ۔ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَ الدَّمُ ...]

(۲) [حَرَّمَ بَيْعَ ... الْمَيْتَةِ : صحيح الترغيب (۲۳۵۷)] ، [حَرَّمَ ثَمَنَ الدَّمِ : بخاری (۲۰۸۶)]

(۳) [صحيح : السلسلة الصحيحة (۱۰۵۸) ابن حبان (۱۱۰۷) ابو نعيم فى الحلية (۱۸۸/٤)]

(٤) [فتاوی ابن باز ، مترجم ، مطبوعہ دار السلام (ص : ۱۵۸)]

(۵) [فتاوی ثنائیہ مدنیہ ، جلد اول ، صفحہ ۷۰۹]

سکتی ہے جس میں بار بار عدالتوں اور سرکاری محکموں کے چکر لگانے پڑتے ہیں اور جہاں مردوں کی بھی بھرمار ہوتی ہے۔ عورت کا اس قسم کے پیشے اختیار کرنا مرد بننے کے مترادف ہے اور جو بھی عورت مردوں کے ساتھ مشابہت کرتی ہے اس پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے۔ (۱) تاہم ایسے کام جن کی عورتیں محتاج ہیں ان کے کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ مثلاً لڑکیوں کو تعلیم دینا، عورتوں کا علاج معالجہ کرنا، خصوصی امراضِ نسواں کا علاج کرنا، اسی طرح ایسے اداروں میں کام کرنا جہاں صرف خواتین کی ہی آمد و رفت ہوتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ (واللہ اعلم) (۲)

عورت کا نوکری کرنا اور شوہر کا روکنا

واضح رہے کہ معصیت اور نافرمانی کے کام کے علاوہ ہر کام میں عورت پر واجب ہے کہ اپنے شوہر کی اطاعت کرے۔ اس لیے اگر شوہر عورت کو نوکری کرنے سے روکتا ہے تو اسے چاہیے کہ نوکری کرنے سے رک جائے۔ اسی میں اس کی کامیابی اور سعادت ہے۔ چنانچہ فرمانِ نبوی ہے کہ ”جب عورت اپنی پانچ نمازیں ادا کرے، رمضان کے روزے رکھے، اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرے اور اپنے خاوند کی اطاعت کرے تو اسے کہا جائے گا کہ تم جنت کے جس دروازے سے چاہو داخل ہو جاؤ۔“ (۳)

عورت کا نوکری نہ کرنا اور شوہر کا اسے نوکری پر مجبور کرنا

عورت کا اصل مقام گھر ہے جیسا کہ قرآن میں ہے کہ ”اور تم اپنے گھروں میں ہی ٹھہری رہو۔“ [الاحزاب : ۳۳] لہٰذا عورت پر گھر سے باہر نکل کر کام کرنا واجب نہیں۔ بطورِ خاص جب اس کے گھر سے باہر نکلنے میں اجنبی مردوں کے ساتھ اختلاط ہو یا پھر گھر اور بچوں کے واجبات میں کمی و کوتاہی ہو تو اس کا گھر سے نکلنا بالکل جائز نہیں۔ اور اس کے اخراجات کی ذمہ داری بالا جماع شوہر پر ہے، جیسا کہ قرآن میں بھی مرد کو عورت پر حکمران بنانے کی ایک وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ وہ اس پر اپنا مال خرچ کرتا ہے۔ [النساء : ۳۴] اس بنا پر شوہر عورت کو نوکری پر مجبور نہیں کر سکتا۔ لہٰذا اسے چاہیے کہ اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد کردہ واجبات پورے کرے۔

ڈیوٹی پوری نہ کرنا یا بغیر ڈیوٹی کے ہی تنخواہ لینا

کسی نے دریافت کیا کہ سرکاری محکموں میں دیکھا گیا ہے کہ بعض ملازم ڈیوٹی پر لیٹ پہنچتے ہیں یا پھر وقت ختم ہونے سے پہلے ہی چلے جاتے ہیں تو اس کا کیا حکم ہے؟ تو شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ نے جواب میں فرمایا کہ معاوضہ کام کے عوض ہوتا ہے، تو جس طرح ملازم چاہتا ہے کہ اسے پوری تنخواہ ملے اسی طرح اسے حکومت کے حق میں بھی کوئی

---

(۱) [صحیح : صحیح الجامع الصغیر (۵۱۰۳)]

(۲) [اللؤلؤ المکین من فتاوی الشیخ ابن جبرین (۳۰۴)]

(۳) [حسن لغیرہ : صحیح الترغیب (۱۹۳۱) رواہ ابن حبان فی صحیحہ]

کمی نہیں کرنی چاہیے۔اس لیے کسی کے لیے بھی ڈیوٹی ٹائم سے لیٹ جانا یا ڈیوٹی ختم ہونے سے پہلے ہی چلے جانا جائز نہیں۔ (۱) اسی طرح ایک دوسرے مقام پر شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ نے اُس شخص کے متعلق فرمایا' جو ڈیوٹی تو کرتا نہیں لیکن معاوضہ پورا لیتا ہے' کہ ایک تو یہ امانت میں خیانت ہے اور دوسرے یہ باطل طریقے سے مال کھانے میں شامل ہے اور ان دونوں کاموں سے شریعت نے منع کیا ہے۔ (۲)

ملازمت کے لیے جعلی اسناد اور سرٹیفکیٹ کا استعمال

اس بارے میں سابق مفتی اعظم شیخ ابن باز رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ شریعت مطہرہ سے جو بات مجھے سمجھ آئی ہے وہ یہ ہے کہ ایسا کام جائز نہیں کیونکہ یہ جھوٹ اور دھوکہ وفریب کے ذریعے ملازمت تک پہنچنا ہے جو غلط اور حرام کاموں میں شامل ہے اور اس سے شر اور فراڈ کے دروازے کھلتے ہیں۔ (۳)

کمپنی کی اشیاء ذاتی استعمال میں لانا

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ کے فتوے کے مطابق سرکاری گاڑیاں اور دوسری سرکاری اشیاء مثلاً فوٹو کاپی مشین اور پرنٹر وغیرہ ذاتی اغراض کے لیے استعمال کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ اشیاء تمام لوگوں کی مصلحت کے لیے ہیں نہ کہ کسی کی ذاتی ضرورت کے لیے (اسی طرح یہ امانت میں خیانت بھی ہے)۔لہٰذا ان اشیاء کا ذاتی استعمال ناجائز ہے خواہ اوپر والا سرکاری افسر بھی کیوں نہ اس کی اجازت دے دے کیونکہ وہ چیز اس افسر کی نہیں بلکہ حکومت کی ملکیت ہے۔ البتہ اگر کوئی پرائیویٹ ملازم ہو اور مالک بخوشی کسی کو ذاتی ضرورت کے لیے ان اشیاء کے استعمال کی اجازت دیتا ہے تو پھر کوئی حرج نہیں کیونکہ وہ ان کا مالک ہے۔ (٤)

اس شرط پر کسی کو قرض دینا کہ مستقبل میں وہ بھی اتنا ہی قرض دے

اس بارے میں شیخ ابن باز رحمہ اللہ نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ یہ قرض جائز نہیں کیونکہ اس میں نفع کی شرط ہے اور وہ نفع بعد والا قرض ہے اور علما کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ہر وہ قرض جس میں کسی منفعت کی شرط ہو، سود ہوتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک جماعت نے جو فتویٰ دیا ہے وہ اسی بات پر دلالت کرتا ہے۔ (٥)

بغیر ٹکٹ کے سفر کرنا

اگر کوئی شخص بس یا ریل گاڑی وغیرہ پر بغیر ٹکٹ سفر کرنے میں کامیاب ہو جائے تو خوش نہ ہو کیونکہ اس نے

---

(۱) [الباب المفتوح (۹) سوال نمبر ۳] (۲) [الباب المفتوح (۱۱٤) سوال نمبر ۱۵]

(۳) [مجموع فتاوی ابن باز (٦/١٠٤)]

(٤) [ماخوذ از، لقاء الباب المفتوح (سوال نمبر: ۲۳۸)]

(٥) [فتاوی ابن باز، مترجم، مطبوعه دار السلام (ص: ۱٥۳)]

ناحق لوگوں کا مال کھانے کا جرم کیا ہے جیسا کہ قرآن میں ہے کہ ﴿وَلَا تَأْكُلُوٓا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ﴾ [البقرۃ : ۱۸۸] ''آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقے سے مت کھاؤ۔'' اور دوسرے یہ کہ ناحق لوگوں کا مال کھانے کا تعلق حقوق العباد سے ہے اور حقوق العباد کے متعلق یہ اصول ہے کہ توبہ سے بھی ان کی معافی نہیں ہوتی جب تک کہ حق دار کو اس کا حق نہ ادا کر دیا جائے۔ لہٰذا دنیا میں بغیر ٹکٹ سفر کرنے والا یاد رکھے کہ اگر وہ کل کو اللہ سے معافی مانگ بھی لے روزِ قیامت اسے اتنا مال ادا کرنا ہی پڑے گا لیکن وہاں مال نہیں ہوگا، اس لیے اپنی نیکیاں دینی پڑیں گی اور نیکیاں ختم ہوگئیں تو پھر حق دار کے گناہ لینے پڑیں گے۔[1] لہٰذا ایسی حرکات سے ہر ممکن بچنے کی کوشش کرنی چاہیے اور اگر کوئی ایسا کر بیٹھے تو ایک تو وہ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے اور دوسرے جس بس یا ریل گاڑی وغیرہ پر بغیر ٹکٹ سفر کیا تھا اس کا ٹکٹ لے کر (سفر کیے بغیر اسے) ضائع کر دے۔ (واللہ اعلم)

ایڈوانس بکنگ

یعنی کسی چیز کی فیکٹری یا کارخانہ کو نمونہ دکھا کر کوئی چیز آرڈر پر بنوانا اور مکمل قیمت یا کچھ بطورِ ایڈوانس پہلے ادا کر دینا۔ یہ دراصل ''بیع سلم'' ہے۔ جس میں قیمت پہلے ادا کی جاتی ہے اور سودا کچھ مدت بعد وصول کیا جاتا ہے۔ اس بیع کی کچھ شرائط ہیں، اگر انہیں پورا کیا جائے تو بیع درست ہوگی ورنہ نہیں اور وہ شرائط یہ ہیں:

1- جس چیز کا سودا کیا جا رہا ہے اس کی جنس معلوم ہو۔
2- اس کی مقدار اور وزن معلوم ہو۔
3- جنس کی ادائیگی کی مدت (اور قیمت) طے ہو (یہ شرائط صحیح حدیث سے ثابت ہیں[2])۔

صدقہ کی اشیاء فروخت کرنا

اگر صدقہ کی اشیاء ضرورت سے زائد ہوں جیسے کسی فقیر یا مسکین کو مختلف جہات سے بہت زیادہ اناج بطورِ صدقہ حاصل ہو جائے تو کیا وہ فروخت کر سکتا ہے؟ اس کے متعلق یاد رہے کہ جب صدقہ دینے والا صدقہ دے دے اور مستحق تک پہنچ جائے تو پھر وہ صدقہ نہیں رہتا بلکہ مستحق کا ذاتی مال بن جاتا ہے۔ اور ذاتی مال میں وہ جیسے چاہے تصرف کر سکتا ہے خواہ اسے کھائے یا بیچے یا کسی کو ہبہ کر دے۔ اس کی دلیل وہ روایت ہے جس میں مذکور ہے کہ نبی کریم ﷺ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو ملنے والا صدقہ کا گوشت کھا لیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ ﴿عَلَيْهَا صَدَقَةٌ وَلَنَا هَدِيَّةٌ﴾ ''یہ گوشت اس (بریرہ) پر صدقہ ہے اور ہمارے لیے ہدیہ ہے۔''[3]

---

(۱) [مسلم (۲۵۸۱) کتاب البر والصلة والآداب : باب تحریم الظلم]

(۲) [بخاری (۲۲۴۰، ۲۲۴۱) کتاب السلم : باب السلم فی وزن معلوم، مسلم (۱۶۰۴) ابو داود (۳۴۶۳)]

(۳) [بخاری : کتاب الطلاق : باب لا یکون بیع الامة طلاقا، مسلم (۱۰۷۵) نسائی (۳۴۴۸) طبرانی (۲۸۳:۱۱) بغوی فی شرح السنة (۱۰۶/۶) بیهقی (۲۲۰/۷)]

کفار اور غیر مسلموں کے ساتھ تجارتی معاملات

کفار کے ساتھ لین دین کے معاملات رکھنا یا تجارتی روابط قائم کرنا یا ان کی ملازمت کرنا یا انہیں ملازم رکھنا وغیرہ جیسے اُمور درست ہیں بشرطیکہ اس تجارت، کاروبار اور ملازمت سے مسلمانوں کو کسی قسم کا نقصان نہ ہو، کفار کو ایسی چیز فروخت نہ کی جائے جس سے انہیں مسلمانوں کے خلاف جنگ وغیرہ میں تقویت ملے اور نہ ہی ان سے کوئی حرام چیز خریدی جائے۔ اس کے چند دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مشرک سے بکری خریدی۔ (۱)

(2) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی سے اپنے گھر والوں کے لیے غلہ خریدا۔ (۲)

(3) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو آپ کی لوہے کی زرع تیس صاع جو کے عوض ایک یہودی کے پاس گروی پڑی ہوئی تھی۔ (۳)

(نووی رحمہ اللہ) مسلمانوں کا اجماع ہے کہ اہل ذمہ اور دیگر کفار و مشرکین کے ساتھ لین دین کا معاملہ جائز ہے بشرطیکہ خرید و فروخت کی جانے والی چیز حرام نہ ہو، البتہ مسلمانوں کے لیے جنگی دشمنوں کو اسلحہ فروخت کرنا جائز نہیں۔ (٤) ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں کہ جنگی دشمنوں کو اسلحہ فروخت کرنے کی حرمت پر اجماع ہے۔ (٥)

غیر مسلموں کے تہواروں پر ان کے تحائف قبول کرنا

اگرچہ عام حالات میں کفار کا تحفہ قبول کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر و کسریٰ کے تحائف قبول فرمائے تھے۔ (٦) لیکن کفار و مشرکین، یہود و نصاریٰ اور مجوس و ہنود کے خاص تہواروں پر ان کے تحفے قبول کرنا دراصل ان کی حمایت، ان کے تہواروں میں ایک لحاظ سے شرکت اور ان کا تعاون ہے جو جائز نہیں کیونکہ کتاب و سنت میں جابجا غیر مسلموں اور بطورِ خاص یہود و نصاریٰ کی مخالفت کا حکم دیا گیا اور ان کی مشابہت تک سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے جیسا کہ فرمانِ نبوی ہے کہ ﴿ مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ ﴾ "جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی وہ انہی میں سے ہے۔" (۷) اس لیے غیر مسلموں کے خاص تہواروں پر ان کے تحائف قبول نہ کرنا ہی اسلامی غیرت و حمیت کا تقاضا، شعائرِ اسلامیہ سے محبت اور غیر اسلامی شعائر سے نفرت کا مظہر ہے۔

---

(۱) [بخاری (۲۲۱٦) کتاب البیوع : باب الشراء والبیع مع المشرکین واهل الحرب]
(۲) [بخاری (۲۲۵۲) کتاب السلم : باب الرهن فی السلم ، ابن ماجه (۲٤۳٦)]
(۳) [بخاری (۲۹۱٦) کتاب الجهاد ، ابن ماجه (۲٤۳۸) ترمذی (۱۲۱٤) نسائی (٤٦۵۱)]
(٤) [شرح مسلم (٤۱/۱۱)] (۵) [المجموع (٤۳۲/۹)]
(٦) [**صحیح** : صحیح ترمذی ' ترمذی (۱۵۷۲) کتاب السیر : باب ما جآء فی قبول هدایا المشرکین]
(۷) [**صحیح** : صحیح الجامع الصغیر (۲۸۳۱) ابوداود (٤۰۳۱) ارواء الغلیل (۱۲٦۹)]

بچے کی پیدائش پر نرس وغیرہ کو کوئی مالی نذرانہ دینا

نرس یا ہسپتال کا دوسرا عملہ اگر بچے کی پیدائش کی خوشخبری دے تو انہیں کچھ پیسے یا دوسری کوئی چیز بطورِ ہدیہ دی جا سکتی ہے کیونکہ ایک تو شریعت میں ہدیہ دینے کا جواز موجود ہے (خواہ کسی کو بھی دیا جائے)۔ دوسرے یہ کہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ کے قصے میں ہے کہ جب ان کی توبہ قبول ہوئی اور اس بات کی خوشخبری دینے والا ان کے پاس آیا تو انہوں نے اسے اپنے دونوں کپڑے بطورِ تحفہ دے دیئے۔[1] موسوعہ فقہیہ میں قاضی عیاض رحمہ اللہ کے حوالے سے ہے کہ خوشخبری دینے والے کو کوئی انعام (یا تحفہ وغیرہ) دینے میں کوئی حرج نہیں۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ کے قصے میں بھی اس چیز کا جواز موجود ہے۔[2] البتہ ان لوگوں کا زبردستی مطالبہ کرنا درست نہیں کیونکہ وہ اپنے کام کا معاوضہ تو ہسپتال مالکان سے وصول کر ہی رہے ہیں۔

نکاح خوان کو عطیہ دینا

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ اگر تو نکاح خوان کو بیت المال کی جانب سے تنخواہ دی جاتی ہے تو پھر اس کے لیے حلال نہیں کہ وہ عقد نکاح کروانے والوں سے کچھ لے اور اگر اسے تنخواہ نہیں ملتی تو پھر بغیر مانگے اسے کچھ مل جائے تو کوئی حرج نہیں لیکن اگر وہ مطالبہ کرے تو میں اسے پسند نہیں کرتا۔[3]

میڈیسن کمپنی کے نمائندہ کا ڈاکٹر حضرات کو تحفہ و ہدیہ دینا

سعودی مستقل فتویٰ کمیٹی نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ کمپنی کا وہ نمائندہ جو کمپنی کی ادویات متعارف کرانے کے لیے ڈاکٹروں کو ہدیہ اور تحفہ پیش کرتا ہے وہ رشوت کا لین دین کرانے والا شمار ہوگا اور یہ رشوت خور اور رشوت دینے والے کے درمیان ایک واسطہ کا کام کر رہا ہے حالانکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تینوں پر لعنت فرمائی ہے۔[4]

ہوٹل میں ویٹر کو کچھ اضافی رقم دینا

اہل علم کا کہنا ہے کہ ایسا کرنا درست نہیں کیونکہ یہ زائد رقم رشوت شمار ہوگی تاکہ وہ آپ کی دوسروں کی بہ نسبت اچھی اور بہتر خدمت کرے یا آپ کو زیادہ کھانا دے وغیرہ اور نہ ہی اس کے لیے جائز ہے کہ وہ بعض لوگوں کو ان سے اضافی رقم لینے کے عوض خدمت کے لیے خاص کرے۔ البتہ اگر اس زائد رقم سے رشوت کا شبہ جاتا رہے تو پھر کوئی حرج نہیں جیسے کہ اگر آپ ویٹر کو جانتے ہوں کہ وہ غریب یا محتاج ہے اور آپ محض اس کے ساتھ تعاون کی غرض سے ایسا کریں تو پھر کوئی قباحت والی بات نہیں۔ (واللہ اعلم)

---

(۱) [بخاری (٤٤١٨) مسلم (٢٧٦٩)] (۲) [الموسوعة الفقهية (٩٤/٨)]

(۳) [مجلة الدعوة (عربی) ـ عدد نمبر ١٧٥٦] (٤) [فتاوى اللجنة الدائمة (٥٧١/٢٣)]

نئے ہجری سال کی مبارکباد دینا

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ اگر کوئی شخص آپ کو مبارکباد دے تو جواب میں اسے بھی مبارکباد دیں لیکن اس نئے سال کی مبارکباد دینے میں خود پہل نہ کریں۔ اس لیے کہ میرے علم میں نہیں کہ سلف میں سے کسی نے بھی یہ کام کیا ہو بلکہ محرم سے ہجری سال کا آغاز تو عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ہوا تھا۔ (۱)

سیلز مین بننا اور مباح اشیاء کی فروخت میں کمیشن لینا

سعودی مستقل فتویٰ کمیٹی کے فتویٰ کے مطابق یہ کام جائز ہیں، ان میں کوئی حرج نہیں (شرط صرف اتنی ہی ہے کہ جس چیز کی کمیشن لے رہا ہے یا جسے سیل کرا رہا ہے وہ حرام نہ ہو)۔ (۲)

حکومت کا سود میں ملوث ہونا اور سرکاری ملازم کی تنخواہ

اس بارے میں مولانا ثناء اللہ مدنی حفظہ اللہ فرماتے ہیں کہ گورنمنٹ ملازم حکومت سے اپنا استحقاق وصول کرے چاہے وہ بذریعہ بینک کیوں نہ ہو۔ جلیل القدر صحابی حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ مختار ثقفی جیسے حرام خور کے تحفے تحائف قبول کر لیتے تھے۔ اس بنا پر کہ مسلمانوں کے بیت المال میں ان کا بھی حق ہے۔ اسی طرح ایک ملازم بھی حکومت سے اپنا حق خدمت بطریقِ اولیٰ وصول کر سکتا ہے۔ مجرم وہ لوگ ہیں جو سودی معاملات میں لوث ہیں اور اس کی ترویج وترقی کے لیے کوشاں ہیں۔ (۳)

کیا جمعہ کے روز چھٹی اور کاروبار بند ہونا چاہیے

درحقیقت اسلام میں چھٹی کا کوئی تصور نہیں نہ تو جمعہ کو اور نہ ہی اتوار کو۔ البتہ اگر راحت وآرام کی غرض سے چھٹی کا کوئی دن رکھا جائے تو بہتر یہ ہے کہ جمعہ کا دن رکھا جائے کیونکہ جمعہ کا دن مسلمانوں کا خاص عبادت اور دینی سرگرمیوں کا دن ہے۔ اس دن صاف ستھرا بننا، غسل کرنا، صاف کپڑے پہننا، خوشبو لگانا، خود اور گھر والوں کو نمازِ جمعہ کے لیے لے کر جانا، خطبہ شروع ہونے سے پہلے مسجد میں پہنچنا اور خاموشی سے خطبہ سننا وغیرہ جیسے اُمور مستحب ہیں۔ اس لیے اگر اس دن چھٹی ہو تو انسان بآسانی یہ تمام کام انجام دے سکتا ہے اور اگر کاروباری مصروفیت ہو تو پھر ان کاموں کی انجام دہی ناممکن نہیں تو مشکل ضرور بن جاتی ہے۔ یہاں یہ بھی یاد رہے نماز جمعہ سے فراغت کے بعد کاروبار بھی کیا جا سکتا ہے، ضروری نہیں کہ جمعہ کے روز سارا دن ہی چھٹی ہو، آدھی چھٹی بھی کی جا سکتی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللهِ ﴾[الجمعة :

(۱) [موسوعة اللقاء الشهرى والباب المفتوح (سوال نمبر : ۸۵۳) مطبوعه مكتب الدعوة والارشاد، قصيم]

(۲) [فتاوى اللجنة الدائمة (۱۳/۱۲۵)] (۳) [فتاوى ثنائيه، جلد : اول، صفحه : ۵۶۳]

[۱۰] ''پھر جب نماز (جمعہ) ہو چکے تو زمین میں پھیل جاؤ اور (تجارت و کاروبار کے ذریعے) اللہ کا فضل تلاش کرو۔'' یعنی جمعہ کے روز بھی سارا دن کاروبار بند رکھنے کی ضرورت نہیں بلکہ صرف نماز کے وقت ہی ایسا کرنا چاہیے۔

کاروبار میں برکت کے لیے قرآنی الفاظ فریم کروا کر لٹکانا

آج کل عام دیکھنے میں آیا ہے کہ لوگ بازاروں میں جان، مال اور دکان وغیرہ کی حفاظت اور خیر و برکت کے لیے قرآن کی مخصوص آیات یا سورتیں فریم کروا کر لٹکاتے ہیں۔ تو اس کے متعلق یاد رہے کہ ایسا کوئی بھی عمل کتاب و سنت سے ثابت نہیں۔ البتہ رزق کی فراوانی کے لیے زیادہ سے زیادہ استغفار کرنا چاہیے۔ جیسا کہ اس کا بیان پیچھے مقدمہ میں گزر چکا ہے۔ اسی طرح ہر قسم کے نقصان اور پریشانی سے بچنے کے لیے بھی نبی ﷺ نے کچھ اَوراد و وظائف سکھائے ہیں جن کی تفصیل دیکھنے کے لیے ہماری یہ کتابیں ملاحظہ فرمائیں: ① مشکلات سے نجات کی دعائیں (مختصر پاکٹ سائز)۔ ② دعاؤں کی کتاب (مفصل)۔

ہڑتالیں اور احتجاجاً کاروباری مراکز بند کرنا

دورِ حاضر میں نظامِ سرمایہ داری اور سامراجی قوتوں کی ایک پیداوار ایسی صورتحال بھی ہے کہ اپنے مطالبات تسلیم کرانے کے لیے احتجاج کیا جاتا ہے، جلوس نکالے جاتے ہیں، پتلے اور ٹائر جلائے جاتے ہیں۔

اگر شرعی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو ان کاموں کی کہیں بھی اجازت نہیں بلکہ مذمت ہی ملتی ہے۔ کیونکہ یہ تمام کام لازماً کسی نہ کسی کے نقصان، ظلم و زیادتی یا ناانصافی پر مبنی ہوتے ہیں اور اس سے شریعت نے منع کیا ہے جیسا کہ قرآن میں ہے کہ ﴿لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ﴾ [البقرۃ: ۲۷۹] ''نہ تم کسی کو نقصان پہنچاؤ اور نہ کوئی تمہیں نقصان پہنچائے۔'' اور فرمایا ﴿اِعْدِلُوا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى﴾ [المائدۃ: ۸] ''انصاف کرو یہی تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔'' بلاشبہ اگر ظلم و زیادتی نہ ہو اور ہر مقام پر انصاف سے کام لیا جائے تو ایسے کاموں کی نوبت ہی نہ آئے۔ اور اگر بالفرض ایک طرف سے زیادتی ہوئی بھی ہو تو جواباً ایسا کرنے سے سوائے اپنا ہی منہ کالا کرنے، وقت کے ضیاع اور بے گناہ عوام کا راستہ بند کرنے، انہیں تنگ کرنے کے کچھ حاصل نہیں ہوتا اور یہ تمام کام بھی شریعت کے آئینے میں مذموم ہیں۔ لہٰذا کوشش کرنی چاہیے کہ عدل و انصاف کا دامن کہیں نہ چھوٹے اور اگر اعلیٰ حکام کی طرف سے زیادتی بھی ہو تو توڑ پھوڑ اور جلاؤ گھیراؤ جیسے منفی اُمور کی بجائے کوئی مثبت پہلو اختیار کیا جائے۔

بجلی، گیس اور ٹیکسوں وغیرہ کی چوری

اس بارے میں کسی نے مولانا ثناء اللہ مدنی ﷾ سے دریافت کیا کہ ہم پر جو لوگ حکمرانی کرتے چلے آرہے ہیں جب وہ عموماً بے حد شاہ خرچ اور عیاش طبع لوگ ہیں اور اپنی عیاشیوں کی خاطر غریب عوام پر مستقل ٹیکسوں کی

بھر مار اور بجلی، گیس اور فون بلوں پر مسلسل اضافہ کرتے جا رہے ہیں، کیا عوام کو یہ حق حاصل ہے کہ ان کا بھی جہاں بس چلے بجلی، گیس، فون یا ٹیکسوں میں چوری کریں؟ تو مولانا نے یہ جواب دیا کہ شریعت میں مسلمانوں پر ٹیکس کا کوئی تصور نہیں۔ ہر ممکن طریقہ سے ظالموں کے خلاف جہاد ہونا چاہیے۔(۱)

البتہ کچھ دوسرے اہل علم کا کہنا ہے کہ چوری بہر حال چوری ہے خواہ کسی کی بھی ہو اور ظالم حکومتوں کے متعلق یہ فرمانِ نبوی یاد رکھنا چاہیے کہ ﴿ أَدِّ الْأَمَانَةَ إِلَى مَنِ ائْتَمَنَكَ وَلَا تَخُنْ مَنْ خَانَكَ ﴾ ''اس شخص کو امانت واپس کرو جس نے تمہارے پاس امانت رکھی اور جس نے تم سے خیانت کی اس سے خیانت نہ کرو۔''(۲) لہٰذا اس فرمان کی رو سے حکومتوں کی خیانت کے بدلے میں بھی ان کے ساتھ خیانت نہیں کرنی چاہیے۔(واللہ اعلم)

مرنے سے پہلے گردے اور آنکھیں وغیرہ وقف کر جانا

عام حالات اور تندرستی و صحت مندی کے وقت اپنے اعضاء کسی کو عطیہ کرنا جائز نہیں کیونکہ انسانی اعضاء اللہ کی امانت ہیں اور ان میں انسان کو کسی قسم کے تصرف کا اختیار نہیں، اسی لیے خودکشی کو حرام کیا گیا ہے۔ البتہ قریب المرگ شخص (یقینی طور پر مرنے والے) کا کسی مستحق کو اپنے اعضاء وقف کر جانا اہل علم کے نزدیک جائز ہے۔

اس بارے میں کبار سعودی علما کی کمیٹی (ہیئت کبار علماء) نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ کسی انسان کی موت کا تعین ہو جانے کے بعد اس کی آنکھ میں پیوند کرنا جائز ہے جو مجبور ہو اور پیوند کاری کے آپریشن کی کامیابی کے بارے میں ظن غالب ہو بشرطیکہ میت کے ورثاء کو اس پر کوئی اعتراض نہ ہو۔ اس کی اجازت اس قاعدے کی رو سے ہے جس میں دو مصلحتوں میں سے بہترین مصلحت کے حصول کو مدنظر رکھنے، دو مضرت رساں چیزوں میں سے کمتر ضرر والی کو اختیار کرنے اور زندہ انسان کی مصلحت کو مردہ شخص کی مصلحت پر مقدم کرنے کا تحقق پایا جاتا ہے کیونکہ اس عمل میں یہ امید پائی جاتی ہے کہ زندہ شخص میں دیکھنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے گی جبکہ پہلے اس میں یہ صلاحیت مفقود تھی۔ اس سے نہ صرف یہ کہ وہ شخص خود استفادہ کر سکے گا بلکہ اس میں پوری امت کو فائدہ پہنچانے کا امکان موجود ہے۔ اور جس مردہ شخص سے یہ آنکھ لی گئی ہو اس کے (بدن) میں کوئی کمی واقع نہیں ہوگی کیونکہ اس کی آنکھ کو بالآخر مٹی کے ساتھ مٹی ہو کر برباد ہو جانا ہے اور آنکھ کو منتقل کرنے کے عمل میں بظاہر کوئی مثلہ (قطع و برد) بھی نہیں پایا جاتا کیونکہ اس کی آنکھ بند ہو چکی ہے اور اس کے دونوں پپوٹے اوپر تلے مل چکے ہیں۔

مولانا ثناء اللہ مدنی ﷾ فرماتے ہیں کہ آنکھ پر دیگر انسانی اعضاء کو بھی قیاس کیا جا سکتا ہے۔(۳)

---

(۱) [فتاوی ثنائیہ مدنیہ، جلد اول، صفحہ ۷۰۷۔۷۰۸]

(۲) [حسن صحیح: صحیح ابو داود، ابو داود (۳۵۳۵) کتاب الإجارة، ترمذی (۱۲٦٤) دارمی (۲۵۹۷)]

(۳) [مجلة البحوث الاسلامية (عدد: ١٤، صفحه ٦٧۔٦٨) فتاوی ثنائیه (٧١١/١)]

مختلف مصنوعات میں سے نکلنے والا انعامی ٹوکن

آج کل مختلف کمپنیاں اپنی مصنوعات کو بیچنے کے لیے طرح طرح کی انعامی سکیمیں نکالتی رہتی ہیں۔ جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ پراڈکٹ کے اندر سے ایک ٹوکن نکلتا ہے جس میں انعام رکھا گیا ہوتا ہے۔ جس خریدار کے پیکٹ یا ڈبے وغیرہ میں سے یہ ٹوکن نکل آئے اسے انعام دے دیا جاتا ہے۔ یہ انعام نکل آنا محض اتفاق اور قسمت ہے، ایسا کوئی قانون نہیں کہ جو اتنے ڈبے خریدے گا اسے ہی انعام ملے گا بلکہ صرف جس کے پاس ٹوکن نکل آئے اسے انعام دے دیا جاتا ہے۔ اس بارے میں اہل علم کا کہنا ہے کہ ایسے انعامات وصول نہیں کرنے چاہییں کیونکہ یہ جوئے کی ہی ایک قسم ہے اور جوئے کی ہر قسم ناجائز ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ ...... فَاجْتَنِبُوهُ﴾ [المائدة: ۹۰] ''اے ایمان والو! بلاشبہ شراب، جوا، بت اور فال نکالنے کے تیر ناپاک ہیں، شیطان کے عمل سے ہیں، لہٰذا تم ان سے بچو۔''

بذریعہ قرعہ اندازی عمرے کا ٹکٹ حاصل کرنا

آج کل ایک رواج یہ نکل آیا ہے کہ محفل نعت کے سامعین میں قرعہ اندازی کی جاتی ہے اور پھر جس کے نام کا قرعہ نکلتا ہے اسے عمرے کا ٹکٹ دیا جاتا ہے۔ یہ محض ترغیب کے لیے کیا جاتا ہے اس لیے اہل علم کا کہنا ہے کہ ایسا ٹکٹ وصول کرنے میں کوئی حرج نہیں جیسا کہ ایک روایت میں بھی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا، اگر لوگوں کو یہ علم ہو کہ انہیں مسجد میں گوشت والی ہڈی یا دو عمدہ کھریاں ملیں گے تو وہ عشاء کی جماعت میں ضرور حاضر ہوں۔[۱] علاوہ ازیں قرعہ اندازی بھی نبی ﷺ سے ثابت ہے جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ جب نبی ﷺ سفر پر جانے کا ارادہ فرماتے تو اپنی بیویوں کے درمیان قرعہ اندازی کرتے اور جس کے نام کا قرعہ نکلتا اسے ساتھ لے جاتے۔[۲]

قرآن کریم کی اشاعت اور تجارت

قرآن کریم کی اشاعت میں تو کوئی اختلاف نہیں البتہ اختلاف اس بات میں ہے کہ کیا اسے بیچا جا سکتا ہے یا نہیں؟ تو اس بارے میں اہل علم کے تین اقوال ہیں:

① قرآن کریم کو بیچنا جائز ہے۔ امام حسن، امام شعبی[۳] اور امام ابن حزم رحمہ اللہ[۴] وغیرہ کی یہی رائے ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال قرار دیا ہے اور قرآن میں ہے کہ ''اللہ تعالیٰ نے تم پر جو چیز حرام کی ہے اس کی تفصیل بھی بیان فرما دی ہے۔''[۵] لہٰذا قرآن کی خرید و فروخت جائز ہے کیونکہ کتاب و سنت میں اس کی

---

(۱) [بخاری (٦٤٤) كتاب الاذان: باب وجوب صلاة الجماعة]

(۲) [صحيح: صحيح الجامع الصغير (٤٦٦١) ابو داود (٢١٣٨) ابن ماجه (١٩٧٠)]

(۳) [مصنف عبد الرزاق (١١٣/٨)] (٤) [المحلى (٦٨١/٩)] (٥) [الانعام: ١١٩]

تجارت کو کہیں بھی حرام نہیں کہا گیا اور اللہ تعالیٰ کچھ بھولتا بھی نہیں ﴿وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا﴾ [مریم : ٦٤] یعنی اگر قرآن کریم کی تجارت حرام ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس کے متعلق ضرور وحی نازل فرما دیتے۔

2 قرآن کریم کو بیچنا جائز نہیں۔ یہ حنابلہ اور چند دیگر اہل علم کی رائے ہے۔ انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے اس اثر سے استدلال کیا ہے جس میں ہے کہ انہوں نے مصاحف فروخت کرنے والوں کے متعلق فرمایا ﴿بِئْسَ التِّجَارَةُ﴾ "ان کی تجارت بہت بری ہے۔"[۱] نیز ان کے پیش نظر وہ آیات بھی ہیں جن میں اللہ کی نازل کردہ کتاب کو تھوڑی قیمت کے بدلے بیچنے کی مذمت بیان ہوئی ہے۔[۲] اسی طرح ان کا کہنا ہے کہ چونکہ قرآن کریم اللہ کے کلام پر مشتمل ہے اس لیے اسے فروخت نہیں کرنا چاہیے۔ اور چونکہ ہر مسلمان پر دعوت الی اللہ فرض ہے (خواہ مال کے ساتھ دے یا قول و فعل کے ساتھ) اور قرآن کو تجارت اور نفع کا ذریعہ بنا لینے سے دعوت الی اللہ کا راستہ مسدود اور اس کا نفع محدود ہونے کا اندیشہ ہے (کیونکہ تب فقراء کے لیے اسے خریدنا مشکل ہو جائے گا) اس لیے اسے فروخت نہیں کرنا چاہیے۔ ہاں اگر کوئی صرف کاغذ یا جلد بندی وغیرہ کا ہی معاوضہ وصول کرے اور نفع نہ لے بلکہ جتنی لاگت آئی ہے اتنے پر ہی فروخت کرے تو پھر کوئی گناہ والی بات نہیں۔ کیونکہ دراصل یہ مسلمانوں کے حکمرانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ دین کی حفاظت کی غرض سے قرآن کریم کی طباعت کرائیں اور پھر امیر و غریب کی تفریق کے بغیر اسے تمام مسلمانوں میں تقسیم کرائیں۔ اب چونکہ حکمران ایسا نہیں کرتے اس لیے یہ ذمہ داری مسلمانوں کی جماعتوں اور صاحبِ حیثیت لوگوں پر عائد ہوتی ہے۔

3 قرآن کریم کو بیچنا ناجائز جبکہ خریدنا جائز ہے۔ یہ رائے سعید بن جبیر اور سعید بن میسب رحمہما اللہ کی طرف منسوب ہے۔[۳] اس قول کے حاملین کے دلائل وہی ہیں جو درج بالا دوسرے قول کے تحت ذکر کیے گئے ہیں۔ البتہ یہ خریدنے کی اجازت صرف اس لیے دیتے ہیں کیونکہ خریدار کے پاس عذر موجود ہے اور وہ خریدنے پر مجبور ہے کیونکہ کوئی بھی مسلمان قرآن کریم سے مستغنی نہیں ہو سکتا اس لیے کہ اس نے اپنی زندگی کا ہر مسئلہ قرآن سے ہی حل کرنا ہے۔ لہٰذا خریدار پر کوئی گناہ نہیں البتہ فروخت کرنے والا ضرور گناہ گار ہوگا۔

ترجیحی رائے : ہمارے علم کے مطابق پہلی رائے اصولی ہے اور زیادہ قوی ہے۔ دوسرے یہ کہ کتاب اللہ کو تھوڑی قیمت کے بدلے بیچنے کی مذمت والی آیات کا مفہوم یہ نہیں کہ قرآن کی تجارت حرام ہے بلکہ اُن آیات کا مصداق صرف وہ لوگ ہیں جو دنیا کمانے کے لیے کلامِ الٰہی میں تحریف کرتے اور لوگوں کو مذہب کے نام پر دھوکہ

---

(۱) [السنن الکبریٰ للبیہقی (۱٦/٦)]

(۲) [جیسے کہ ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ...﴾ [البقرة : ۱۷٤]]

(۳) [المحلی (۹ / ٦٨٣)]

دیتے ہیں۔[1] تیسرے یہ کہ اگرچہ بعض تابعین یا ائمہ کے اقوال سے قرآن بیچنے کی مذمت ثابت ہوتی ہے لیکن ان کے برعکس بھی اقوال موجود ہیں لہٰذا ان سے حرمت پر استدلال درست نہیں۔

علاوہ ازیں قرآن بیچنے سے روکنے والے خود ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ صرف کاغذ، چھپائی اور جلد بندی وغیرہ کا معاوضہ وصول کیا جا سکتا ہے یعنی ان کے نزدیک صرف منافع لینا ناجائز ہے۔تو یاد رہے کہ قرآن بیچنے والا اگر لاگت کے ساتھ اپنی محنت کا معاوضہ بھی وصول کر لیتا ہے تو اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں کیونکہ شریعت محنت کا معاوضہ لینے سے نہیں روکتی۔اور اگر قرآنی کام کے لیے محنت کا معاوضہ لینا درست نہیں تو پھر کاغذ بھی مفت لینا چاہیے، چھپائی بھی مفت کرانی چاہیے، اسی طرح جلد بندی اور دیگر کام بھی مفت کرانے چاہییں کیونکہ ان سب کا تعلق بھی تو قرآن کے ساتھ ہی ہے اور اگر ان تمام کاموں کا معاوضہ دینے میں کوئی قباحت نہیں تو پھر شب و روز محنت کر کے قرآن کی تیاری کرانے والے کا معاوضہ دینے سے بھی گریز نہیں کرنا چاہیے۔بعینہ جیسے مسجد تعمیر کراتے وقت جہاں سیمنٹ، اینٹ، بجری وغیرہ کا معاوضہ دیا جاتا ہے اسی طرح مستری و مزدور کو بھی اُجرت دی جاتی ہے وہاں کبھی کسی نے یہ نہیں کہا کہ مسجد کی تعمیر حکام کے بعد تمام مسلمانوں کی اجتماعی ذمہ داری ہے اس لیے مستری یا مزدور کو معاوضہ نہیں لینا چاہیے۔ بلکہ سب جانتے ہیں کہ معاوضے کے بغیر کوئی بھی مزدور یا مستری کام ہی نہیں کرے گا اور تعمیر کا کام ہر بندے کے بس کی بات نہیں۔ٹھیک اسی طرح قرآن کی طباعت بھی کسی ماہر اشاعت کا ہی کام ہے ہر بندے کا کام نہیں لہٰذا قرآن کی طباعت پر منافع لینے میں یا قرآن کی خرید و فروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں البتہ اگر کوئی نیکی کے جذبہ سے بخوشی منافع نہ لے یا کم نفع لے تو یہ بہت بہتر ہے۔

خواتین کے مخصوص کپڑوں اور میک اَپ کے سامان کی فروخت

اہل علم کا کہنا ہے کہ لیڈیز لباس فروخت کرنے والے تاجر تین حالات سے خالی نہیں ہوتے:

1- انہیں علم ہو یا گمانِ غالب ہو کہ خریدار اسے کسی جائز کام میں ہی استعمال کرے گا تو پھر اس کی فروخت میں کوئی حرج نہیں۔

2- انہیں علم ہو یا گمانِ غالب ہو کہ خریدار اسے کسی ناجائز اور حرام کام کے لیے ہی استعمال کرے گا (یعنی غیر محرموں کے سامنے بے پردگی اور اظہارِ زینت وغیرہ) تو پھر اس کی فروخت ناجائز ہے کیونکہ یہ حرام کام میں تعاون ہے اور کسی بھی حرام کام میں تعاون کرنے سے قرآن کریم میں منع کیا گیا ہے۔[المائدة : ۲]

3- انہیں شک ہو کہ یہ لباس یا میک اَپ کا سامان جائز کام میں بھی استعمال ہو سکتا ہے اور ناجائز کام میں بھی اور کسی ایک جانب کو ترجیح دینے کا کوئی قرینہ بھی نہ ہو تو اس صورت میں ان اشیاء کی فروخت میں کوئی حرج

---

(۱) [تفسیر احسن البیان (ص : ۳۳)]

نہیں کیونکہ معاملات میں اصل اباحت و جواز ہی ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال قرار دیا ہے۔[البقرة : ۲۷۵]

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور سعودی مستقل فتویٰ کمیٹی نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے۔ (۱)

زیور کی بنوائی یا تیاری کی اُجرت تاخیر سے ادا کرنا

عموماً جب سونا خریدا جاتا ہے تو سونے کی قیمت کے ساتھ اس کی بنوائی یا تیاری کی اُجرت بھی دی جاتی ہے جو کہ بعض اوقات کچھ ایڈوانس کی صورت میں اور بعض اوقات کچھ تاخیر سے بھی ادا کر دی جاتی ہے جبکہ حدیث میں ہے کہ سونا سونے کے بدلے برابر برابر اور نقد بنقد فروخت کیا جائے۔ (۲) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سونے کی مکمل قیمت خرید و فروخت کی مجلس میں (ایک ہاتھ لو اور ایک ہاتھ دو کے اصول پر) ادا کر دینی چاہیے۔ اس سے یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ کیا سونے کی قیمت کے علاوہ اس کی تیاری کی اُجرت بھی فوراً ادا کرنی چاہیے یا اس میں تاخیر بھی کی جا سکتی ہے؟ تو اس کے متعلق یہ یاد رہے کہ حدیث میں صرف سونے کی قیمت نقد ادا کرنا ضروری قرار دیا گیا ہے اس لیے اگر بنوائی یا تیاری کی اُجرت میں کچھ تاخیر بھی کر دی جائے تو کوئی حرج نہیں۔ شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ کا بھی یہی فتویٰ ہے۔ (۳)

فی سبیل اللہ تقسیم کے لیے حقوق والی کتب، سی ڈیز اور کیسٹوں کی کاپی

اس بارے میں سعودی مستقل فتویٰ کمیٹی کا یہ فتویٰ ہے کہ مالکوں کی اجازت کے بغیر ایسا کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ ''مسلمان اپنی شروط پر قائم رہتے ہیں'' اور ایک دوسرا فرمان یوں ہے کہ ''جو شخص بھی کسی مباح چیز کی طرف سبقت لے جائے تو وہی اس کا زیادہ حقدار ہے۔'' اس لیے ایسی اشیاء کا مالک مسلمان ہو یا غیر حربی کافر اس کا حق بہر حال قابل احترام ہے۔ (۴)

مزید برآں اہل علم کا کہنا ہے کہ تجارتی نام، تجارتی ایڈریس، ٹریڈ مارک، تالیف اور ایجاد یا ایجاد میں پہل کرنا ،سب اس کے مالکوں کے خاص حقوق ہیں۔ دورِ حاضر کے عرفِ عام میں ان کی ایک مالی قیمت اور قدر مقرر ہے جس سے لوگ مالی فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ لہٰذا ایسے حقوق شرعاً شمار ہوں گے اور ان پر کسی بھی قسم کی زیادتی کرنا ناجائز ہے... اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ایسی اشیاء تیار کرنے والوں نے ان کی تیاری میں اپنی محنت اور مال کے ساتھ

---

(۱) [ملاحظہ فرمائیے : فتاوى اللجنة الدائمة (۱۳/۶۷، ۱۰۵، ۱۰۹)]

(۲) [مسلم (۱۵۸٤) كتاب المساقاة : باب الرباء ' أحمد (۳/٤۹)]

(۳) [مجموعہ اسئلہ فی بیع و شراء الذهب (سوال نمبر : 1، 10)]

(٤) [ملخص از ، فتاوى اللجنة الدائمة (۱۳/۱۸۷ ـ ۱۸۸)]

ساتھ اپنا وقت بھی صرف کیا ہے اور شریعت میں کوئی ایسی دلیل نہیں ملتی جو انہیں اس کے نتیجے میں حاصل ہونے والے نفع سے روکتی ہو۔ لہٰذا ان کے حقوق پر زیادتی کرنے والا ان پر ظلم کرے گا اور ان کا مال ناحق طریقے سے کھانے والوں میں شامل ہوگا جس سے قرآن کریم میں منع کیا گیا ہے۔[البقرة : ١٨٨]

کفار کو شراب فروخت کرنا

جو چیز بھی اللہ تعالیٰ نے حرام کی ہے جیسے شراب اور خنزیر وغیرہ اس کی تجارت بھی حرام قرار دی ہے خواہ یہ تجارت کفار کے ساتھ ہی ہو۔(١)

لاٹری کے ٹکٹ فروخت کرنا

لاٹری چونکہ جوا ہے اور جوئے کو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں حرام قرار دیا ہے۔(٢) اس لیے لاٹری کے ٹکٹ فروخت کرنے کا کام ناجائز ہے۔ اگرچہ ایسا شخص براہ راست جوا کھیل تو نہیں رہا لیکن دوسروں کو جوا کھیلنے کا موقع فراہم کر کے ایک حرام کام میں تعاون تو کر ہی رہا ہے اور قرآن کریم میں ایسے تعاون سے بھی منع کیا گیا ہے۔(٣)

سودی رقم سے کسی کا قرض اتار دینا یا کوئی فلاحی کام کر دینا

اگر کوئی شخص سود سے تائب ہو جائے لیکن اس کے پاس سودی رقم موجود ہو تو اسے اس رقم کا کیا کرنا چاہیے؟ اس بارے میں سابق مفتی اعظم سعودیہ شیخ ابن باز رحمہ اللہ نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ بینک نے جو نفع اور فائدہ کی صورت میں مال دیا ہے اسے بینک کو واپس نہ کیا جائے اور نہ ہی خود استعمال کیا جائے بلکہ اسے کسی نیکی اور خیر کے کام میں صرف کر دینا چاہیے مثلاً فقراء و مساکین پر صدقہ کر دیا جائے، یا پھر عام لیٹرینوں کی مرمت کروا دی جائے یا ایسے مقروض لوگوں کے قرض کی ادائیگی کر دی جائے جو اپنا قرض اتارنے سے عاجز ہیں۔(٤)

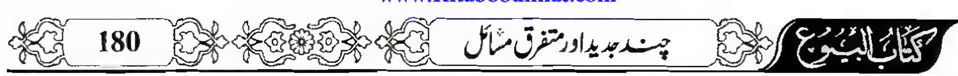
منگنی پوری کرنے کے لیے انگوٹھی کرائے پر لینا

سعودی مستقل فتویٰ کمیٹی کا یہ فتویٰ ہے کہ سونے اور چاندی کے زیورات معلوم مدت کے لیے اجرت پر لینا جائز ہے۔ مدت ختم ہونے پر لینے والا واپس کر دے اور اس کے عوض کوئی چیز گروی رکھنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔(٥)

فحش یا غیر شرعی مواد پر مشتمل ویب سائٹس کی تیاری

اگر کوئی شخص ایسی ویب سائٹ بنوانا چاہے جو موسیقی، خواتین کی تصاویر اور گانوں وغیرہ پر مشتمل ہو تو اس

(١) [فتاوى اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء (١٣/٤٧)]
(٢) [المائدة : ٩٠]
(٣) [المائدة : ٢]
(٤) [ماخوذ از، فتاوى اسلامية (٢/٤٠٧)]
(٥) [فتاوى اللجنة الدائمة (١٥/٧٩-٨٠)]



سے معذرت کر لینی چاہیے۔ یہ نہیں دیکھنا چاہیے کہ پیسے زیادہ مل رہے ہیں یا اس سے شہرت میں کوئی کمی واقع ہوگی بلکہ صرف رضائے الٰہی ہی پیش نظر رکھنی چاہیے۔ اور اہل علم کا کہنا ہے کہ ایسی ویب سائٹس کی تیاری کا کام ناجائز ہونے کے لیے اللہ تعالیٰ کا یہی فرمان کافی ہے کہ ''گناہ و معصیت اور ظلم و زیادتی کے کاموں میں ایک دوسرے کا تعاون مت کرو۔'' [المائدة : ٢]



باب الاحادیث الضعیفة عن البیع والمعاملات

تجارت اور لین دین سے متعلقہ چند ضعیف احادیث

(1) ﴿ طَلَبُ كَسْبِ الْحَلَالِ فَرِيْضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيْضَةِ ﴾ ''اللہ کے مقررہ فرائض (نماز، روزہ وغیرہ) کے بعد سب سے قابل ترجیح حلال کمائی کا طلب کرنا ہے۔''(۱)

(2) ﴿ لَا يَكْسِبُ عَبْدٌ مَالًا حَرَامًا فَيَتَصَدَّقُ مِنْهُ فَيُقْبَلُ مِنْهُ وَلَا يُنْفِقُ مِنْهُ فَيُبَارَكُ لَهُ فِيْهِ ﴾ ''جو بندہ حرام مال کمائے پھر اس سے صدقہ کرے تو قبول نہیں ہوتا اور اس سے خرچ کرے تو اس میں برکت نہیں ڈالی جاتی۔''(۲)

(3) ﴿ مَنْ بَاعَ عَيْبًا لَمْ يَتَبَنَّهُ لَمْ يَزَلْ فِي مَقْتِ اللّٰهِ اَوْ لَمْ تَزَلِ الْمَلَائِكَةُ تَلْعَنُهُ ﴾ ''جس نے بتائے بغیر اپنی کوئی عیب دار چیز فروخت کی وہ اللہ کی ناراضگی میں رہے گا یا فرشتے اس پر لعنت کرتے رہیں گے۔''(۳)

(4) ﴿ مَنْ بَاعَ بَيْعًا مِنْ رَجُلَيْنِ فَهُوَ لِلْاَوَّلِ مِنْهُمَا ﴾ ''جس نے دو آدمیوں سے کوئی سودا طے کیا تو وہ ان دونوں میں سے پہلے آنے والے کا حق ہے۔''(٤)

(5) ﴿ مَنِ اشْتَرَى شَيْئًا لَمْ يَرَهُ فَهُوَ بِالْخِيَارِ اِذَا رَآهُ ﴾ ''جس نے ایسی چیز خریدی جسے دیکھا نہیں تو جب وہ اسے دیکھے گا تو اسے (وہ چیز رکھنے یا واپس کرنے کا) اختیار ہوگا۔''(٥)

(6) ﴿ اَلْجَالِبُ مَرْزُوْقٌ وَ الْمُحْتَكِرُ مَلْعُوْنٌ ﴾ ''بازار میں سودا لانے والے کو رزق دیا جاتا ہے اور ذخیرہ

---

(۱) [**ضعیف** : المشكاة للألبانی (۲۷۸۱) شعب الایمان (۸۷٤۱) طبرانی (۵۹/۳)]

(۲) [**ضعیف** : هداية الرواة (۲۷۰۲)، (۱۳٤/۳) مسند احمد (۳۸۷/۱) بغوی فی شرح السنة (۲۰۳۰)] اس کی سند میں صباح بن محارب راوی ضعیف ہے۔]

(۳) [**ضعیف جدا** : ضعیف الجامع (۵۵۰۱) ابن ماجه (۲۲٤۷)] حافظ بوصیریؒ نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔ [مصباح الزجاجة (۳۰/۳)]

(٤) [**ضعیف** : ضعیف الجامع الصغير (۲۲۲٤) ابوداود (۲۰۸۸) ابن ماجه (۲۱۹۰) ترمذی (۱۱۱۰) نسائی (٤٦۸۲) المشكاة (۳۱۵٦) ارواء الغليل (۱۸۵۳)] شیخ شعیب ارناؤوط نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔ [الموسوعة الحديثية (۱۷۳٤۹)]

(٥) [**موضوع** : دارقطنی (۸/۳) بیهقی (۲٦۸/۵)] امام نوویؒ نے اس کے موضوع پر اتفاق نقل فرمایا ہے۔] کما فی الفوائد المجموعة للشوكانی (۲۹)] حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں عمر کردی راوی کذاب ہے۔ [الدراية (۱٤۸/۲)] مزید دیکھئے: المقاصد الحسنة للسخاوی (۱۰۸۱) التحقيق فی احاديث الخلاف (۱٦٦/۲) تذکرة الموضوعات، از علامه طاهر پٹنی (ص : ۱۳۵) كشف الخفاء للعجلونی (۲۳۲/۲)]

اندوز ملعون ہے۔“(۱)

(7) ﴿ مَنِ احْتَكَرَ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً فَقَدْ بَرِئَ مِنَ اللّٰهِ وَ بَرِئَ اللّٰهُ مِنْهُ ﴾ ”جس نے چالیس راتیں غلے کو ذخیرہ کیا تو وہ اللہ تعالیٰ سے بری ہو گیا اور اللہ تعالیٰ اس سے بری ہو گئے۔“(۲)

(8) ﴿ اشْتَرِ لِفَاطِمَةَ قَلَادَةً مِّنْ عَصَبٍ وَسِوَارَيْنِ مِنْ عَاجٍ ﴾ ”فاطمہ کے لیے منکوں کا ایک ہار اور ہاتھی دانت کے دو کنگن خرید و۔“(۳)

(9) ﴿ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَمْتَشِطُ بِمُشْطٍ مِّنْ عَاجٍ ﴾ ”نبی کریم ﷺ ہاتھی دانت کی بنی کنگھی استعمال فرمایا کرتے تھے۔“(٤)

(10) ﴿ مَنْ حَبَسَ الْعِنَبَ أَيَّامَ الْقِطَافِ حَتّٰى يَبِيْعَهُ مِمَّنْ يَتَّخِذُهُ خَمْرًا فَقَدْ تَقَحَّمَ النَّارَ عَلٰى بَصِيْرَةٍ ﴾ ”جس شخص نے انگور اتارنے کے دنوں میں انہیں روک لیا حتی کہ انہیں کسی شراب بنانے والے کو فروخت کر دیا تو وہ جانتے بوجھتے آتشِ جہنم میں داخل ہو گیا۔“(٥)

(11) ﴿ يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ يَأْكُلُوْنَ الرِّبَا فَمَنْ لَمْ يَأْكُلْهُ اَصَابَهُ مِنْ غُبَارِهِ ﴾ ”لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ وہ سود کھانے لگیں گے اور جو سود نہیں کھائے گا اسے اس کا غبار (ضرور) پہنچے گا۔“(٦)

(12) ﴿ ثَلَاثٌ فِيْهِنَّ الْبَرَكَةُ : اَلْبَيْعُ اِلٰى اَجَلٍ وَ الْمُقَارَضَةُ وَ اِخْلَاطُ الْبُرِّ بِالشَّعِيْرِ لِلْبَيْتِ لَا

---

(۱) [**ضعيف** : غاية المرام (۳۲۷) ضعيف الترغيب (۱۱۰۱) ابن ماجه (۲۱۵۳)] حافظ ابن حجرؒ نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔ [التلخيص (۳/۳۵)] امام شوکانیؒ نے اسے ضعیف اور موضوع روایات کے ضمن میں ذکر کیا ہے۔ [الفوائد المجموعة (ص : ۱٤٥)]

(۲) [**ضعيف** : غاية المرام (۳۲٤) مسند احمد (۲/۳۳) حاكم (۲/۱۱) مجمع الزوائد (٤/۱۰۰) نصب الراية (٤/۲٦۲)] شیخ شعیب ارناؤوط اس کے راوی ابوبشر کی جہالت کی وجہ سے اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔ [الموسوعة الحديثية (٤۸۸۰)]

(۳) [**ضعيف الاسناد ، منكر** : المشكاة (٤٤٧۱) ضعيف الجامع الصغير (٦۳۹۰) ضعيف ابوداود ، ابوداود (٤۲۱۳) مسند احمد (٥/۲۷٥)] امام ابن جوزیؒ نے فرمایا ہے کہ یہ روایت صحیح نہیں۔ [العلل المتناهية (۲/۸۰۰)] امام ذہبیؒ نے فرمایا ہے کہ اس کی سند میں دو راوی مجہول ہیں۔ [تنقيح كتاب التحقيق فى احاديث التعليق (۱/۳۳)]

(٤) [**منكر** : السلسلة الضعيفة (٤۸٤٦) بيهقى (۱/۲٦)]

(٥) [**ضعيف جدا** : غاية المرام (٦۲) السلسلة الضعيفة (۱۲٦۹) طبرانى فى الأوسط (٥/۲۹٤) '(٥۳٥٦)]

(٦) [**ضعيف** : ضعيف نسائى ، ضعيف الترغيب (۱۱٦۷) ضعيف الجامع الصغير (٤۸٦٤) ابوداود (۳۳۳۱) ابن ماجه (۲۲۷۸) نسائى (٤٤٥٥)] شیخ شعیب ارناؤوط فرماتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے، اس میں عباد بن بشر راوی ضعیف ہے لیکن اس کا متابع ہے۔ [الموسوعة الحديثية (۱۰٤۱٥)]

لِلْبَيْعِ ﴾ ''تین چیزوں میں برکت ہے۔کاروبار میں مقررہ مدت کالحاظ رکھنے میں۔بیع مضاربت میں۔گندم اور جو کوملا لینے میں اپنے گھریلو استعمال کے لیے نہ کہ تجارت کے لیے۔''(١)

(13) ﴿ كُلُّ قَرْضٍ جَرَّ مَنْفَعَةً فَهُوَ رِبًا ﴾ ''ہر وہ قرض جو نفع لائے' سود ہے۔''(٢)

(14) ﴿ لَا يُغْلَقُ الرَّهْنُ مِنْ صَاحِبِهِ الَّذِيْ رَهَنَهُ لَهُ غُنْمُهُ وَعَلَيْهِ غُرْمُهُ ﴾ ''گروی شدہ چیز اس کے مالک سے روکی نہیں جائے گی' اس کا فائدہ بھی اسی کے لیے ہے اور تاوان کا بھی وہی ذمہ دار ہے۔''(٣)

(15) ﴿ اَنَا ثَالِثُ الشَّرِيْكَيْنِ مَا لَمْ يَخُنْ اَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ ﴾ ''میں دو شریکوں کا تیسرا (ساتھی) ہوں جب تک کہ ان میں سے ایک اپنے ساتھی سے خیانت نہ کرے۔''(٤)

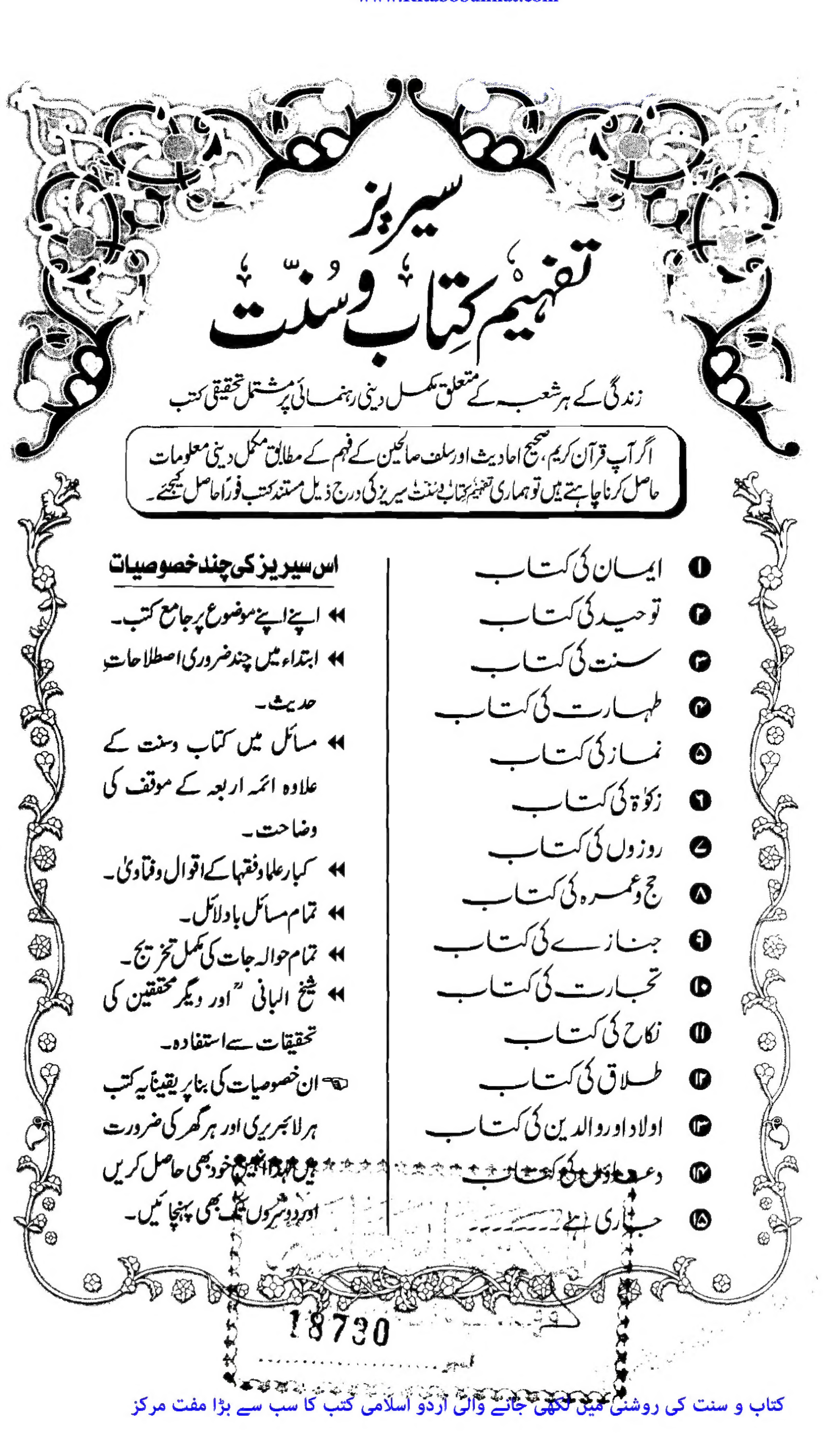
---

(١) [**موضوع** : اللآلي المصنوعة (١٢٩/٢) امام سیوطیؒ نے اسے موضوع کہا ہے۔حافظ ابن حجرؒ نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔[بلوغ المرام (١٨٦/١)] حافظ بوصیریؒ فرماتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے۔[مصباح الزجاجة (٣٧/٣)] شیخ البانیؒ نے اسے سخت ضعیف کہا ہے۔[ضعيف الجامع الصغير (٢٥٢٥)]

(٢) [**ضعيف** : إرواء الغليل (١٣٩٨) ضعيف الجامع الصغير (٤٢٤٤) اس کی سند میں سوار بن مصعب راوی متروک ہے۔[الجرح والتعديل (٢٧١/٤) ميزان الاعتدال (٢٤٦/٢) المجروحين (٣٥٦/١) المغني (٢٩٠/١)] واضح رہے کہ اگرچہ یہ روایت ضعیف ہے مگر اس کا مفہوم صحیح ہے اور اس پر اتفاق ہے۔]

(٣) [**ضعيف** : دارقطني (٣٢/٣) حاكم (٥١/٢) بيهقي (٣٩/٦) موارد الظمآن (١١٢٣) ترتيب المسند للشافعي (١٦٤/٢)] یہ روایت ضعیف ہے۔حافظ ابن حجرؒ نے کہا ہے کہ اس روایت کی تمام اسناد ضعیف ہیں۔[تلخيص الحبير (٨٤/٣)] اور بلوغ المرام میں نقل کیا ہے کہ اس کے رجال ثقہ ہیں مگر ابوداود وغیرہ کے پاس محفوظ اس کا مرسل ہونا ہی ہے۔[بلوغ المرام (ص/١٩٣)] یہی روایت مختصر الفاظ میں سنن ابن ماجة (٢٤٤١) میں بھی ہے لیکن وہ بھی ضعیف ہے۔[ضعيف ابن ماجة (٥٣١) إرواء الغليل (٢٤٢/٥)] یاد رہے کہ اس روایت کے ضعیف ہونے کے باوجود اس کا مفہوم صحیح ہے۔]

(٤) [**ضعيف** : ارواء الغليل (٢٨٨/٥) ضعيف الجامع الصغير (١٧٤٨) ضعيف الترغيب (١١١٤) ضعيف ابو داود (٧٣٢) كتاب البيوع : باب في الشركة ' ابو داود (٣٣٨٣) دارقطني (١٣٥) حاكم (٥٢/٢)]

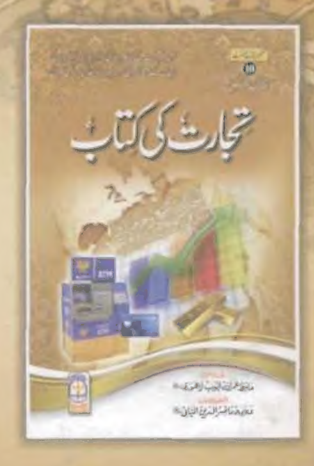


سیریز
تفہیم کتاب وسنت
زندگی کے ہر شعبہ کے متعلق مکمل دینی رہنمائی پر مشتمل تحقیقی کتب
اگر آپ قرآن کریم، صحیح احادیث اور سلف صالحین کے فہم کے مطابق مکمل دینی معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ہماری تفہیم کتاب وسنت سیریز کی درج ذیل مستند کتب فوراً حاصل کیجئے۔
1 ایمان کی کتاب
2 توحید کی کتاب
3 سنت کی کتاب
4 طہارت کی کتاب
5 نماز کی کتاب
6 زکوٰۃ کی کتاب
7 روزوں کی کتاب
8 حج وعمرہ کی کتاب
9 جنازے کی کتاب
10 تجارت کی کتاب
11 نکاح کی کتاب
12 طلاق کی کتاب
13 اولاد اور والدین کی کتاب
14 دعاؤں کی کتاب
15 جاری ہے
اس سیریز کی چند خصوصیات
اپنے اپنے موضوع پر جامع کتب۔
ابتداء میں چند ضروری اصطلاحات حدیث۔
مسائل میں کتاب وسنت کے علاوہ ائمہ اربعہ کے موقف کی وضاحت۔
کبار علما وفقہا کے اقوال وفتاویٰ۔
تمام مسائل با دلائل۔
تمام حوالہ جات کی مکمل تخریج۔
شیخ البانی ؒ اور دیگر محققین کی تحقیقات سے استفادہ۔
ان خصوصیات کی بنا پر یقیناً یہ کتب ہر لائبریری اور ہر گھر کی ضرورت ہیں لہٰذا انہیں خود بھی حاصل کریں اور دوسروں تک بھی پہنچائیں۔

تفہیم کتاب وسنت

10

کتاب البیوع



انسانی زندگی میں کسبِ معیشت، وسائلِ معیشت اور خرید وفروخت کو جو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے اس کا اندازہ اسی بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ مرد وزن کی تفریق کیے بغیر اس کا تعلق ہر انسان سے ہے اور یہ ہر ایک کے معمولاتِ زندگی کا لازمہ ہے۔ یہی باعث ہے کہ اسلام نے اپنی وسعت، ہمہ گیری اور اکملیت کے باوصف حیاتِ انسانی کے تمام پہلوؤں کے لیے جو جامع مانع پروگرام مرحمت فرمائے ہیں ان میں معاشی زندگی کے مسائل اور ان کے حل کو خصوصی اہمیت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

زیرِ نظر کتاب میں اسی اہم معاشی موضوع کو زیرِ بحث لایا گیا ہے۔ حلال وحرام کی پہچان کے طریقے، خرید وفروخت کے اسلامی اصول، حلال کاروبار کے طریقے، قرض، گروی، دیوالیہ، وقف، اُدھار، امانت، ضمانت وغیرہ اس کتاب کے اہم مضامین ہیں۔ قدیم مسائل کے ساتھ ساتھ جدید اور عصری مسائل کو بھی مناسب انداز میں بیان کیا گیا ہے جیسے اسلامی بینکنگ، ملٹی لیول مارکیٹنگ اور شیئرز کا کاروبار وغیرہ۔

اس کتاب کی ایک اہم خوبی یہ بھی ہے کہ اس میں پہلی بار کتاب وسنت اور علماء وفقہا کے فتاویٰ کی روشنی میں 17 ایسے اصول مقرر کر دیئے گئے ہیں جن کو پیشِ نظر رکھ کر حلال وحرام کاروبار کی بآسانی پہچان کی جا سکتی ہے خواہ کوئی کاروباری مسئلہ قدیم ہو یا جدید۔

مکمل حوالہ جات، تخریج وتحقیق، عمدہ کمپوزنگ، بہترین سرورق اور دیدہ زیب طباعت بھی اس کتاب کی نمایاں خصوصیات میں شامل ہے۔ یوں یہ کاوش نہ صرف باطنی حسن سے مزین ہے بلکہ ظاہری حسن سے بھی آراستہ ہے۔

فاضل مصنف "حافظ عمران ایوب" یقیناً تحسین کے سزاوار ہیں جنہوں نے شبانہ روز محنت سے اس اہم کتاب کو مختصر مگر جامع انداز میں مرتب کیا۔ اللہ تعالیٰ موصوف کی اس کوشش کو قبول فرمائے اور اسے لوگوں کی اصلاح کا ذریعہ بنائے۔ (آمین!)

پروفیسر ڈاکٹر عبد القیوم حفظہ اللہ
اسلامک سینٹر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور



تفہیم کتاب وسنت کا تحقیقی وطباعتی ادارہ
فقہ الحدیث پبلیکیشنز
لاہور — پاکستان
0300-4206199
Website: fiqhulhadith.com, E-Mail: editor@fiqhulhadith.com